حدیث اور محدثین

ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد

حدیث اور محدثین

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	حدیث اور محدثین
تالیف	ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ
ناشر	ادارۃ العلوم الاثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد فون: 041-2642724
تاریخ طباعت	جون 2026ء
ملنے کا پتہ	ادارۃ العلوم الاثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد
مطبع	دارالسلام قرآن پرنٹنگ کمپلیکس 4884040 302 92+

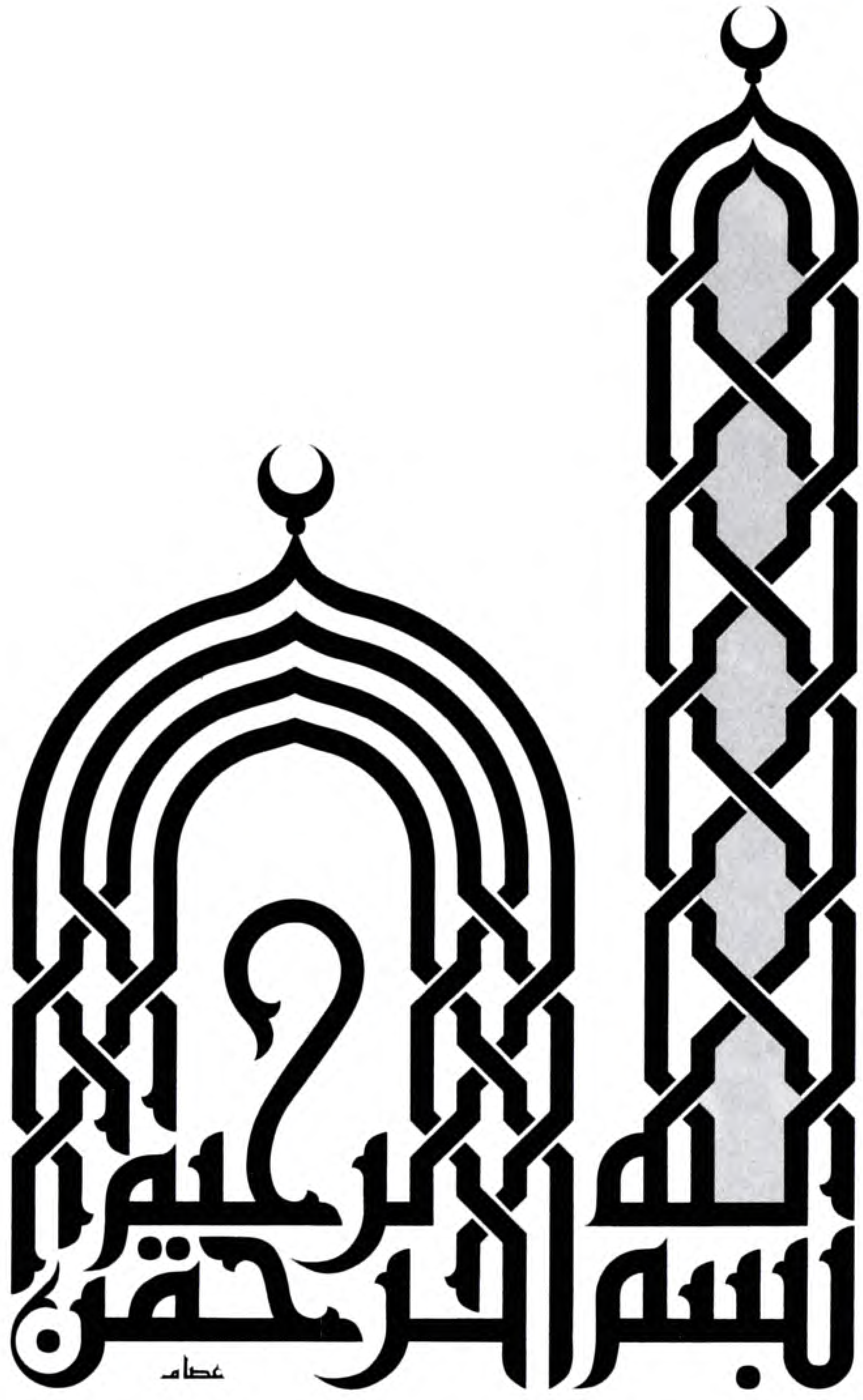

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فہرست

❀ عرضِ ناشر -- 31

❀ مقدمہ -- 34

❖ دین کی بنیاد وحیِ الٰہی پر ہے -- 46

❖ **رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم** -- 50

❖ پہلی آیت -- 50

❖ دوسری آیت -- 53

❖ تیسری آیت -- 56

❖ چوتھی آیت -- 61

❖ پانچویں آیت -- 62

❖ چھٹی آیت -- 64

❖ ساتویں آیت -- 65

❖ آٹھویں آیت -- 68

❖ نویں آیت -- 71

❖ دسویں آیت -- 72

❖ گیارھویں آیت -- 74

❖ بارھویں آیت -- 76

❖ **چند احادیثِ مبارکہ** -- 78

❖ پہلی حدیث ---------- 79

❖ دوسری حدیث ---------- 79

❖ تیسری حدیث ---------- 80

❖ چوتھی حدیث ---------- 82

❖ پانچویں حدیث ---------- 83

❖ چھٹی حدیث ---------- 84

❖ ساتویں حدیث ---------- 85

❖ آٹھویں حدیث ---------- 85

❀ **حدیث بھی منزل من اللہ ہے** ---------- 87

❖ وحی کی اقسام ---------- 87

❖ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی ---------- 87

❖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ---------- 88

❖ سنت بھی بذریعہ جبرائیل علیہ السلام ---------- 89

❖ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ---------- 90

❖ وحی آنے پر جواب، ورنہ "لا أدری" ---------- 90

❖ قرآن کے ساتھ سنت کا نزول ---------- 91

❖ **قرآن مجید اور وحی خفی** ---------- 92

❖ پہلی آیت ---------- 92

❖ دوسری آیت ---------- 94

❖ تیسری آیت ---------- 94

❖ چوتھی آیت ---------- 95

❖ پانچویں آیت ---------- 97

❖ چھٹی آیت ---------- 97

❖ ساتویں آیت ---------- 99

❖ آٹھویں آیت ---------- 101

❀ **صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور احادیثِ مبارکہ ---------- 102**

❖ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ---------- 102

❖ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، کتاب اللہ کا حکم ہے ---------- 103

❖ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا فرمان ---------- 105

❖ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب ---------- 106

❖ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ---------- 106

❖ اہلِ بدعت کا قرآن پاک کے عموم سے استدلال ---------- 108

❖ حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ---------- 109

❖ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ---------- 110

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف ---------- 111

❖ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ---------- 111

❖ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ میں نے احادیث کیوں بیان کیں ---------- 114

❖ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وضاحت ---------- 115

❖ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا فرمان اور حدیث پر عمل ---------- 115

❖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر منزل من اللہ حکم پہنچا دیا ---------- 117

❖ حضرت حذیفہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت دو مردوں کے برابر ---------- 118

❖ وقت پر نماز کا حکم مگر جمع کی رعایت ---------- 119

❖ حضرت ابوہریرہؓ کا فرمان کہ قرآن وسنت آنحضرت ﷺ کی میراث ہے -- 119

❖ آپ ﷺ کی وراثت علمی ہے ---------------------------------- 120

❖ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل غلط تھا ---------------------------- 121

❀ **احترامِ حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف** ---------------------- 123

❖ حضرت عبداللہ بن مغفل کا احترامِ حدیث ---------------------------- 123

❖ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا عمل ---------------------------- 124

❖ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا عمل ---------------------------- 124

❖ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ---------------------------- 125

❖ امام سالم رحمہ اللہ کا قول ---------------------------- 126

❖ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ---------------------------- 126

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ---------------------------- 126

❖ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ---------------------------- 127

❖ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا قول وعمل ---------------------------- 127

❖ امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا عمل ---------------------------- 128

❖ امام حماد بن زید رحمہ اللہ کا فرمان ---------------------------- 128

❖ امام مالک رحمہ اللہ کا طرزِ عمل ---------------------------- 129

❖ امام عبداللہ بن مبارک اور امام اعمش رحمہما اللہ کا طرزِ عمل ---------------- 130

❀ **رسول اللہ ﷺ اور آپ کی احادیث کے استہزا کا انجام** ---------------- 131

❖ ایک نصرانی کا انجام ---------------------------- 132

❖ ایک محدث کا انجام ---------------------------- 133

❖ ایک شخص کا دایاں ہاتھ شل ہو گیا ---------------------------- 134

❖ ایک معتزلی کا انجام -- 135
❖ آپ کے فرمان پر عمل نہ کرنے کا انجام ---------------------- 135
❖ ایک اور نافرمان کا انجام ---------------------------------- 136
❖ **قرآن وحدیث میں معنوی تلازم اور بیان** -------------------- 138
❖ اس کی بارہ (۱۲) مثالیں ---------------------------------- 139
❖ احادیث کا قرآنِ پاک سے تعلق بیان وتفسیر کا بھی ہے -------------- 145
❖ تیرہ (۱۳) مثالیں -- 146
❖ امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ کا قول کہ سنت قرآن پر قاضی ہے ------------ 154
❖ جو کہے کہ حدیث بیان نہ کرو، وہ گمراہ ہے ---------------------- 152
❖ اس بارے میں امام سعید بن جبیر، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ کے فرامین --- 155
❖ ایک موضوع حدیث کا سہارا -------------------------------- 156
❖ علامہ ابن عبدالبر کا فرمان -------------------------------- 157
❀ **صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کا جمع حدیث** -------------------- 159
❖ قرآنِ پاک کے حفاظ ------------------------------------ 159
❖ حدیث کے حفاظ -- 159
❖ قرآن پاک کو لکھنے والے -------------------------------- 159
❖ احادیثِ مبارکہ کو لکھنے والے ------------------------------ 160
❖ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا صحیفہ ---------------------- 160
❖ فتح مکہ کے خطبہ کو لکھنے کا حکم ---------------------------- 163
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ -------------------------------- 163
❖ مکتوباتِ نبوی -- 164

❖ حضرت عمرو بن حزم کا صحیفہ ---------------------------------- 164

❖ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نوشتے ---------------------------- 165

❖ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ ---------------------------------- 165

❖ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کے صحائف ----------------------- 165

❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعلم صحابہ کی احادیث لکھوانا ---------------------- 167

❖ صحابہ کے بعد کتابتِ حدیث پر اجماع ہے ---------------------------- 167

❖ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا احادیث مدون کرنے کا حکم ------------------- 167

❖ امام زہری رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کی مکتوبہ احادیث ------------------ 169

❖ ابواب پر احادیث مرتب کرنے والے ------------------------------ 170

❖ وراقین کی سرعت کتابت -- 172

❖ **کیا احادیث لکھنے کی ممانعت ہے** ------------------------------ 173

❖ ممانعت کی حدیث کا حکم -- 174

❖ ممانعت کا باعث -- 175

❖ بہت سے علماء نے اسے منسوخ کہا ہے ------------------------------ 175

❖ نسخ کی دلیل -- 176

❖ **کیا مکتوب ہی قابلِ اعتماد ہے** ---------------------------------- 177

❖ قرآن کا لکھا ہوا ہونے کا مطالبہ کفار کا تھا ---------------------------- 178

❖ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ کی تردید فرمائی ہے -------------------------- 178

❖ اعتماد حفظ پر ہے، امام ابن الجندی -------------------------------- 179

❖ کتابت میں تصحیف وتحریف کا احتمال ------------------------------ 180

❖ اس پر محدثین نے کتابیں لکھی ہیں -------------------------------- 181

- جھوٹی کتابیں اور مکتوبات -- 182
- نصاریٰ کی گمراہی کا ایک سبب ---------------------------------- 183
- شہادت عثمان رضی اللہ عنہ میں اسی تصحیف کی اثر پذیری --------------------- 184
- **جمع احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کی مساعی** ------------- 185
- طلبِ علم کے لیے پہلا سفر ------------------------------------ 185
- آدم علیہ السلام کا سفر -- 185
- طلبِ علم کے لیے سفر کی فضیلت ------------------------------- 186
- اس موضوع پر محدثین کی کتابیں ------------------------------- 186
- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کا سفر ----- 188
- حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا ایک حدیث کے لیے سفر -------------------- 189
- عبداللہ بن فیروز رحمہ اللہ کا سفر ------------------------------------- 190
- ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا سفرِ مصر --- 191
- سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا ایک حدیث کے لیے کئی دنوں کا سفر --------- 192
- امام ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا سفر -- 192
- امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک مسئلے کے لیے سفر ------------------------ 192
- امام ابوقلابہ رحمہ اللہ کا ایک حدیث کے لیے تین روز مدینہ طیبہ میں انتظار کرنا 192
- امام علقمہ رحمہ اللہ اور اسود رحمہ اللہ کا سفر مدینہ طیبہ ---------------------- 192
- امام عامر شعبی رحمہ اللہ کا سفر -- 193
- امام ہشیم کا ایک حدیث کے لیے سفر کرنا ----------------------------- 193
- امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ایک اثر کے لیے مرو کا سفر ------------- 193
- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اسفار علمیہ ----------------------------- 193

❖ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کے اسفار کا ذکر ---------------------------- 195

❖ امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ کے اسفار ------------------------ 197

❖ امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ کا پا پیادہ مغرب سے مشرق کا سفر -------------- 198

❖ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ کے اسفار ------------------------- 199

❖ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کے اسفار ---------------------------- 200

❖ امام ابوالوقت عبدالاول السجزی رحمہ اللہ کے اسفار ---------------------- 201

❖ حافظ حجاج رحمہ اللہ بن یوسف ابن شاعر کا سفر ------------------------- 203

❖ حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ کے اسفار ------------------------------ 203

❖ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کے اسفار ------------------------- 204

❖ امام ابوطاہر احمد بن محمد السلفی رحمہ اللہ کے اسفار ---------------------- 205

❖ امام ابن مندہ رحمہ اللہ کے اسفار -------------------------------------- 207

❖ امام ابوسعد السمعانی رحمہ اللہ کے اسفار ------------------------------- 208

❖ حافظ ابوعبداللہ رحمہ اللہ بن محمد بن عبدالواحد الدقاق کے اسفار ----------- 208

❖ کیا یہ اسفار کسی سازش کا نتیجہ تھے؟ ------------------------------- 209

❖ **علم راحت اور آرام سے نہیں ملتا** ------------------------------- 210

❖ محدثین کے اقوال -- 211

❖ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل --------------------------- 211

❖ امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا عمل -------------------------------- 212

❖ امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ۳۰ سال بستر پر نہیں سویا ------------------ 212

❖ امام طبرانی رحمہ اللہ اور حافظ جعابی کا مذاکرہ ------------------------------ 212

❖ حافظ محمد بن طاہر رحمہ اللہ المقدسی ---------------------------------- 213

❖ امام حسن بن احمد کا حال -- 213

❖ امام حسن بن علی الوخشی رحمہ اللہ کا حال ----------------------------- 213

❖ امام عبید بن یعیش رحمہ اللہ کا حال ---------------------------------- 213

❖ امام محمد بن فتوح الحمیدی رحمہ اللہ کا حال ---------------------------- 214

❖ امام بخاری رحمہ اللہ کا حال -- 214

❖ امام احمد رحمہ اللہ کا حال --- 214

❖ امام ابونصر السجزی رحمہ اللہ کا حال ---------------------------------- 216

❖ امام ابواسحاق رحمہ اللہ سیفنہ کا حال ---------------------------------- 216

❀ **محدثین کی آستینیں** --- 217

❖ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ساری میراث حصولِ علم میں خرچ کر دی----- 219

❖ امام شعبہ رحمہ اللہ نے گھر کے برتن، گھر کی لکڑیاں فروخت کر دیں -------- 219

❖ امام شعبہ رحمہ اللہ جس سے دس احادیث لیتے تو دس باران کی مجلس میں جاتے - 220

❖ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے کوفہ سے مکہ پھر مدینہ پھر بصرہ کا سفر کیا---- 222

❖ حافظ ابوبکر رحمہ اللہ عبداللہ بن محمد کا حال اور ان کی مجلس میں تیس ہزار کا اجتماع--- 222

❖ امام ابوحاتم رحمہ اللہ کا حال -- 222

❖ امام عامر شعبی رحمہ اللہ کا سبق آموز فرمان ---------------------------- 224

❀ **محدثین کرام کی خدمات کی تحسین وقدردانی**---------------------- 225

❖ امام ابن حبان رحمہ اللہ کا فرمان ------------------------------------- 225

❖ امام ابوعلی رحمہ اللہ الزعفرانی کا فرمان --------------------------------- 227

❖ امام ابوجعفر احمد بن سنان رحمہ اللہ کا فرمان ---------------------------- 227

❖ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث پر کون کون معترض ہیں ------------- 228

❖ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فرمان ---------- 228
❖ امام عامر شعبی رحمہ اللہ کا قول ---------- 229
❖ امام احمد رحمہ اللہ کے فرامین ---------- 229
❖ امام شافعی رحمہ اللہ کے فرامین ---------- 229
❖ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا اعترافِ حقیقت ---------- 230
❖ امام ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کا قول ---------- 231
❖ امام عبداللہ بن داود رحمہ اللہ کا قول ---------- 231
❖ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا فرمان ---------- 232
❖ امام یزید بن زریع کا فرمان ---------- 232
❖ امام سہل بن التستری کا عجیب عمل ---------- 232
❖ امام عبدالرحمٰن الزبیدی رحمہ اللہ کا عجیب واقعہ ---------- 232
❖ امام محمد بن الفضل رحمہ اللہ کی عجیب وصیت ---------- 233
❖ امام ابو حاتم رحمہ اللہ کا فرمان ---------- 233
❖ امام سہل رحمہ اللہ تستری کا فرمان ---------- 233
❖ خلیفہ المنصور کی عجیب حسرت ---------- 234
❖ قاضی یحیٰی بن اکثم رحمہ اللہ کی تمنا ---------- 235
❖ خلیفہ ہارون رشید کی تمنا ---------- 235
❖ بادشاہوں کی تمنا کا باعث ---------- 236
❖ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا استقبال ---------- 236
❖ امام ابو معاویۃ الضریر کی قدر دانی ---------- 236
❖ امام احمد رحمہ اللہ کی مجلس اور یومِ انتقال ---------- 237

- امام صاحب رحمہ اللہ کے مخالفین کا انجام ---------------------------- 237
- معتصم رحمہ اللہ بھی خوف زدہ تھا ---------------------------- 237
- امام بخاری رحمہ اللہ کا استقبال اور مجلس سماع ---------------------------- 238
- امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ کی مجلس سماع کا حال ---------------------------- 239
- خلیفہ مامون ان سے خوف زدہ تھا ---------------------------- 239
- حافظ عاصم رحمہ اللہ بن علی الواسطی کی مجلس سماع کا حال ---------------------------- 240
- امام ابو مسلم الکجی رحمہ اللہ کی مجلس سماع کا حال ---------------------------- 241
- دیگر محدثین کی مجالس میں حاضرین کی تعداد ---------------------------- 241
- **اہلِ حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں** ---------------------------- 242
- امام علی بن المدینی، امام بخاری رحمہما اللہ وغیرہم کے اقوال ---------------------------- 243
- علامہ علی قاری رحمہ اللہ کا اظہارِ حقیقت ---------------------------- 243
- علامہ شمس الدین رحمہ اللہ ابن مفلح کا قول ---------------------------- 244
- حدیث: ”نضر اللہ امرءاً“ کا مصداق محدثین ہیں ---------------------------- 245
- علامہ علی قاری رحمہ اللہ کا اظہارِ حقیقت ---------------------------- 245
- سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والے وہی ہیں ---------------------------- 246
- **مجلسِ محدثین اور مجلسِ فقہاء کا فرق** ---------------------------- 247
- **امام صاحب رحمہ اللہ نے مجلسِ سماع حدیث نہیں بنائی** ---------------------------- 248
- **امام صاحب رحمہ اللہ کے اساتذہ کی تعداد** ---------------------------- 249
- **محدثین رحمہم اللہ کا حفظ وضبط** ---------------------------- 250
- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ---------------------------- 251
- امام محمد بن مسلم زہری رحمہ اللہ ---------------------------- 254

❖ امام قتادہ رحمہ اللہ اور امام شعبی رحمہ اللہ ---------------------------------- 255

❖ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا حفظ وضبط ---------------------------- 256

❖ امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ -- 256

❖ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا واقعہ -- 259

❖ امام محمد رحمہ اللہ بن اسماعیل بخاری کا ذکرِ خیر --------------------------- 260

❖ امام ابوعیسیٰ رحمہ اللہ محمد بن عیسیٰ الترمذی ------------------------------ 267

❖ امام ابوالحسن رحمہ اللہ دارقطنی --- 270

❖ امام ابو بکر احمد بن محمد الاثرم --- 279

❖ حافظ ابن الانباری --- 280

❖ امام عثمان الدانی المقرئ رحمہ اللہ -- 281

❖ حافظ ابوعلی الحسین رحمہ اللہ بن محمد الماسرجسی ---------------------------- 281

❖ امام محمد ابن رزقویہ کا قول -- 281

❖ امام شعبہ، ثوری، مالک، حماد بن زید اور ابن عیینہ رحمہم اللہ کی احادیث ---- 281

❖ **احادیث کی تعداد** -- 282

❖ محدثین کا طریقہ --- 282

❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات --- 283

❖ امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ ایک حدیث ۳۰ اسانید سے لکھتے تھے ----------------- 285

❖ ان کا قول کہ میں نے دس لاکھ احادیث لکھی ہیں ------------------------------ 285

❖ **متاخرین کا حفظ وضبط** -- 285

❖ امام منذری رحمہ اللہ وغیرہ حفاظ کا ذکر -- 286

❖ قاضی عبیداللہ المدراسی صحاح ستہ کا زبانی درس دیتے تھے --------------------- 287

❖ مفتی ابو البقاجون پوری رحمہ اللہ کا عجیب حافظہ ---------------------- 287

❖ محدث حسین بن محسن الیمانی رحمہ اللہ کو فتح الباری یاد تھی -------------- 288

❖ شیخ عبدالرحمٰن مغربی حافظِ صحیح مسلم ------------------------------ 288

❖ شیخ یحییٰ مسند احمد کے حافظ ------------------------------------ 288

❖ حافظ صحاح ستہ شیخ بدر الدین المراکشی کا قصہ ---------------------- 288

❖ مولانا سید احمد حسین رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ کا حفظ --------- 289

❖ حافظ صحاح ستہ، حافظ محمد رمضان پشاوری رحمہ اللہ ---------------------- 289

❖ حافظ صحاح ستہ، استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی ------------- 290

❖ حافظ صحاح ستہ، حافظ محمد حسین رحمہ اللہ موذن مسجد چینیاں والی ---------- 290

❖ مولانا ابو الخیر الحسنی رحمہ اللہ --------------------------------------- 290

❖ استاذنا شیخ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کا حفظ وضبط ------------------------- 290

❖ سید بدیع الدین رحمہ اللہ، شیخ محمد انور کشمیری رحمہ اللہ -------------------- 291

❖ مولانا محمد یوسف سورتی رحمہ اللہ ------------------------------------ 291

❖ مولانا عبدالعزیز میمنی --- 292

❖ شیخ یحییٰ بن عبدالعزیز کا حفظ حدیث پروگرام ------------------------ 292

❖ **صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی لکھی جاتیں** -------------------- 293

❖ امام یحییٰ رحمہ اللہ کا فرمان اور طرزِ عمل ---------------------------- 293

❖ **محدثین کا اخلاص عبادات اور فیاضی** ------------------------------ 294

❖ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی فیاضی ---------------------------- 295

❖ امام ربیعہ رحمہ اللہ کی فیاضی ------------------------------------ 297

❖ فقیہ عراق، امام حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ ------------------------------ 297

❖ امام حفص بن غیاث رحمہ اللہ وغیرہم ---------------------------------- 298

❖ امام محمد بن سلام رحمہ اللہ بیکندی ------------------------------------ 299

❖ امام بخاری رحمہ اللہ -- 299

❖ امام محمد بن جریر، امام ابن خزیمہ وغیرہ کا قصہ ---------------------- 301

❖ امام ہشام الدستوائی رحمہ اللہ کا فرمان ---------------------------------- 302

❖ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان -- 303

❖ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ --- 303

❖ امام محمد بن اسلم رحمہ اللہ الطّوسی الکندی کا شہرت سے اجتناب ------------ 303

❖ امام طلحہ بن مصرف الکوفی رحمہ اللہ شہرت سے بچنے والوں کا ذکر----------- 305

❖ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ --- 305

❖ امام داود بن ابی ہند رحمہ اللہ --- 306

❖ سید التابعین امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ ------------------------------- 307

❖ امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ -- 307

❖ امام ربیع بن خثیم رحمہ اللہ -- 307

❖ امام سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ ------------------------------------ 308

❖ امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ-- 308

❖ امام سفیان الثوری کا ورعہ اور مقام ومرتبہ -------------------------------- 309

❖ امام منصور بن زاذان رحمہ اللہ -- 311

❖ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ-- 311

❖ امام ابو زید محمد المروزی رحمہ اللہ -- 312

❖ امام عبداللہ بن عون بصری رحمہ اللہ ------------------------------------- 312

❖ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ -------------------------------- 312
❖ امام عبداللہ بن وہب مصری نے کبھی غیبت نہیں کی------------------------- 313
❖ امام ابو عاصم الضحاک بن مخلد کا یہی حال تھا---------------------------- 314
❖ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ------------------------ 314
❖ امام ابراہیم رحمہ اللہ الصائغ کا عمل -------------------------------- 314
❖ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا عمل ---------------------------- 314
❖ امام ربیعہ رحمہ اللہ کا عمل ----------------------------------- 315
❖ امام سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ دمشقی-------------------------------- 315
❖ قاضی محمد سماعہ رحمہ اللہ کا اہتمام ----------------------------------- 315
❖ بشر بن الحسن بصری الصفی رحمہ اللہ ---------------------------------- 315
❖ امام عبید بن عمیر رحمہ اللہ مکی کا ورع وتقویٰ -------------------------- 315
❖ امام علی بن حمشاد رحمہ اللہ --- 317
❖ امام یوسف بن یحییٰ رحمہ اللہ بویطی -------------------------------- 317
❖ امام احمد بن اسماعیل رحمہ اللہ قزوینی------------------------------ 318
❖ امام ابوعثمان سعید الحیر ی رحمہ اللہ--------------------------------- 318
❖ امام ابوعبداللہ المروزی رحمہ اللہ -------------------------------- 318
❖ امام ابوعصمہ رحمہ اللہ عاصم بیہقی اور امام احمد رحمہ اللہ ------------------ 319
❖ امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ--------------------------------- 319
❖ علم وعمل میں اُسوہ --- 319
❖ تعلیم کے ساتھ اخلاق و آداب کا حصول ------------------------ 319
❖ امام قاسم رحمہ اللہ کا احترام ------------------------------- 320

❖ ادب اخلاق کی اہمیت، حبیب الازدی رحمہ اللہ کا فرمان ---------------- 320

❖ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فرمان -------------------------- 321

❖ علم بلا ادب آگ، ادب بلا علم بے جان لاشہ -------------------- 321

❖ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی حدیث، قیام، قعود سب لکھا جاتا ------------ 321

❖ امام احمد رحمہ اللہ سے ادب و اخلاق سیکھنے والے ---------------------- 321

❖ امام احمد رحمہ اللہ اور امام علی بن مدینی رحمہ اللہ -------------------------- 322

❖ امام شافعی رحمہ اللہ کا شیخ یونس رحمہ اللہ کو عجیب فرمان ------------------- 322

❖ امام یحییٰ رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ کا باہمی احترام ------------------ 323

❖ سماع حدیث سے پہلے ان کا طرزِ عمل دیکھتے ---------------------- 323

❖ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، بصرہ میں امام ابن وہب رحمہ اللہ سے
اخلاق و آداب سیکھنے کے لیے نکلے ---------------------------- 323

❖ امام عبداللہ بن وہب، اخلاقی عظمت -------------------------- 323

❖ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کا فرمان ------------------------- 325

❖ امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ کا فرمان ------------------------- 325

❖ امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کا مشاہدہ ---------------------------- 325

❖ امام احمد رحمہ اللہ کی امام علی بن مدینی کو وصیت ---------------------- 325

❖ امام مالک رحمہ اللہ سے ادب سیکھنے والے ------------------------- 326

❖ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے رنگ میں رنگے جانے والے -------- 327

❖ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا فرمان ------------------------------ 327

❖ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان --------------------------------- 328

❖ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول --------------------------------- 328

❖ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا باہمی احترام---- 328

❖ محدثین کا امام ابو عبداللہ البوشنجی رحمہ اللہ کا احترام کرنا------------------- 328

❖ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا امام البوشنجی رحمہ اللہ کا احترام کرنا--------------- 329

❖ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا امام عبدان کا احترام کرنا-------------------- 329

❖ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کا فرمان--------------------------- 329

❖ امام اسحاق رحمہ اللہ اور امام یحییٰ تیمی رحمہ اللہ کا باہمی احترام-------------- 330

❖ امام احمد رحمہ اللہ کا امام ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ کا احترام --------------- 330

❖ امام ابن مبارک رحمہ اللہ کا فرمان کہ اکابر کی موجودگی میں کلام منع ہے----- 330

❖ امام معتمر بن سلیمان رحمہ اللہ کا امام ابن مبارک رحمہ اللہ کا احترام، حدیث پڑھانے سے رک گئے-------------------------------- 331

❖ امام ابن عیینہ رحمہ اللہ اور امام ابو بکر بن عیاش رحمہ اللہ کا واقعہ ------------- 331

❖ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، امام شعبی رحمہ اللہ کے ہوتے ہوئے کلام نہیں کرتے تھے -- 331

❖ **محدثین کی دیانت وامانت** --------------------------------- 331

❖ امام عفان بن مسلم رحمہ اللہ کی دیانت داری-------------------------- 332

❖ امام ابو غالب رحمہ اللہ قرطبی کا قصہ ------------------------------ 333

❖ امام ابراہیم رحمہ اللہ الحربی کا واقعہ --------------------------------- 333

❖ امام ابوالحسن المغازلی رحمہ اللہ کا جواب اور اہلِ حدیث کا امتیاز ----------- 334

❖ امام زہری رحمہ اللہ کا ہشام بن عبدالملک کو جواب اور جھوٹ سے نفرت---- 334

❖ امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ کا حال -------------------------------- 335

❖ امام المنذری رحمہ اللہ کا قصہ ------------------------------------ 335

❖ امام ہارون رحمہ اللہ بن عبداللہ الحمال کا صدق------------------------ 336

❖ امام اسحاق الحربی رحمہ اللہ کے بارے میں گواہی ---------------------- 336

❖ امام شافعی رحمہ اللہ، امام مطرف رحمہ اللہ اور دیگر کی جھوٹ سے نفرت --------- 336

❖ امام ربیع بن خثیم مخضرمی رحمہ اللہ کی پرہیزگاری ---------------------- 337

❖ امام ربعی بن حراش رحمہ اللہ کی سچائی ---------------------------- 338

❖ امام الاعمش رحمہ اللہ کی ۷۰ سال تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی ---------------- 338

❖ وہ ہمیشہ پہلی صف میں نماز پڑھتے ---------------------------- 339

❖ امام محمد بن محمد الحجاجی رحمہ اللہ کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی گواہی ------ 339

❖ امام بخاری رحمہ اللہ کا ورع وتقویٰ اور اخلاق ----------------------- 339

❖ امام بخاری رحمہ اللہ کی فیاضی ------------------------------------ 340

❖ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کی فیاضی ---------------------------- 342

❖ امام ربیعۃ رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر ------------------------------------ 343

❖ امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کا سالانہ خرچ اور خشوع نماز ---------- 344

❖ امام الحسین بن حفص الہمدانی رحمہ اللہ کی فیاضی -------------------- 344

❖ امام معافی بن عمران رحمہ اللہ "یاقوتة العلماء" -------------------- 344

❖ امام دعلج بن محمد رحمہ اللہ کی فیاضی -------------------------- 344

❖ امام محمد بن محمد العلوی رحمہ اللہ کی فیاضی کس مپرسی -------------------- 345

❖ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی دعوتِ عام کا حال --------------------- 345

❖ امام عبدالوہاب الثقفی رحمہ اللہ سالانہ مال سب خرچ کر دیتے -------------- 346

❖ امام احمد بن سلیمان رحمہ اللہ النجاد کا عجیب معاملہ -------------------- 346

❀ **حفاظتِ حدیث کا ربانی انتظام** -------------------------- 350

❖ محدثین کو اللہ تعالیٰ نے حفظ حدیث کے لیے پیدا کیا ہے ------------- 350

❖ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ---------------------------- 350

❖ خلیفہ ہارون کا فرمان ایک زندیق کے جواب میں ------------------ 351

❖ امام ثوری رحمہ اللہ کا فرمان کہ محدثین زمین کے نگران ہیں ------------- 351

❖ محدثین دین کے امین ہیں ------------------------------------ 352

❖ حدیث میں جھوٹ بولنے والے کو اللہ تعالیٰ بے نقاب کر دے گا -------- 352

❖ امام دارقطنی رحمہ اللہ کا اعلان ------------------------------------ 353

❖ امام علی بن ابی طاہر رحمہ اللہ کا عجیب واقعہ ---------------------------- 353

❖ **خدمتِ حدیث کی اہمیت** ------------------------------------ 354

❖ حدیث کی حفاظت جہاد سے افضل ہے ------------------------------ 354

❖ امام حمیدی رحمہ اللہ کا اس بارے میں فرمان ------------------------- 354

❖ امام یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری نے بھی یہی فرمایا ----------------------- 355

❖ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا اس بارے میں فرمان ----------------------- 356

❖ **سند کا اہتمام دین ہے** ------------------------------------- 356

❖ امام ابن مبارک رحمہ اللہ وغیرہ کے فرامین --------------------------- 356

❖ امام شعبی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے سند کا اہتمام کیا ------------------ 357

❖ امام شعبہ رحمہ اللہ کا فرمان --------------------------------------- 358

❖ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ------------------------------------- 358

❖ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کا فرمان ---------------------------- 358

❖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سند کا اہتمام ------------------------ 359

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قضایا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ---------------------- 360

❖ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ ------------------------------- 360

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھے گئے ---------------------------- 361
❖ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے رافضی ہیں -------------------- 361
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کے فضائل میں تین لاکھ جھوٹی روایات ---------- 362
❖ ایک زندیق نے کہا میں نے چار سو احادیث وضع کی ہیں ------------ 363
❖ ایک کذاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ستر احادیث گھڑیں ----- 363
❖ اہلِ کوفہ کا عمومی حال -- 363
❖ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا تبصرہ ------------------------------------- 363
❖ امام علی بن موسیٰ کاظم کے نام ایک مستقل نسخہ بنایا گیا ---------------- 363
❖ وضاعین کے ناموں پر کتابیں ----------------------------------- 364
❖ فتنہ کے دور میں راویوں کی تشخیص ----------------------------- 364
❖ فتنہ سے حضرت عثمان رحمہ اللہ کی شہادت کا دور مراد ہے ---------------- 364
❖ امام ابن مبارک رحمہ اللہ اور ابراہیم طالقانی کا قصہ ------------------- 365
❖ امام زہری رحمہ اللہ کا فرمان -- 366
❖ امام سفیان رحمہ اللہ اور امام شعبہ رحمہ اللہ کا قول ------------------------ 367
❖ امام یحییٰ قطان رحمہ اللہ کا فرمان --------------------------------- 367
❖ محدثین اور سند کا اہتمام ------------------------------------- 367
❖ **سند کا اہتمام اور اس امت کا خاصہ ہے** -------------------------- 368
❖ حافظ ابن حزم وغیرہ کے اقوال ------------------------------- 368
❖ **علمِ تاریخ کا اہتمام** -- 370
❖ امام سفیان کا فرمان -- 370
❖ اس بارے میں چند واقعات ----------------------------------- 371

❖ قاضی اصبغ بن خلیل مالکی کا قصہ ---------------------------------- 372

❖ امام محمد رحمہ اللہ کی السیر الکبیر کیا ان کی آخری کتاب ہے؟------------- 374

❖ علامہ سرخسی رحمہ اللہ بڑے متساہل ہیں -------------------------- 376

❖ **الجرح والتعدیل** -- 377

❖ محدثین کی اس بارے میں امانت و دیانت کے واقعات ------------- 378

❖ جرح وتعدیل غیبت نہیں ------------------------------------ 379

❖ امام ابن مبارک اور امام احمد رحمہما اللہ کے فرامین راوی یا شاہد پر جرح غیبت نہیں -- 382

❖ **محدثین یا اہل الحدیث کون ہیں** ---------------------------- 384

❖ ہر راوی حدیث محدثین میں سے نہیں ------------------------- 384

❖ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے وضاحتی بیانات --------------------- 385

❖ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا بیان------------------------------------ 388

❖ علامہ الشہرستانی کی وضاحت --------------------------------- 389

❖ چند ائمہ اہلِ حدیث -------------------------------------- 390

❖ امام ابراہیم الحربی رحمہ اللہ نے حج کے مسائل اہلِ حدیث کے مذہب پر جمع کیے - 391

❖ امام ابو مظفر منصور بن محمد السمعانی کا تبصرہ ----------------------- 391

❖ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا تبصرہ------------------------------------ 393

❖ مذہبی طبقات پر لکھی گئی کتابوں کا اسلوب ---------------------- 394

❖ حدیث کے مطابق فتویٰ دینے والے حضرات ------------------- 395

❖ **امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا طرزِ عمل**------------------------------ 397

❖ امام بقی رحمہ اللہ بن مخلد ------------------------------------ 398

❖ امام قاسم بن محمد اندلسی رحمہ اللہ ------------------------------ 398

❖ امام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحمہ اللہ ---------- 398

❖ امام عبداللہ بن وہب ---------- 398

❖ امام محمد بن ابی نصر فتوح الحمیدی ---------- 389

❖ امام ابن المنذر رحمہ اللہ ---------- 399

❖ دیگر محدثین رحمہم اللہ ---------- 400

❖ امام عمر بن احمد بن شاہین رحمہ اللہ ---------- 401

❖ شیخ ابن عربی، ''غیر مقلد'' شیخ اکبر ---------- 401

❖ ولی کامل مقلد نہیں ہوتا ---------- 401

❖ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور مجتہدین ---------- 402

❖ کیا مجتہد مطلق کا درجہ ختم ہو گیا ہے؟ ---------- 402

❖ سب مسلمانوں کو شافعی یا حنفی بنانے کی فکر ---------- 403

❖ علامہ کوثری رحمہ اللہ کا علامہ جوینی رحمہ اللہ پر رد ---------- 404

❖ تقلید و جمود کے چند واقعات ---------- 405

❖ شوافع و احناف کی باہمی جنگ و جدال ---------- 406

❖ مولانا تھانوی کا مکتوب ---------- 407

❖ امام بمنزلہ نبی کے ہوتا ہے (معاذ اللہ) ---------- 408

❖ اس پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ وغیرہ کا تبصرہ ---------- 409

❖ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا تبصرہ ---------- 409

❖ ''شر ذمہ قلیلہ'' کا طعن اور اس کا جواب ---------- 412

❖ ایک گروہ ہی حق پر ہو گا ---------- 413

❖ یہ گروہ محدثین کا ہے، ائمہ کے اقوال ---------- 414

❖ اصطلاحی فقہ حادث ہے علامہ علی قاری رحمہ اللہ کا فرمان -------------- 414
❖ اصحاب الحدیث کا ذکر قرآن میں -------------------------- 414
❖ علم سے مراد قرآن وسنت کا علم ہے -------------------------- 415
❖ یہ غرباء اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ -------------------------- 415
❖ کتاب وسنت پر گامزن کون ہیں، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کی وضاحت ------ 416
❖ علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی وضاحت -------------------------- 418
❖ حضرت عرباض رضی اللہ عنہ کی حدیث -------------------------- 419
❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل -------------------------- 420
❖ **السواد الاعظم کا مفہوم** -------------------------- 421
❖ سواد الاعظم کی اتباع کی حدیث ضعیف -------------------------- 421
❖ سواد الاعظم سے کون سا گروہ مراد ہے -------------------------- 421
❖ ائمہ سلف کے اقوال -------------------------- 422
❖ اہلِ سنت کے بارے میں شیخ جیلانی وغیرہ کے فرمودات -------------- 423
❖ حافظ ابن کثیر کا فرمان -------------------------- 425
❖ **ایک ضروری وضاحت** -------------------------- 426
❖ حدیث میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں سخت ضعیف ہے ------------ 426
❖ بشرطِ صحت اس کا مفہوم -------------------------- 426
❖ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کا تبصرہ -------------------------- 427
❖ **ایک حقیقت کا اظہار** -------------------------- 429
❖ شافعی، حنفی وغیرہ کی نسبتیں -------------------------- 430
❖ امام محمد رحمہ اللہ کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف -------------------- 430

❖ امام مزنی رحمہ اللہ کی وضاحت -- 431

❖ ائمہ شوافع کا قول -- 431

❖ حدیث پر عمل کرنے والے شافعی حضرات -- 431

❖ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی تقلید کی تردید کی ہے -- 432

❖ ان کا رسالہ: "المنحة فيما علق الشافعي القول به على الصحة" - 433

❖ ضروری تنبیہ -- 434

❖ "النافع الکبیر" طبع کراچی میں نقص -- 434

❖ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ و امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں شیخ المرجانی رحمہ اللہ کا غلو 435

❖ ہم حنفی ہیں یوسفی یا شیبانی نہیں، پر تبصرہ -- 442

❖ علامہ کوثری رحمہ اللہ کا اعتراف -- 442

❖ صاحبین رحمہما اللہ کی امام صاحب رحمہ اللہ سے مخالفت -- 442

❖ مسئلہ وقف، امام محمد رحمہ اللہ اور علامہ کوثری رحمہما اللہ -- 443

❖ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا رجوع -- 443

❖ امام طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ مقلد تھے؟ -- 443

❖ حنفی، شافعی، حنبلی مدارس -- 444

❖ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حنابلہ -- 444

❖ مجتہد، مجتہد کا مقلد نہیں ہوتا -- 445

❖ امام ابو القاسم رحمہ اللہ الدارکی کا طرزِ عمل -- 445

❖ امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد تھے -- 446

❖ تقلید کی تردید پر لکھی گئی چند کتب -- 447

❖ حالات کا جبر -- 448

- ❖ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ کی گواہی ---------------------------- 448
- ❖ امام ابن رشید الفہری رحمہ اللہ کے خلاف فیصلہ ----------------------- 449
- ❖ امام ابن دقیق العید کی اور ان کی کتاب کا حشر ---------------------- 450
- ❖ علامہ ابراہیم البقاعی رحمہ اللہ کے قتل کا فیصلہ ----------------------- 451
- ❖ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کا مقلدین کے کردار پر ماتم ---------------------- 452
- ❖ امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ کی مخالفت ---------------------------- 452
- ❖ قاضی اصبغ مالکی رحمہ اللہ کی حدیث دشمنی ------------------------ 452
- ❖ امام عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ کو قتل کرنے کی کوشش ----------------- 453
- ❖ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تبصرہ ------------------------------- 454
- ❖ امام ابو اسماعیل الہروی رحمہ اللہ پر بہتان تراشی ----------------------- 455
- ❖ شیخ محمد بن محمد البروی رحمہ اللہ کی عصبیت اور حنابلہ ------------------ 456
- ❖ شوافع اور حنابلہ کا مقابلہ ---------------------------------- 456
- ❖ علامہ رازی رحمہ اللہ کی جلاوطنی ------------------------------ 457
- ❖ حنابلہ کو مصر سے نکل جانے کا حکم ---------------------------- 457
- ❖ امیر کاتب الاتقانی کی عصبیت اور ان کی تردید --------------------- 457
- ❖ ”خلاصہ کیدانی“ وغیرہ کا فتویٰ -------------------------------- 458
- ❖ فقیہ ابولیث رحمہ اللہ سمرقندی کا فتویٰ ----------------------------- 459
- ❖ رفع الیدین کرنے پر کفر کا فتویٰ -------------------------------- 460
- ❖ امام بخاری رحمہ اللہ بھی شہر سے نکال دیے گئے ----------------------- 460
- ❖ علامہ رشید رضا رحمہ اللہ کا بیان ---------------------------------- 461
- ❖ رفع سبابہ کے خلاف فقہاء کے فتوے ---------------------------- 461

❖ سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کی سزا اور جلاوطنی ---------------------- 463

❖ علامہ علی قاری رحمہ اللہ کا تبصرہ ---------------------------------- 463

❖ حدیث سے بے اعتنائی کا قصہ ------------------------------- 464

❖ شیخ محمد فاخر رحمہ اللہ الہ آبادی کا محاسبہ ---------------------------- 465

❖ علامہ ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ کے خلاف اقدام ---------------------- 466

❖ دیگر مظلوم حضرات ------------------------------------- 466

❖ مولانا محمد بن عبدالرحمٰن سہارنپوری کا مکہ مکرمہ سے اخراج ------------- 467

❖ نواب صدیق حسن رحمہ اللہ کو زہر دیا گیا اور متعدد الزامات ------------- 467

❖ شیخ الکل میاں نذیر حسین سے مقلدین کا سلوک --------------------- 467

❖ ان پر جھوٹے الزامات --------------------------------------- 467

❖ سرزمین حرم میں مروانے یا قیدی کروانے کی کوشش ------------------ 468

❖ اہلِ حدیث کو مساجد سے نکالنے کے فتوے ------------------------ 468

❖ ان فتوؤں کا جواب -- 469

❖ سید عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی میاں صاحب کا دفاع کیا ------------ 473

❖ اہلِ حدیث کی تعریف شاہ ولی اللہ کے قلم سے --------------------- 474

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد لله رب العالمين حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه، والصلاة والسلام على سيد الرسل وخاتم النبيين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين أما بعد:

ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد جو اپنے حجم کے اعتبار سے نہایت محدود و مختصر ہے مگر اپنے اہداف و مقاصد کو پورا کرنے میں کسی جامعہ سے کم نہیں۔ بحمداللہ تعالیٰ تصنیفی و تالیفی میدان میں ادارہ کی طرف سے پانچ درجن کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کے علمائے کرام اور علم کے شناوروں سے قبولیت کا شرف پا چکی ہیں، نیز ادارہ ہذا سے سیکڑوں حفاظِ قرآن کی فراغت اس پر مستزاد ہے۔ والحمد لله على ذلك حمداً كثيراً.

اب ہم اپنے قارئین کرام کی خدمت میں ''حدیث اور محدثین'' پیش کرنے جا رہے ہیں۔ جس میں حدیث کی حیثیت واہمیت، حدیث کی جمع وتدوین، حدیث کا وحی ہونا، صحابہ کرام اور احادیثِ مبارکہ، تدوینِ حدیث میں صحابہ کرام اور محدثینِ عظام کی مساعیِ حسنہ، محدثین کون ہیں؟ حدیث کی صیانت وحفاظت میں ربانی انتظام۔ محدثین کا حفظ وضبط اور ان کے اسفار، ان کی صداقت وامانت اور دیگر خدمات کا تذکرہ اور یہ بھی کہ یہی وہ ''طائفہ منصورہ'' ہے جس کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی اور انہی کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کا تعارف، ان کی راہ میں پیش آمدہ مشاکل کا دل دوز

تذکرہ اور ایسے ہی متعدد عناوین پر مشتمل ہے۔

ہم نے واقعات اور محدثین کرام کے تذکرہ پر تبصرہ اور ان کے فضائل ومناقب ذکر کرنے سے قصداً گریز کیا ہے، ورنہ اس کا حجم سہ چند ہو جاتا۔ قارئین کرام ان شاء اللہ خود ان سے نتیجہ اخذ کریں گے اور راہنمائی پائیں گے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس بات کو اجاگر کیا جائے کہ محدثین کرام دینِ حنیف کے خدمت گزار ہی نہیں بلکہ امت کے لیے عملی نمونہ بھی ہیں۔ انہی سے ہم نے عقیدہ وعمل کی راہنمائی لینی ہے، ان کے ہاں کتاب وسنت کا اہتمام، حدیث کی قدر ومنزلت اور اس کا اتباع، ان کا ورع وتقویٰ، باہمی ادب و احترام کے سبق آموز واقعات جو ''الحب للّٰہ والبغض فی اللّٰہ'' کی عملی تفسیر ہیں۔

ہم نے محدثین رحمہم اللہ کے اس تذکرہ میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے، ورنہ ان کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اسے ایک مجموعہ میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ اس تذکرہ کو محض عبرت وموعظمت پیش خدمت کرنا مقصود ہے ہم اس میں کس قدر کامیاب ہیں کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے التماس ہے وہ اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائیں اور ہمیں بھی زمرہ محدثین میں شامل فرما کر قیامت کے روز انہی کی رفاقت میں جنت الفردوس عطا فرمائیں۔

یہ ہیچمدان ادارہ کے تمام رفقاء اور معاونین کا تہ دل سے شکر گزار ہے۔ جن کے تعاون کے بغیر اس کتاب بلکہ دیگر تمام کتابوں کی طباعت ممکن نہیں تھی، اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنی مرضیات سے نوازے اور ان کی تمام دینی خدمات کو قبول فرما کے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین یاأرحم الراحمین.

ناسپاسی ہوگی اگر یہ ناکارہ اپنے دیرینہ رفیق اور حبیب لبیب حضرت مولانا محمد

خالد سیف حفظہ اللہ کا شکریہ ادا نہ کرے، جنھوں نے اپنی تمام تر مصروفیات اور بیماری کے ہاتھوں ناتوانیوں کے باوجود کتاب کا جاندار اور شاندار مقدمہ لکھا۔ جزاہ اللہ أحسن الجزاء

دعا جو و دعا گو خادم العلم والعلماء
ارشاد الحق اثری عفی عنہ
۱۷ر فروری ۲۰۲۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاة والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین محمد وعلی أله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین. أما بعد!

اہلِ حدیث کا عقیدہ و منہج کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور سلف صالحین یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین عظام رحمہم اللہ کے فہم پر مبنی ہے اور یہ تینوں ارکان باہم دیگر لازم وملزوم ہیں، ان میں سے کسی ایک پر عمل، باقی دو کو چھوڑ کر، ہدایت اور اخروی نجات کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں جس قدر ان کی اتباع پر زور دیا گیا ہے اور کسی چیز پر اس قدر زور نہیں دیا گیا، مثلاً: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1- ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾

[الأعراف: ۱۵۷، ۱۵۸]

''وہ جو (محمد) رسول اللہ ﷺ جو نبی اُمی ہیں کی پیروی کرتے ہیں، جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انھیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔ (اے محمد) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے تو اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر اُمی پر جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔''

ان آیاتِ کریمہ سے بہت ہی واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ جب تک تمام عقائد، اقوال اور اعمال میں ظاہری و باطنی مکمل طور پر حضور اقدس ﷺ اور اس کتاب پاک کی جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی ہے، اتباع نہ کی جائے، ایمان کامل ہو سکتا ہے اور نہ سعادت و نجات اور فوز و فلاح حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

2- ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [المائدة: ٩٢]

''اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو، اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

اور فرمایا:

3- ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر: ۷]

''جو چیز تم کو رسول (اللہ) دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔''

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھی وحیِ الٰہی اور کتاب اللہ کے مترادف سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:

''اللہ لعنت فرمائے گودنے والیوں پر اور گودنے کے لیے کہنے والیوں پر بال اکھیڑنے والیوں پر حسن کے لیے دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے والیوں پر اور اللہ عزوجل کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر، بنو اسد قبیلے کی امِ یعقوب نامی ایک عورت تک یہ بات پہنچی تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ نے یہ یہ بات کہی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور اس کا ذکر کتاب اللہ میں بھی ہے اس عورت نے کہا کہ سارے قرآن مجید کو تو میں نے بھی پڑھا ہے لیکن میں نے قرآن مجید میں یہ بات نہیں پائی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے قرآن مجید پڑھا ہوتا تو اس بات کو ضرور پایا ہوتا کیا تم نے قرآن مجید میں یہ نہیں پڑھا:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر: ۷]

''جو چیز تم کو رسول (اللہ) دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔'' اس نے جواب دیا ہاں یہ تو قرآن مجید میں ہے تو آپ نے کہا: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس عورت نے

کہا: میرا خیال ہے کہ آپ کی اہلیہ بھی یہ کام کرتی ہے آپ نے فرمایا: جاؤ جا کر دیکھ لو وہ گئی لیکن اسے ایسی کوئی بات نظر نہ آئی اس نے واپس آ کر کہا: نہیں میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ایسی بات ہوتی تو وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔"[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ)) (متفق عليه)

"جب میں تمھیں کوئی حکم دوں تو اسے حسبِ استطاعت بجا لاؤ اور جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔"

4- ﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ [آل عمران: ٣١]

"(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو! کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمھیں دوست رکھے گا اور تمھارے سارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں بجا طور پر فرمایا ہے کہ اس آیتِ کریمہ نے ہر اس شخص کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے جو حُبِ الٰہی کا دعویٰ تو کرے لیکن وہ محمدی طریقے پر نہ ہو اور جب تک وہ اپنے تمام اقوال، افعال اور احوال میں شرائع محمدی اور دینِ نبوی کی اتباع نہ کرے اس وقت تک وہ حُبِ الٰہی کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))[2]

---

[1] صحيح البخاري (٤٨٨٦)، سنن أبي داؤد (٤١٦٩)، سنن الترمذي (٢٧٨٣)

[2] صحيح مسلم (١٧١٨)

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا، جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))[1]

''جو ہمارے اس امرِ دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

5- ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ [النساء: ٥٩]

''اے ایمان والو! اللہ کی اور رسول (اللہ) کی اطاعت کرو اور اپنے حاکموں کی بھی پھر اگر کسی بات میں تم میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ یہی بات بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھی ہے۔''

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کی پیروی کرو اور ﴿ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرو اور حاکموں کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ وہ جو احکام اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے مطابق دیں انہیں قبول کر لو اور ان کے جو احکام اطاعت کی بجائے معصیت پر مبنی ہوں انھیں قبول کرنے سے انکار کر دو، کیونکہ شریعت کا ضابطہ یہ ہے: ''إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ'' کہ اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے اور مسند احمد میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت بھی موجود ہے:

[1] صحيح البخاري (٢٦٩٧)، صحيح مسلم (١٧١٨)

((لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ))

''اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔''

امام مجاہد اور کئی دیگر ائمہ سلف نے فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دینے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا دینا مراد ہے یہ اللہ عزوجل کی طرف سے حکم ہے کہ جب بھی لوگوں کا دین کے اصول اور فروع میں اختلاف ہو تو اس کے حل کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے رسول اللہ ﷺ نے بھی اختلافات دور کرنے کے لیے امت کی اسی طرف راہنمائی فرمائی ہے، جیسا کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا مؤثر وعظ ارشاد فرمایا: جس سے دل فگار ہو گئے اور آنکھیں اشکبار، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو گویا الوداع کہنے والے کا وعظ ہے، لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سمع و طاعت بجا لاؤ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تمھارا امیر کیوں نہ ہو تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھ لے گا لہٰذا:

((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))[1]

''میری اور میرے راشد اور ہدایت یافتہ خلفائے کی سنت کو لازم پکڑو، اسے ڈاڑھوں سے پکڑ لو، (یعنی اسے مضبوطی سے تھام لو) اور (دین میں) نئے نئے امور پیدا کرنے سے اجتناب کرو، کیونکہ دین میں پیدا کی جانے والی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

[1] سنن أبي داود (٤٦٠٧)، سنن الترمذي (٢٦٧٦)، سنن ابن ماجه (٤٣)

سنت پر عمل نہ کرنے کے بارے میں اس سے بڑی وعید کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے بے زاری کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[1]

''جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى))[2]

''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کر دے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! انکار کون کرتا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (گویا جنت میں جانے سے) انکار کر دیا ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی قابلِ غور ہے جس میں آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل (۷۲) بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت (۷۳) تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں ایک کے سوا سب جہنم رسید ہوں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ وہ (جنت میں جانے والا فرقہ) کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا عمل اس کے مطابق ہوگا:

---

[1] صحيح البخاري (٥٠٦٣)، صحيح مسلم (١٤٠١)

[2] صحيح البخاري (٧٢٨٠)

((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))[1]

ظاہر ہے کہ ((مَا أَنَا عَلَيْهِ)) سے مراد کتاب وسنت ہے اور ((وَأَصْحَابِي)) کہہ کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ کتاب وسنت کو ہی میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق سمجھنا، قرآن مجید میں بھی اس بات کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

6- ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النساء: ١١٥]

''اور جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جس طرف وہ خود پھر گیا ہے اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صرف کتاب وسنت نجات کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم کے مطابق سمجھنا بھی ضروری ہے اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ ہیں، اختصار کے پیشِ نظر انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس کتاب میں ہی آپ اس موضوع سے متعلق بہت سی آیاتِ کریمہ واحادیثِ شریفہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ بہرآئینہ انہی آیات واحادیثِ مبارکہ ہی کی روشنی میں ہم نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ اہلِ حدیث کا عقیدہ اور منہج کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور سلف صالحین کے فہم پر مبنی ہے!

حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ بھی اسی عقیدہ اور منہج کے علمبردار تھے، اسی مشن

---

[1] سنن الترمذي (٢٦٤١)

کے لیے انھوں نے اپنی حیاتِ مستعار کے دن اور راتیں، صبحیں اور شامیں وقف فرما دی تھیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا تو خود اللہ رب ذوالجلال نے ذمہ لیا تھا، اسی لیے محدثینِ عظام نے ادلہ شرعیہ میں سے دوسری دلیل حدیث پاک کی خدمت اور حفاظت وصیانت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اس باب میں انھوں نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے، جیسا کہ آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کی زندگیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان کا مطلوب ومقصود حیات، حدیث پاک کی تعلیم وتعلم، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تبلیغ واشاعت تھا۔ اس کی خاطر وہ ظالم حکمرانوں کے آلام ومصائب کا تختہ مشق بھی بنے، فقر وفاقے بھی برداشت کیے، دور دراز کے سفر بھی کیے، آدمی یہ پڑھ کر حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ ایک ایک حدیث کی خاطر انھوں نے سیکڑوں ہزاروں میلوں کے سفر بھی کیے، دنیا کی تمام لذتوں کو تج دیا۔ امام عبدالرحمان بن ابی حاتم رحمہ اللہ اپنا ان دنوں کا واقعہ بیان فرماتے ہیں، جب وہ مصر میں طلب علم میں مشغول تھے کہ سات ماہ گزر گئے اور ہم نے کسی سالن کا شوربہ تک بھی نہ کھایا، دن شیوخ کی خدمت میں حاضری میں اور راتیں آپس میں نسخ ومقابلہ میں بسر ہو جاتیں۔ میں اور میرا ایک رفیق ایک دن ایک شیخ کے در اقدس پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت ناساز ہے، جس کی وجہ سے درس نہیں ہوگا وہاں ایک بہت اچھی مچھلی بِک رہی تھی جسے ہم نے خرید لیا جب گھر پہنچے تو بعض دیگر شیوخ کی خدمت میں حاضری کا وقت ہو گیا اور اس طرح تین دن گزر گئے اور ہمیں مچھلی بنانے کا موقع ہی نہ ملا اور جب اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوا تو ہم نے اسے کچا ہی کھا لیا، کیونکہ ہمیں اسے بنانے کے لیے وقت ہی نہ مل سکا تھا اور پھر انھوں نے آبِ زر

سے لکھے جانے کے قابل یہ بات ارشاد فرمائی:

"لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجَسَدِ"[1]

"جسم پروری کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

محدثین کرام نے طلبِ حدیث کے شوق میں دنیا کی تمام دلچسپیوں اور مشغولیتوں کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا، امام یحییٰ بن یحییٰ لیثی رحمہ اللہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شامل تھے کہ ایک دن مدینہ میں ایک ہاتھی لایا گیا، سب لوگ اسے دیکھنے کے لیے چلے گئے مگر امام یحییٰ نہ گئے اور وہ بدستور اپنے شیخ محترم ہی کے پاس بیٹھے رہے تو حضرت الامام نے فرمایا: تم ہاتھی دیکھنے کے لیے کیوں نہیں گئے، حالانکہ وہ تمھارے علاقے میں ہوتا بھی نہیں؟ سعادت مند تلمیذِ رشید نے جواب دیا:

"لَمْ اَرْحَلْ لِأَنْظُرَ الْفِيلَ وَإِنَّمَا رَحَلْتُ لِأُشَاهِدَكَ وَاَتَعَلَّمَ مِنْ عِلْمِكَ وَهَدْيِكَ"[2]

"میں طویل سفر کر کے یہاں ہاتھی دیکھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ میں تو اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زیارت کروں اور آپ سے علم اور سیرت و اخلاق کی تعلیم حاصل کروں۔"

حضرت الامام بھی آپ کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے آپ کو "عاقلِ اندلس" کے نام سے موسوم فرمایا۔

ائمۂ حدیث کے دل حدیث پاک کی محبت اور عظمت سے جس طرح لبریز تھے، اس کے بہت سے واقعات مشہور و معروف ہیں۔ سطورِ بالا میں امام مالک رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر ہوا تو اس مناسبت سے ہم اسی جلیل القدر محدث کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ

---

[1] مقدمة لكتاب الجرح والتعديل (ص: ٥) بحواله تذكره

[2] شرح الزرقاني على الموطأ الامام مالك (١ ١٢٤)

کرنے پر ایک اکتفا کرتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید اور حدیث، تفسیر، فقہ اور قراءت کے عظیم المرتبت امام حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نے درس حدیث کے دوران محسوس کیا کہ حضرت الامام کے چہرہ اقدس کا رنگ بار بار متغیر ہو رہا ہے، لیکن آپ بدستور درس میں مشغول ہیں فراغت کے بعد ہم نے جب آپ سے اس بارے میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: ''تم ٹھیک کہتے ہو، بچھو نے میری کمر پر دس بار اور ایک روایت کے مطابق سولہ (۱۶) بار ڈنک لگایا جس سے مجھے بڑی اذیت ہو رہی تھی لیکن میرا یہ صبر اپنی طاقت وشکیبائی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک کی عظمت و احترام کی وجہ سے حرکات وسکنات کو گوارا نہ کیا۔''[1]

حدیث پاک سے اس والہانہ محبت اور فریفتگی وشیفتگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان بندگانِ خدا اور مردانِ حق آگاہ کی اپنے بندوں کے دلوں میں جو بے پناہ الفت ومحبت پیدا فرما دی، اس کا اندازہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا تلمیذِ رشید حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے اس واقعہ سے لگائیں کہ ایک دن وہ جب رِقّہ شہر میں تشریف لائے تو سارا شہر دیوانہ وار ان کے استقبال کے لیے نکل آیا، اتفاق سے مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی ایک کنیز بالا خانہ سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، اس نے جب لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرہ ہے تو اسے بتایا گیا کہ خراسان کے ایک محدث تشریف لا رہے ہیں، جن کا اسمِ گرامی عبداللہ بن مبارک ہے اور شہر کے یہ سارے لوگ ان کے استقبال کے لیے گھروں سے نکلے ہیں تو اس نے بے ساختہ کہا: ''حقیقی بادشاہ تو یہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں نہ کہ ہارون الرشید جو چابک اور کوڑوں سے لوگوں کو جمع کرتا ہے۔''[2]

---

[1] بستان المحدثین (۱۱)
[2] سیر أعلام النبلاء (۸ ۳۸٤)

یہ اور اس طرح کے دیگر بہت سے حالات و واقعات آپ اس کتاب، ’’حدیث اور محدثین‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں گے، جو محبّ مکرم اخی فی اللہ حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ وتولاہ برعایتہ الکاملۃ کی تصنیف لطیف ہے۔ اللہ رب ذوالجلال نے ہمارے اس مصنف جلیل وجمیل کو متحرک، متجسس اور علم دوست اور تحقیق پسند طبیعت عطا فرمائی اور قلمِ سیال کی نعمت سے نوازا ہے۔ آپ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں، آپ کا قلم تحقیق و تدقیق کے بغیر کوئی بات لکھنا جانتا ہی نہیں۔ اسی ذوقِ تحقیق کی آئینہ دار یہ کتاب ہے جو آپ کے موئے قلم کا اعجاز ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت و ریاضت کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اس محنتِ شاقہ پر اجرِ جزیل عطا فرمائے اور ہمارے عزیز طلبا بلکہ علمائے کرام کو بھی اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد خالد سیف

فیصل آباد

۵ جولائی ۲۰۲۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث اور محدثین

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الرسل وخاتم النبیین وعلی اٰلہ وصحبہ ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد!

دینِ اسلام کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ روزِ اول ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ [البقرۃ: ۳۸]

''پھر اگر تمھیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جو کوئی پیروی کرے گا، میری ہدایت کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یہی بات اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں فرمائی:

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴾ [طٰہٰ: ۱۲۳]

''جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ وہ گمراہ ہو گا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔''

یہاں ﴿ یَاْتِیَنَّکُمْ ﴾ کے ''کُم'' میں سیدنا آدم اور حوا علیہما السلام اور ان کی اولاد داخل ہے۔ جس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں یوں ہے:

﴿ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ [الأعراف: ۳۵]

''اے اولادِ آدم! اگر تمھارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں جو تم سے

میری آیات بیان کریں تو جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی) اصلاح کر لے تو ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ روز اول یہ حکم تمام اولادِ آدم کو تھا اور یہ بھی کہ ہدایتِ ربانی بذریعہ رسولوں کے ہو گی۔ اور ﴿هُدَایَ﴾ کی عملی تعبیر تقویٰ اور اپنی اصلاح ہے۔ اسی پر ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کی بشارت ہے۔ یہاں ''تقویٰ'' سے ایمان اور ''اصلح'' سے اعمال صالح مراد ہیں، جیسا کہ رسولوں کے مبعوث ہونے کے ساتھ فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [الأنعام: ٤٨]

''جو کوئی ایمان لے آئے اور (اپنی) اصلاح کر لے تو ان پر نہ خوف ہو گا اور وہ غمگین ہوں گے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت وہی سمجھی جائے جو بذریعہ انبیاء ورسل علیہم السلام ہو گی۔ اسی فیصلے کے مطابق اللہ ذوالجلال والاکرام نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان سب نے ایک ہی بات فرمائی ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ [الشعراء: ١٠٨] ''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' جیسا کہ سورت شعراء میں حضرت نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام کی دعوت میں بیان ہوا ہے۔ یہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمائی:

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾

[آل عمران: ٥٠]

بلکہ رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [النساء: ٦٤]

''اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ اللہ کے حکم سے اس

کی اطاعت کی جائے۔''

''رسول'' کا منکر تو ''رسول'' کا اطاعت گزار نہیں اگر ''رسول'' کو تسلیم کرنے والا بھی اس کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتا تو دونوں کے عمل و کردار میں فرق کیا ہے؟

''رسول'' کی طرح ''کتاب'' کے من جانب اللہ آنے کا بھی یہی مقصد ہے:

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

[الأنعام: ١٥٥]

''اور یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، بڑی برکت والی، پس اس کی پیروی کرو اور (اس کے جھٹلانے سے) بچ جاؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اگر اس کتاب کی پیروی کو ضروری نہ سمجھا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہے؟

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

[المائدة: ٤٤]

''اور جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

اس سے بعد کی آیات میں انھیں ظالم اور فاسق بھی کہا گیا ہے اور ایک مقام پر انھیں منافق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے باہمی اختلاف کی صورت میں کسی معاملے کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دینے کا حکم فرمایا، پھر بتایا ہے کہ کچھ وہ بھی ہیں جو کتاب الٰہی پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آپس میں معاملات کا فیصلہ کتاب الٰہی کی بجائے طاغوت سے کرواتے ہیں، پھر فرمایا:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ [النساء: ٦١]

''اور جب ان سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو تُو منافقوں کو دیکھے گا کہ تجھ سے منہ موڑ لیتے

ہیں، صاف منہ موڑ لینا۔''

اس لیے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اقرار کے بعد آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے انکار منافقت اور آپ کی رسالت کے انکار کے مترادف ہے۔ منافقوں کے اسی کردار کا ذکر سورۃ النور [۴۷، ۴۸] میں بھی بیان ہوا ہے۔ اطاعت ہی نہیں منافقین اتنے متکبر تھے کہ جب انھیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمھارے لیے بخشش کی دعا کرے تو وہ تب بھی اسے قبول نہیں کرتے۔ [المنافقون: ۵] ان کے برعکس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ذمے داری یہ بیان کی ہے کہ وہ اطاعت گزار ہوتے ہیں۔

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [النور: ۵۱]

''ایمان والوں کی بات، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے سوا نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس حقیقت کا اظہار سورۃ البقرۃ [۲۸۵] میں فرمایا گیا ہے۔ یہ تو یہود کا عمل وکردار تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سن کر اس کی نافرمانی کرتے تھے۔ ﴿ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾ [البقرۃ: ۹۳] انھوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا۔ نیز دیکھیے: سورۃ النساء [۴۶]۔ یہی کردار منافقین کا تھا۔ اور بعد میں بھی جو یہی طرزِ عمل اپنائے گا وہ اہلِ ایمان کی نہیں بلکہ یہودیوں اور منافقوں کی پیروی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿20﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾

[الأنفال: ۲۰، ۲۱]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور رسول کا حکم سن کے اس سے منہ نہ پھیرو۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو کہتے ہیں ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے۔''

یعنی ان کا سننا نہ سننے کے برابر ہے۔ سننے کا نتیجہ تو یہ چاہیے کہ سن کے اس پر عمل کیا جائے اور جو سن کے عمل نہیں کرتے تھے، جن کا سننا نہ سننا برابر تھا وہ کون تھے؟ وہ تھے منافقین یا مشرکین یا یہود، اللہ تبارک وتعالیٰ اہلِ ایمان کو اس کردار سے محفوظ فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں تقریباً اٹھارہ مقامات پر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم: ﴿ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ [النساء: ۵۹] جیسے الفاظ میں فرمایا ہے۔ سورۃ الشعراء اور دوسری بعض سورتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت میں ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴾ [الشعراء: ۱۰۸] کے الفاظ بیان ہوئے ہیں: ''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' اس کے علاوہ بھی اطاعت اور اتباع کا حکم متعدد مقامات پر ہے۔ چند مقامات ملاحظہ فرمائیں:

پہلی آیت:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ [الحشر: ۷]

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو، اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، (رسول کی مخالفت نہ کرو) اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''

یہاں ﴿ اٰتٰىكُمْ ﴾، ﴿ نَهٰىكُمْ ﴾ کے مقابلے میں ہے اس لیے ﴿ اٰتٰىكُمْ ﴾

کے معنی ﴿ اَمَرَكُمْ ﴾ کے ہیں کہ رسول تمھیں جو حکم دے اس کی تعمیل کرو۔ جیسے ''کفر'' کے مقابلے میں ''شکر'' کا لفظ ہے: [النمل: ٤٠، الزمر: ٦] اور اس کے معنی ناشکری کے ہیں۔

''أتی'' کے معنی دینا اور عطا کرنا کے ہیں اور یہ ''منع'' کی ضد ہے اور یہاں ''أتی'' مقابلے میں ''منعکم'' کی بجائے ﴿ نَهٰكُمْ ﴾ فرمایا گیا ہے۔ اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ ''أتی'' کے معنی یہاں صرف دینا کے نہیں ''حکم دینا'' کے بھی ہیں تبھی تو تقابل میں ﴿ نَهٰكُمْ ﴾ فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح ﴿ اَخَذَ ﴾ کے معنی پکڑنا، لینا اور حاصل کرنا کے ہیں۔ علامہ فیروز آبادی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں یہ پانچ معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ① قبول کرنا ② حَبْس یعنی روکنا ③ عذاب وعقوبت دینا ④ قتل کرنا ⑤ قید کرنا۔ ہر ایک کی انھوں نے مثالیں بھی دیں۔ تفصیل کے لیے شائقین ''بصائر ذوی التمییز'' (١٠٤/٢) ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ زبیدی نے بھی ان کے حوالے سے یہ معانی نقل کیے ہیں۔ (تاج العروس: ١٥٥/١) ''قبول کرنا کے معنی میں انھوں نے آیت: ﴿ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ﴾ [آل عمران: ٨١] اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کیا؟ ذکر کی ہے اس آیت میں بھی ﴿ فَخُذُوْهُ ﴾ کے معنی ہیں: اسے قبول کرو۔ اور یہ قبولیت مال لینے میں ہو یا حکم کے بارے میں ہو دونوں کو شامل ہے اور یہ قبولیت برضا و رغبت ہو اس میں کوئی انقباض کا شائبہ نہ ہو۔ علاوہ ازیں اخذ کے مفہوم میں عمل کرنا بھی پایا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے:

⊙ ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ﴾ [الأعراف: ١٤٥]

''اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل

لکھ دی (اور ہم نے موسیٰ سے کہا) انھیں قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی بہترین باتوں پر عمل کریں۔''

اسی طرح بنی اسرائیل کو فرمایا گیا تھا:

⊙ ﴿ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ [البقرة: ٦٣، ٩٣]

''پکڑو قوت کے ساتھ جو ہم نے تمھیں دیا۔''

ان مقامات میں قوت سے لینے کے معنی عمل کرنے کے ہیں، چنانچہ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''يعمل بما فيه'' کہ تورات میں جو ہے اس پر عمل کرو۔[1]

اس لیے یہاں ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ﴾ [الحشر: ٧] کے معنی بھی یہ ہیں کہ جو کچھ رسول تمھیں دے اس پر مضبوطی سے عمل کرو، بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ما أمرتكم به فخذوه))[2] ''جس کا میں تمھیں حکم دوں اس پر عمل کرو۔'' یہ حدیث گویا سورۃ الحشر کی آیت کی تفسیر ہے۔ یہ بالکل وہی اسلوب بیان ہے جو حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ سنت کی پیروی کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

((تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ))[3]

''اس سے تمسک کرو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو۔''

یہاں بھی اہتمام سے عمل کرنا ہی مراد ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ سے شرائع اسلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے یہی آیتِ مبارکہ پڑھی کہ شرائع اسلام یہ ہیں کہ جو رسول تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں

---

(1) صحيح البخاري، كتاب التفسير باب بعد، باب قول الله وعلم آدم الأسماء كلها. قبل حديث: ٤٤٧٧، (فتح الباري: ٨/ ١٦١)

(2) سنن ابن ماجه (١، ٢) وغيره.

(3) مسند أحمد (٤/ ١٢٦، ١٢٧)، سنن الترمذي، أبو داود وغيره

اس سے رک جاؤ۔[1]

گویا پورا دین رسول اللہ ﷺ کے اوامر ونواہی کا نام ہے اور ہمیں اس کی پابندی کا حکم ہے۔

اس آیت کا سیاق تقسیمِ غنائم کے بارے میں غزوہ احد کے بعد یہودی قبیلے بنو نضیر نے جب پسپائی اختیار کی اور ان کا مالِ غنیمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ یہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔ انصار میں صرف ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ان کے فقر کی وجہ سے کچھ عطا فرمایا۔ کچھ آپ نے اپنے لیے رکھا جس سے ازواجِ مطہرات خرچ کرتیں اس میں سے جو بچ جاتا وہ جہاد کی تیاری میں صرف ہوتا۔ مال کی اسی تقسیم کے پس منظر میں گویا انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا جا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس کو جو دیں اسے لینا چاہیے اور جسے کچھ نہ دیں اس پر کسی کو معترض نہیں ہونا چاہیے۔ تقسیم غنائم کے تمام تر اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہیں، مگر اس سے اصل مدعا پر کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مقصد یہی ہے تقسیمِ غنائم کی طرح تشریح وتبیین کے اختیارات رسول اللہ ﷺ کو تفویض فرما دیے گئے ہیں، جیسا کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے اشارہ فرمایا ہے کہ آپ کے امر ونہی کا نام دین ہے، اس کے بعد کسی اور کی طرف التفات کی ضرورت نہیں۔

دوسری آیت:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

[النساء: ٦٥]

---

[1] الشفاء للقاضي عياض (٢ ٦)

''تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوں گے جب تک تجھ سے اپنے جھگڑوں میں فیصلہ نہ کروائیں، پھر تیرے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور تسلیم کر لیں، خوب تسلیم کرنا۔''

اس آیت کے بارے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ میرے اور ایک اور صحابی کے بارے میں زمین کو پانی دینے کے متعلق نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: اپنی کھیتی کو پانی لگاؤ پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو، اس پر صحابی ناراض ہوئے اور کہہ دیا کہ یہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کی وجہ سے فیصلہ دیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخِ انور سرخ ہو گیا، فرمایا: زبیر! تم کھیتی کو پانی دو اور پانی کو روکو، یہاں تک کہ کھیتی کی دیوار کو پہنچ جائے۔[1]

غور فرمایئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ قرآن میں منصوص نہ تھا اور نہ ہی کوئی تشریعی حکم تھا بلکہ انتظامی نوعیت کا تھا، اس کی مخالفت پر بھی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ نہ ماننے پر کس قدر تحدید فرمائی ہے۔ تنازعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا کو تسلیم کرنے کا حکم ایک اور مقام پر یوں ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''کسی مسلمان مرد یا عورت کو جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول فیصلہ دیں تو انھیں کسی قسم کا اختیار نہیں رہتا۔''

یہاں ''واؤ'' جمع کے لیے نہیں، کیوں کہ اس کا تو کوئی قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے ساتھ رسول کا فیصلہ بھی ہو تو اسے تسلیم کرو، بلکہ یہاں ''واؤ'' تنویع کے لیے ہے، یعنی اللہ کا فیصلہ ہو یا رسول کا، دونوں واجب العمل ہیں، جس طرح اللہ کا

---

[1] صحيح البخاري (٢٣٥٩، ٤٥٨٥)، صحيح مسلم (٢٣٥٧)

فیصلہ واجب العمل ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی واجب العمل ہے، اور اس فیصلے کے بعد کسی لیت ولعل کی کوئی گنجائش نہیں۔ یاد رہے کہ یہاں ﴿ وَقَضٰى ﴾ سے تنازعات میں فیصلہ مراد نہیں، بلکہ ﴿ وَقَضٰى ﴾ امر یعنی حکم کے معنی میں ہے، جیسے ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ [بني إسرائيل: ٢٣] میں ہے۔ یہاں ﴿ وَقَضٰى ﴾ از قسم خصومات مراد نہیں۔

اس آیت میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

١۔ باہمی اختلافات میں قوتِ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہے، اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنے والا ایمان دار نہیں ہے۔

٢۔ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر اطمینان کا اظہار، اگر اسے تسلیم کرنے میں انقباض ہے تو ایمان سلامت نہیں۔

٣۔ اس فیصلے کو تسلیم کر کے اس پر اچھی طرح عمل کیا جائے۔ یہ معاملہ دنیوی ہو یا دینی۔ بہرنوع آپ کے فیصلے سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں۔ بہت سے لوگوں کو قاضی کے فیصلے پر اطمینان نہیں ہوتا۔ مگر آپ قاضی اور حاکم ہی نہیں، رسول بھی ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اپنی پسند یا ناپسند کی گنجائش ہے، جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت [٣٦] میں ہے۔ سورۃ النساء میں بھی فرمایا ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ [النساء: ٥٩]

''پھر اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

یہ حکم اہلِ ایمان کو ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کے معنی بجز قرآن مجید

کے اور کچھ نہیں اسی طرح رسول کی طرف لوٹانے کی طرف رجوع کرنا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جو ایک مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ﴾ [الشوریٰ: ١٠]

''اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لوٹا دو۔''

تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم فرمایا۔ اس لیے ''تنہا'' قرآن پاک نہیں اس کے پہلو بہ پہلو حدیث کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ جو قرآن اور حدیث سے فیصلہ لینے سے انکار کرتا ہے اس کا گویا اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہی نہیں ہے۔ کفار تو آپ کی بات تسلیم کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں تھے، منافقین جو کلمہ پڑھتے اور آپ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے مگر اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴾ [النساء: ٦١]

''اور جب ان سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو تُو منافقوں کو دیکھے گا کہ تجھ سے منہ موڑ لیتے ہیں، صاف منہ موڑنا۔''

یہ مومنوں کے مقابلے میں منافقوں کا کردار ہے۔ ہر مسلمان کو فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ کون سا عمل و کردار اختیار کرتا ہے۔

تیسری آیت:

﴿ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [النور: ٦٣]

”رسول کے بلانے کو اپنے درمیان ایسا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو بلانا سمجھتے ہو، بے شک اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے (بے اجازت) کھسک جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے یا دردناک عذاب آ پہنچے۔“

اس آیت میں: ﴿دُعَآءَ الرَّسُوْلِ﴾ رسول کے بلانے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اسے معمولی نہ سمجھو، دل نے چاہا تو حاضر ہو گئے نہ چاہا تو حاضر نہ ہوئے، بلکہ ان کے بلانے پر لبیک کہو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے رسول کی دعا کو عام لوگوں کی دعا نہ سمجھو، تیسرا یہ کہ رسول کو یوں نہ پکارو جیسے تم باہم ایک دوسرے کو پکارتے اور بلاتے ہو بلکہ دھیمی آواز سے نہایت ادب و احترام سے پکارو اور پکارنے میں نام نہ لو۔ یہ تینوں تفاسیر درست ہیں، لیکن آیت کا آخری حصہ مشعر ہے کہ یہاں آپ ﷺ کا بلاوا اور آواز دینا مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بلانے کو دوسرے لوگوں کے بلانے کی مانند نہ سمجھو فوراً اس پر لبیک کہو اور کسی حیلے بہانے سے اسے نظر انداز کرنے کی جسارت نہ کرو اور وہ جو حکم فرمائیں اس کی مخالفت سے بچو ایسا نہ ہو تمھیں کسی فتنہ میں مبتلا کر دیا جائے یا کسی دردناک عذاب دھر لیا جائے۔ یہاں ﴿عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾ میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے جن کے بلانے پر لبیک کا پہلے ذکر ہے، لہٰذا رسول کے حکم کی مخالفت موجب عذاب ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں رسول کی نافرمانی کو موجب عذاب قرار دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”ويستفاد من ذلك أن أمره ﷺ إذا ثبت لم يكن لأحد أن يخالفه ولا يتحيل في مخالفته بل يجعله الأصل الذي يرد

عليه ما خالفه لا بالعكس كما يفعل بعض المقلدين، ويفعل عن قوله تعالىٰ: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [النور: ٦٣]"[1]

"اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا فیصلہ جب ثابت ہو جائے تو کسی کے لیے گنجایش نہیں کہ اس کی مخالف کرے اور نہ اس کی مخالفت میں کوئی حیلہ اختیار کرے بلکہ اسی کو اصل قرار دے کر جو اس کے مخالف ہو اسے اس کی طرف لوٹایا جائے نہ کہ اس کے برعکس (کیا جائے) جیسے بعض مقلدین کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے غافل ہوتے ہیں: "وہ لوگ ڈریں جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے یا دردناک عذاب آ پہنچے۔"

نبی کریم ﷺ نے غزوۂ اُحد پر عینین نامی پہاڑ پر پچاس تیر اندازوں کو مقرر کیا اور بے حد تاکیدی حکم فرمایا کہ تم نے بہر نوع یہاں سے نہیں ہٹنا مگر وہ فتح کے بعد غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے، پیچھے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حملہ کر دیا تو فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ جس کی تفصیل کتب سیر و تاریخ میں موجود ہے اس ایک حکم کی نافرمانی کا یہ نتیجہ تمام اہلِ ایمان کے لیے باعثِ عبرت ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔

یہی حکم ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ﴾

[الأنفال: ٢٤]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے دعوت دے۔"

---

[1] فتح الباري (١٣/ ٣٤١)

حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا تو میں نے جواب نہ دیا۔ نماز کے بعد حاضر خدمت ہو کے عرض کی: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا: اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جب وہ تمھیں بلائیں۔[1]

یہی واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی پیش آیا تھا، جیسا کہ موطا امام مالک، ترمذی، ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے۔ قاضی عبدالوہاب رحمہ اللہ اور قاضی ابوالولید رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ نماز کے دوران میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں تو حاضر خدمت ہونا فرض ہے۔[2]

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہنا لازم ہے گو نماز ہی پڑھ رہا ہو۔ اسی سے ملتا جلتا روزہ کا مسئلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی روزے سے تھے جب وادی کراع الغمیم جو وادی عسفان سے تین میل کی مسافت پر ہے۔ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور ہاتھ پر رکھ کر ہاتھ بلند کیا، حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھ لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش جاں فرمایا، مگر بعض حضرات نے بدستور روزہ رکھا اور افطار نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ بعض لوگ روزے سے ہیں تو فرمایا:

((أولئك العصاة أولئك العصاة))[3]

''وہ نافرمان ہیں، وہ نافرمان ہیں۔''

غور فرمایئے کہ سفر میں روزہ کی مشقت محسوس کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روزہ افطار کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہاتھ بلند کر کے آگاہ کر دیا، جس میں اشارہ تھا کہ

---

[1] صحیح البخاري (٤٤٧٤، ٤٦٤٧)، أبو داود، نسائي وغیرہ.

[2] فتح الباري (٨/ ١٥٧)

[3] صحیح مسلم (١١١٤)

تم بھی افطار کرلو۔ مگر بعض نے افطار نہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے انھیں نافرمان قرار دیا۔ گویا آپ کے عمل کے بعد اب روزہ افطار نہ کرنا بھی عبادت نہیں بلکہ نافرمانی ہے، کیونکہ تمام عبادات میں اصل الاصول تو آنحضرت ﷺ کی اطاعت واتباع ہے۔

اسی مفہوم کی تائید سورۃ انفال کی آیت ۲۰، ۲۱ سے بھی ہوتی ہے: ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اس سے منہ نہ پھیرو، جب کہ تم سن رہے ہو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنھوں نے کہا ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے۔'' اس لیے رسول اللہ ﷺ کی ہر آواز پر لبیک کہنا امتی کا فرض ہے اور اس کی مخالفت کرنا نافرمانی اور عذاب کا باعث ہے۔ قابلِ غور یہ نقطہ بھی ہے کہ یہ وعید ''امرہ'' صرف ایک حکم کی مخالفت میں ہے اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو سرے سے اطاعت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے ان کا انجام کیا ہوگا؟

اس کی مزید وضاحت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے:

''میری اور جس دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے قوم! میں نے ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں واضح طور پر تمھیں ڈرانے والا ہوں، لہٰذا تم بچنے کی کوئی ترکیب اختیار کرو، اس قوم کے ایک گروہ نے اس کی بات تسلیم کرلی اور رات کی ابتدا ہی میں وہاں سے نکل گئے اور وہ محفوظ جگہ چلے گئے تو وہ نجات پا گئے۔ ان میں سے دوسرے گروہ نے اسے جھٹلایا اور اپنی ہی جگہ پر موجود رہے تو لشکر نے صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ ہے مثال اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور جو میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں اس کی اتباع کی اور اس شخص کی مثال بھی ہے جس نے میری

نافرمانی کی اور جو حق لے کر میں آیا ہوں اسے جھوٹ قرار دیا۔‘‘[1]

اسی نوعیت کی ایک اور مثال صحیح بخاری (۶۴۸۳) ہی میں ہے۔ دونوں کا خلاصہ یہی ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت ہی نجات کا ذریعہ ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی ہلاکت اور جہنم میں جانے کا باعث ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار سورۃ النور کی مذکورہ بالا آیت میں ہے۔

چوتھی آیت:

قبولیت اعمال کی شرط رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾

[محمد: ۳۳]

’’اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور اِس رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال باطل مت کرو۔‘‘

جیسے احسان جتلانے سے نیکی باطل ہو جاتی ہے۔ [البقرۃ: ۲۶۴] اسی طرح جو عمل رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں نہ کیا جائے وہ باطل قرار پاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من عمل عملًا ليس عليه أمرنا فهو رد))[2]

’’جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم یا عمل نہیں وہ مردود ہے۔‘‘

قبولیت اعمال ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَاِنْ تُطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [الحجرات: ١٤]

’’اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو گے تو وہ تمھیں تمھارے

---

[1] صحيح البخاري (۷۲۸۳، ٦٤٨٢)
[2] صحيح مسلم (۱۷۱۸)

اعمال میں کچھ کمی نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

یہ اطاعت ایمان و یقین میں تو شرطِ اول ہے۔ اعمال اور ان کی قبولیت بھی اسی اطاعت سے وابستہ ہے۔

پانچویں آیت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ [الأحزاب:٢١]

''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''

''اسوۃ'' اور ''قدوۃ'' جس کی پیروی کی جائے، جسے اپنے لیے نمونہ بنایا جائے، یہ ''اسوہ'' دو طرح کا ہے: ''اسوۃ حسنۃ'' اچھا نمونہ ''اسوۃ سیئۃ'' بُرا نمونہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں اور باکثرت ذکر اللہ کرنے والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کو ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے۔ اب ان کے مقابلے میں کسی اور کی پیروی کرنا اور اسے اپنے لیے نمونہ بنانا ''اسوۂ سیئہ'' ہے۔ اب یہ ہر ایک کے ایمان کا امتحان ہے کہ اس نے ''اسوۂ حسنہ'' کی پیروی کرنی ہے یا ''اسوۂ سیئہ'' کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کے راستے پر ساتھیوں کے ہمراہ جا رہے تھے، ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے دو رکعت نماز ظہر پڑھائی۔ پھر کچھ حضرات کو دیکھا کہ وہ سنتیں پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: اگر میں سنتیں پڑھتا تو اپنی نماز پوری (چار رکعتیں) پڑھتا۔ اے بھتیجے! میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کیا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح میں نے ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم

کے ساتھ سفر کیا وہ ہمیشہ دو رکعتیں پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ٢١]

''بلاشبہ تمھارے لیے اللہ کے رسول (میں) اچھا نمونہ ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما بیت اللہ کے چاروں ارکان کا استلام کرتے مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صرف حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا استلام کرتے اور فرماتے:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نذر مانی ہے کہ وہ روزانہ روزہ رکھے گا تو کیا وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا بھی روزہ رکھے؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کا روزہ نہیں رکھا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ٢١][3]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''الطريق مسدود على خلق الله إلا على المتبعين أخبار رسول الله ﷺ المقتدين بآثاره، قال الله تعالىٰ: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾''[4]

''مخلوق پر راستہ بند ہو چکا ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بلاشبہ تمھارے لیے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھا نمونہ بنایا ہے۔''

شیخ جنید رحمہ اللہ کا یہ قول بسند صحیح ان الفاظ سے بھی منقول ہے:

---

[1] صحيح مسلم (٦٨٩)
[2] فتح الباري (٣ ٤٧٤)
[3] فتح الباري (١١ ٥٩١)
[4] مفتاح الجنة (رقم: ٣٣٣)

"الطرق كلها مسدودة على الخلق إلا من اقتفى أثر رسول الله ﷺ"[1]

مخلوق پر تمام راستے بند ہو چکے سوائے اس کے جو رسول اللہ ﷺ کے آثار پر چلتا ہے۔ گویا جنت میں جانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ عملی نمونہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نہیں، سب ایمان والوں کے لیے ہے اور دین کے متعلقہ تمام اعمال میں ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ یہ نمونہ قیامت تک محفوظ رہے، اگر یہ نمونہ ہی گم ہو جائے اور کہیں محسوس نہ ہو تو تمام اہلِ ایمان کے لیے نمونہ باقی نہ رہا، اب وہ کس "اسوۂ حسنہ" کو اپنے لیے نمونہ بنائیں اور کس آئیڈیل کو اپنائیں؟ اس کا نتیجہ بالکل ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال اور احوال محفوظ ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

چھٹی آیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت ایمان کا اولین تقاضا ہے، بلکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرة: ١٦٥]

"اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔"

اور عبادت کی روح بھی اللہ سے محبت ہے، محبت ایک مخفی چیز ہے اور اس کا دعویٰ تو ہر ایک کر سکتا ہے اور کرنے والوں نے کیا ہے، حتی کہ یہود ونصاریٰ بھی کہتے تھے: "ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔" [المائدة: ١٨] مگر اس کا معیار کیا ہے؟ یوں تو نہیں کہ جس کا جیسے جی چاہے محبت کا اظہار کرے، بلکہ اس طرح کرے جیسے محبوب چاہے، پھر محبوب تو دنیا میں نظر نہیں آتا تو اس نے اپنے حبیب کو آگے کر دیا کہ مجھ

---

[1] الحلية (١٠ ٢٥٧)، الفقيه والمتفقة (١ ١٥٠) وغيرها.

سے محبت میں سچے ہوتو میرے حبیب کی پیروی کرو، چنانچہ فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

[آل عمران: ۳۱]

''کہہ دے! اگرتم اللہ سے محبت کرتے ہوتو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اورتمھارے گناہ بخش دے گا۔''

گویا اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار رسول اللہ ﷺ کی تابعداری ہے۔ جو اپنے دعوے میں جتنا سچا ہو اتنا ہی آپ کی اتباع کا اہتمام کرے گا۔ ''تبع'' کے معنی اگرچہ اطاعت و فرمانبرداری کے بھی ہیں، مگر دراصل اس کے معنی ''مَشٰی خَلْفَهٗ'' کسی کے نقش قدم پر چلنا کے ہیں۔ اسی سے ''التبِیُعُ'' اس بچھڑے کو کہتے ہیں جو گائے کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اور ''المتبع'' اس چوپائے کو کہتے ہیں جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے قدم بہ قدم چلنا شرط ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کے نقشِ قدم پر چلنے والا اللہ کی محبت میں سچا ہی ثابت نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت کرے گا اور اسے بخشش و مغفرت سے سرفراز فرمائے گا۔ لیکن اگر آپ کی اتباع اور فرمانبرداری کو غیر ضروری قرار دے دیا جائے تو محبت اور محبوبیت سے محروم رہنے کے لیے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں۔ أعاذنا الله منه

ساتویں آیت:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا مگر رسول پر ایمان نہ لانا قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو حقیقی کافر قرار دیا گیا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ

اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿150﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴾ [النساء: ۱۵۰، ۱۵۱]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں۔ یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت میں جو اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنے والوں کا ذکر ہے، یہ تفریق بلحاظ ذات نہیں، کیونکہ ذات کے لحاظ سے دونوں ایک نہیں، ایک خالق ہے دوسرا مخلوق، ایک آمر دوسرا مأمور، ایک ساجد و عابد دوسرا مسجود و معبود، ایک بے نیاز دوسرا نیاز مند، ایک غنی دوسرا فقیر و محتاج۔ اس لیے یہاں اللہ اور رسول کی وحدت مراد نہیں بلکہ اللہ اور رسول پر ایمان اور اطاعت میں تفریق مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے اور اللہ کی اطاعت کرتے ہیں مگر رسولوں پر ایمان نہیں لاتے اور ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ یہ تفریق رسولوں میں بھی کفر کا باعث ہے ایمان یہ ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ الآیة [البقرة: ۲۸۵]

''یہ رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی جانب سے اس کی طرف نازل کی گیا ہے اور سب مومن بھی، ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔''

یعنی سب رسولوں کو سب کتابوں کو سب فرشتوں کو مانتے ہیں۔ یوں نہیں جیسے

یہود موسیٰ علیہ السلام کو اور تورات کو مانتے تھے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کو انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے اور جبرائیل علیہ السلام سے بھی عداوت رکھتے ہیں۔ [البقرۃ: ۹۷] یا جیسے عیسائی موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو، تورات اور انجیل کو تو مانتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کو نہیں مانتے۔

یہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے میں تفریق کرنے والوں کی مذمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں مگر بعض رسولوں کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ماننا یہ ہے کہ اس کے سب رسولوں کو مانا جائے اس کے بغیر اللہ کو ماننا بے سود ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں تفریق کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴾ [الشعرآء: ۱۰۵]

”نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔“

قومِ عاد کے بارے میں فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴾ [الشعرآء: ۱۲۳]

”عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔“

قومِ ثمود کے بارے میں فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴾ [الشعراء: ۱۴۱]

”ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔“

حالانکہ ان قوموں نے ایک ہی رسول کو جھٹلایا تھا گویا ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔

جس طرح اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین ایمان میں تفریق موجبِ کفر

ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو کرنا مگر رسولوں کی اطاعت نہ کرنا، اطاعت میں یہ تفریق بھی موجب کفر ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو رسول کو مانتا ہو اور اس کی اطاعت تو کرتا ہو مگر اللہ پر اس کا ایمان اور اس کا اطاعت گزار نہ ہو۔ جب کہ اللہ کو ماننے والے اور اس کی اطاعت کا دم بھرنے والے بہت سے ایسے ہیں جو رسولوں کو نہیں مانتے اور ان کے اطاعت گزار نہیں ہیں۔ اس تفریق کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ نے پکّا کافر کہا ہے۔ مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین کا یہی کردار تھا۔

آٹھویں آیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

[الأعراف: ۱۵۷]

”وہ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انھیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیز حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔ سو وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اسے قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اس آیت میں پہلے نبی اُمی ﷺ کی پیروی کا ذکر ہے۔ اور آپ کی پیروی

ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باعث ہے۔ ظاہر ہے کہ جو آپ کی پیروی کا ہی انکار کر دے وہ رحمت کا حق دار نہیں ہو سکتا۔ پھر ان کے اوصاف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا جو اس پر ایمان لائے اور انھیں اپنی ہمدردی سے مضبوط کیا اور ان کی مدد کی، یعنی صرف ایمان کافی نہیں، بلکہ ان کی ہمنوائی اور ہر لحاظ سے ان کی معاونت بھی شرط ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے جو نور ان پر اتارا ہے اس کی پیروی کی، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ گویا فلاح کے لیے نبی اُمی ﷺ کی اور جو کچھ وحی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ دونوں کی پیروی ضروری ہے اور ان دونوں کی پیروی کے بغیر فلاح ممکن نہیں۔

﴿ أُنْزِلَ مَعَهٗٓ ﴾ جو اس کے ساتھ اتارا گیا۔ میں قرآن مجید کے ساتھ حدیث بھی ہے، جیسا کہ آئندہ ہم ذکر کریں گے کہ حدیث بھی منزل منہ اور وحی الٰہی ہے۔ (ان شاء اللہ) اور یہ دونوں قیامت تک محفوظ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی فلاح و فوز کی ضمانت ہے جس کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے، مثلاً ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [الأحزاب: ۷۱]

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا بے شک وہ عظیم کامیابی پائے گا۔''

کہیں فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾

[الفتح: ۱۷، النساء: ۱۳]

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

یعنی سدا بہار جنت عطا فرمائے گا۔ نیز دیکھیں: النور [۵۲]۔

اس کے برعکس جو اللہ کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہو گا اور جہنم میں جائے گا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا واضح گمراہ ہونا۔''

کہیں فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴾

[المجادلة: ٢٠]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی سب سے زیادہ ذلیل ہونے والوں میں سے ہیں۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ﴾

[الجن: ٢٣]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا بے شک اسی کے لیے جہنم کی آگ (تیار) ہے ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں ہمیشہ۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [النساء: ١٤]

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

اس لیے جہنم سے بچنے اور فلاح وفوز پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جائے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو غیر ضروری قرار دینا گمراہی ہے اور جہنم جانے کا باعث ہے۔ أعاذنا الله منه.

نویں آیت:

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کو اس سے بھی سمجھیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا ذکر نماز وزکات کے پہلو بہ پہلو کیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴾

[النور: ٥٦]

”اور نماز قائم کرو اور زکات دو اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔“

ازواجِ مطہرات سے بالخصوص فرمایا:

﴿ وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ﴾

[الأحزاب: ٣٣، المجادلة: ١٣]

”اور نماز قائم کرو اور زکات دیا کرو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔“

ان آیات میں اشارہ ہے کہ جس طرح نماز اور زکات فرض ہے، اسی طرح اللہ کے رسول کی اطاعت بھی فرض ہے۔ ان کی فرضیت کے مابین کوئی فرق نہیں، بلکہ نماز وزکات کی ادائیگی بلا اطاعتِ رسول ہو ہی نہیں سکتی۔

نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باعث نماز اور زکات کی پابندی کے ساتھ ساتھ دیگر معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی نماز وزکات ہے۔ اللہ کی رحمت کا ذریعہ اطاعتِ رسول کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور جو اطاعتِ رسول سے محروم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی محروم ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ [آل عمران: ١٣٢]

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اس لیے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرنا اور اللہ کی رحمت کی امید رکھنا دو متضاد باتیں ہیں۔ یاد رہے کہ یہاں بھی ''واؤ'' تنویع کے لیے ہے جمع کے لیے نہیں، جیسے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

دسویں آیت:

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حجت قائم کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجا ہے اور کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا گیا جب تک ان کی طرف رسول کو مبعوث نہیں فرمایا:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴾ [بني إسرائيل: ١٥]

''اور ہم اس وقت تک کسی کو عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں۔''

قیامِ حجت کے لیے کسی امت پر براہِ راست اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ [النساء: ١٦٥]

''(ہم نے) ایسے رسول جو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے (اس لیے بھیجے ہیں) تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ رہ جائے۔''

اور وہ اللہ کے ہاں یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی خوش خبری دینے والا یا ڈرانے والا نہیں آیا۔ جیسا کہ اہلِ کتاب سے فرمایا گیا ہے:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ﴾ [المائدة: ١٩]

''اے اہلِ کتاب! بے شک تمھارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو تمھارے لیے (دین کی باتیں) کھول کر بیان کرتا ہے، رسولوں کے ایک وقفہ کے بعد، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، تو یقیناً تمھارے پاس ایک خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے۔''

اس لیے جن وانس پر حجت قائم کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ رسالت پر سرفراز فرمایا اور انھیں فرعون کو دعوت دینے کا حکم فرمایا۔ فرعون اور اس کے ہم نواؤں نے ان کی تکذیب کی، جنھیں بالآخر دریائے قلزم میں غرق کر دیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے کے لیے ''طور'' پر بلایا اور انھیں تورات عطا فرمائی۔ فرعون اور آلِ فرعون پر حجت کتاب نہیں، موسیٰ علیہ السلام تھے جو اس بات کی بیّن برہان ہے کہ حجت اللہ کا رسول ہوتا ہے، تنہا کتاب حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرعون کا جرم یہ بتلایا ہے:

﴿فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ [المزمل: ١٦]

''فرعون نے رسول کی نافرمانی کی۔''

اس کے علاوہ بھی رسول کی نافرمانی کو قوموں کی تباہی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ [الحاقة: ١٠، ھود: ٥٩، یٰس: ١٤، ٣٠]

سورۃ البینہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

﴿حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾

[البینة: ۱،۲]

"وہ لوگ جنھوں نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول، جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں لکھے ہوئے مضبوط احکام ہوں۔"

ان آیات میں ﴿الْبَيِّنَةُ﴾ روشن دلیل، ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ کے رسول ہیں۔ جو خود ایک بیّن دلیل ہیں اور وہ یہ کہ آپ نے اُمّی ہونے کے باوجود قرآن جیسی کتاب پیش کی اور آپ کی تعلیمات اور صحبت کے اثر سے ایمان والوں میں غیر معمولی انقلاب رونما ہوا۔ اور انھوں نے ہی پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ کفار اس روشن دلیل کے بعد مشرف بہ اسلام ہو جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے آنے کے بعد جو اپنے کفر پر قائم رہیں گے ان کی ذمے داری اب انھی پر ہے۔ اس کے بعد وہ یہ عذر نہیں کر سکیں گے کہ ہماری ہدایت کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا گیا، جیسا کہ اوپر سورۃ المائدہ اور النساء کے حوالے سے ذکر ہوا ہے۔

گیارھویں آیت:

رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

[النساء: ۱۱۵]

"اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے، ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے، جس طرف وہ پھرے گا، اور

ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رسول اللہ ﷺ کے پہلے سچے پیروکار تھے، کے راستے سے جدا راستہ اختیار کرتا ہے، اسے جہنمی قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ جسے یہاں ﴿سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کہا گیا ہے، آنحضرت ﷺ کی پیروی ہی کا راستہ تھا، آپ سے جدا ان کا کوئی راستہ نہیں تھا، جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ ہم ذکر کریں گے۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴾

[محمد: ٣٢]

''بے شک وہ جنھوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود رسول کی مخالفت کی، وہ ہرگز اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے اور عنقریب وہ ان کے سب اعمال ملیا میٹ کر دے گا۔''

اس لیے یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جب کوئی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول ﷺ کا تو کوئی نقصان نہیں کرتا، بلکہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور وہ اپنے خیال میں جو اچھے کام کر رہا ہے اور جو خدمات سرانجام دے رہا ہے اللہ تعالیٰ انھیں برباد کر دے گا اور کوئی اجر و ثواب اسے نہیں ملے گا۔

اس آیت کا مصداق پہلے دور میں اگر یہود اور منافقین تھے تو اس دور میں اس کا مصداق منکرینِ حدیث ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت کو تو تسلیم کرتے ہیں اور منافقین کی طرح کلمہ گو بھی ہیں۔ مگر آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا انکار کرتے اور دوسروں کو بھی آپ کی اطاعت سے روکتے ہیں۔ یہ اپنی فکر میں جو ''نیکیاں'' بھی

کما رہے ہیں انھیں ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

بارھویں آیت:

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور پیروی کا اور آپ ﷺ کی نافرمانی سے اجتناب کا حکم، اور آپ کی مخالفت کو منافقت اور کفر سے تعبیر کرنا اور اس کا انجام جہنم قرار دینا کیوں ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء: ۸۰]

''جو رسول کی فرمانبرداری کرے تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول اور سفیر ہیں۔ جو احکام اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے دیے ہیں۔ کوئی حکم اللہ نے براہِ راست جن و انس کو نہیں دیا۔ اس لیے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، جیسے صلح حدیبیہ پر آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی بیعت اللہ سے بیعت ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾

[الفتح: ۱۰]

''بے شک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔''

اس لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور یہ اس لیے بھی کہ آپ دینی امور کے بارے میں اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے تھے، وہی فرماتے تھے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہوتا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿3﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ [النجم: ۳،۴]

”اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔“

وہ وحی قرآن مجید کی صورت میں ہو یا حدیث کی صورت میں، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیں:

﴿ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ﴾ [الأنعام: ٥٠، یونس: ١٥، الأحقاف: ٩]

”میں پیروی نہیں کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ [الأنعام: ١٠٦]

”اس کی پیروی کرو جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے وحی کی گئی ہے۔“

اس لیے رسول اللہ ﷺ جو کرتے اور فرماتے، وحی کے مطابق کرتے اور اسی کی پیروی کا حکم دیتے۔ اگر اجتہاد سے فیصلہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاموشی ہے تو وہ بھی عین رضائے الٰہی کے مطابق ہے۔ اس لیے آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے کہ فرشتے آئے تو انھوں نے کہا:

”تمھارے اس صاحب کے بارے میں ایک مثال ہے وہ مثال بیان کرو، بعض نے کہا: یہ تو سو رہے ہیں، بعض نے کہا: آنکھ سو رہی ہے مگر دل بیدار ہے۔ تو انھوں نے کہا: اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا اور اس میں دستر خوان سجایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا جو شخص بلانے والے کی بات تسلیم کر کے گھر میں داخل ہوا اس نے دستر خوان سے کھانا کھا لیا اور جس نے بلانے والے کی بات تسلیم نہ کی وہ گھر میں داخل

نہیں ہو گا، نہ دسترخوان سے کچھ کھائے گا۔ تو فرشتوں نے کہا: اس کی وضاحت کرو، تو انھوں نے کہا: گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے محمد (ﷺ) ہیں۔ جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد (ﷺ) کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد (ﷺ) لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔“[1]

یعنی انھیں رسول ماننے والا، اور ان کی اطاعت کرنے والا مومن ہے اور ان کی تکذیب کرنے والا کافر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ))[2]

”جس نے میری اطاعت کی، بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی بے شک اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔“

اس لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، کیوں کہ آپ جو کچھ دین کے حوالے سے بتلاتے تھے وہ وحی کے ذریعے سے بتلاتے تھے اور وحی کے ہی آپ پیروکار تھے۔ آپ نے کسی موقع پر اجتہاد فرمایا، وہ اگر اللہ کی رضا کے مطابق ہوتا اور کوئی تنبیہ نہ ہوتی تو اسے بھی گویا اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھا جاتا۔ جیسے حدیثِ تقریری میں آنحضرت ﷺ کی خاموشی بھی حدیث ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے اجتہاد پر اللہ تعالیٰ کی خاموشی اللہ تعالیٰ کی رضا و پسندیدگی شمار ہوتی ہے۔

چند احادیثِ مبارکہ

قرآن مجید کی چند آیاتِ مبارکہ کے بعد اب ہم ان احادیث کا ذکر کرتے

---

[1] صحيح البخاري (٧٢٨١)

[2] صحيح البخاري (٧١٣٧)

ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اطاعت کا حکم فرمایا۔

پہلی حدیث:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى))[1]

''میری تمام امت جنت میں جائے گی، سوائے اس کے جس نے انکار کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! جنت میں جانے سے انکار کون کرتا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت جانے سے انکار کر دیا۔''

اس کے ساتھ حضرت جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث بھی پیشِ نظر رہیں جو بارھویں آیت کے تحت ہم نقل کر آئے ہیں۔

دوسری حدیث:

رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو اس میں یہ بھی فرماتے:

((إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ))[2]

''بے شک سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب کی ہے اور سب سے اچھا

---

[1] صحيح البخاري (٧٢٨٠)

[2] یہ حدیث صحیح مسلم (٢٠٠٥) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور صحیح البخاري (٦٠٩٨، ٧٢٧٧) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''أحسن'' کی جگہ ''خیر'' کا لفظ ہے۔

طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے''

تیسری حدیث:

رسول اللہ ﷺ نے جیسے مدعیانِ نبوت کے بارے میں خبردار فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، امت میں کذاب و دجال ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے، اسی طرح منکرینِ حدیث سے بھی خبردار فرمایا۔ چنانچہ سیدنا مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ، يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمُ الْحمار الْأَهْلِيُ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّباع)) الحديث[1]

''خبردار! مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مانند اور بھی کچھ دیا گیا ہے، خبردار! عنقریب ایک پیٹو اپنے تخت پر بیٹھا کہے گا: اس قرآن کو لازم پکڑو جو تم اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام ٹھہراؤ۔ اور بے شک رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے، جیسے اللہ نے حرام کیا۔ خبردار! گھریلو گدھا حلال نہیں اور نہ کچلیوں والے درندے حلال ہیں۔''

یہ صحیح حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے پہلو بہ پہلو اور وحی بھی نازل کی تھی جسے آپ ﷺ نے ((وَمِثْلَهُ مَعَهُ)) سے تعبیر فرمایا

[1] مسند أحمد (٤/ ١٣١)، سنن أبي داود (٤٦٠٤)، سنن الترمذي (٢٦٦٤)، سنن الدارمي (٥٩٢)، حاكم وصححه وغيره، أنظر تخريج المسند (٢٨/ ٤١١)

ہے۔ یہ مثلیت قرآن کی طرح نازل ہونے اور قرآن کے احکام ہی کی طرح اس کے احکام سے مماثلت میں بھی ہے اور اس کی پیروی اتنی ہی ضروری ہے جتنی قرآن مجید کی ہے۔ حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف حرام کرنے کی نسبت ہے وہ بھی اسی اعتبار سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے علاوہ اللہ کی وحی کے ذریعے کچھ چیزوں کی حلت و حرمت بیان فرمائی ہے اور بطور تمثیل فرمایا ہے، جیسے گھریلو گدھے اور کچلیوں والے درندے حرام ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی حرمت قرآن مجید میں نہیں ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یہ اور اسی موضوع کی دیگر احادیث کی بنا پر ان پر یوں عنوان باندھا ہے: "باب ما جاء في التسوية بين حكم كتاب الله تعالىٰ وحكم سنة رسول الله ﷺ في وجوب العمل ولزوم التكليف" یعنی ''یہ باب ہے کہ کتاب اللہ میں جو حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں جو حکم ہے وہ عمل کے واجب ہونے اور اس کی ضرور پابندی کرنے میں برابر ہیں۔'' اس حدیث سے اور اسی طرح اس کے بعد حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جہاں حدیث و سنت کے مستقل حجت ہونے کی دلیل ہے، وہاں اس میں فتنۂ انکارِ حدیث کی بھی خبر ہے، بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ نے ختمِ نبوت کا انکار کرنے والوں سے خبردار فرمایا ہے، بلکہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں دو گروہوں کو میں جہنمی سمجھتا ہوں ان میں ایک گروہ کہے گا:

"إن كان أولنا ضلالًا ما بال خمس صلوات في اليوم والليلة إنما هما صلاتان العصر والفجر وقوم يقولون، إنما الإيمان كلام وإن زنى وإن قتل"[1]

''بے شک ہمارے پہلے لوگ گمراہ تھے، یہ دن رات میں پانچ نمازیں کیا

---

[1] الحاكم (٤ ٤١٩) وصححه على شرط الشيخين، السنة لابن أحمد (١ ٣٢٣)

ہوئیں نمازیں تو صرف دو ہیں: ایک عصر کی اور دوسری صبح کی۔ اور دوسرا گروہ کہے گا: ایمان صرف زبان کے اقرار کا نام ہے، اگرچہ وہ زنا کرے اور قتل کرے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اگرچہ موقوف ہے، مگر حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس میں مستقبل کی خبر ہے جو بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے کی نہیں کہی جا سکتی۔ اور کون نہیں جانتا یہ دونوں گروہ اس امت میں موجود ہیں، بلکہ پہلا تو ہمارے برصغیر کی پیداوار ہے جنھوں نے کہا کہ نمازیں دو ہیں، پانچ نہیں ہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ جو احکام حدیث میں بیان ہوئے ہیں ان کی تفصیل کے لیے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب اعلام الموقعین (۲/۲۲۰، ۲۲۱) طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ملاحظہ فرمائیں۔

چوتھی حدیث:

اسی مفہوم میں حضرت ابو رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ)) [1]

"میں تم میں سے کسی کو یوں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم آئے یا جس سے میں نے منع کیا ہے تو وہ کہے: مجھے علم نہیں ہم جو اللہ کی کتاب میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔"

---

[1] مسند أحمد (٦/ ٨)، سنن أبي داود (٤٦٠٥)، سنن الترمذي (٢٦٦٣)، وحسنه، ابن حبان، الرسالة (٢٩٥)، ابن ماجه وغيره.

پانچویں حدیث:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز پڑھی پھر ہماری طرف رخِ انور کر کے ہمیں بڑا فصیح و بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں تر ہوگئیں اور دل ڈر گئے، تو ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو ایسے ہے کہ یہ الوداعی وعظ ہے، آپ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أُوصِيكُم بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ كَانَ عَبْداً حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنكُم بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ)) الحديث[1]

''میں تمھیں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی اور اگرچہ حبشی غلام امیر ہو، اس کی سمع و اطاعت کی وصیت کرتا ہوں۔ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، لہٰذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کرو۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کا بھی حکم فرمایا ہے اور یہ بات بدیہی ہے، خلیفۂ راشد کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، بلکہ وہ سنتِ مصطفوی کی پیروی میں سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے اور خلفائے راشدین کی زندگی کے احوال اس کی بیّن دلیل ہیں کہ وہ ہر معاملے میں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور اگر دونوں میں سے کوئی واضح دلیل نہ ملتی تو کتاب و سنت کی نصوص

---

[1] مسند أحمد (٤ ١٢٦، ١٢٧)، سنن أبي داود (٤٦٠٧)، سنن الترمذي (٢٦٧٦)، سنن ابن ماجه (٤٣) وغيره. الصحيحة (٩٣٧)

کے تناظر میں اجتہاد کرتے اور اہلِ علم سے اس بارے میں مشورہ کرتے اور ان کا یہ طریقہ بھی سنت ہی کی پیروی میں ہوتا تھا۔

چھٹی حدیث:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا، فَقَالَ: يَا قَوْمِ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَأَدْلَجُوا، فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهَلِهِمْ، فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ، فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ، فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي، فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ» [1]

"بے شک میری مثال اور جو مجھے دے کر اللہ نے بھیجا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا تو اسے کہا: اے میری قوم! میں اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھ آیا ہوں اور میں نذیر عریان ہوں، لہٰذا جلدی جلدی بھاگ جاؤ تو اس کی قوم کے ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی اور وہ رات ہی کو اطمینان سے بھاگ نکلے، اور ان میں سے ایک گروہ نے اس کی تکذیب کی تو وہ صبح تک اپنے گھروں میں رہے علی الصبح لشکر نے ان پر حملہ کیا تو انھیں ہلاک کر دیا اور ان کی جڑیں کاٹ دیں۔ یہ مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لے کر آیا ہوں اس کی فرمانبرداری کی وہ نجات پا گیا اور مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی

---

[1] صحيح البخاري (٦٤٨٢، ٧٢٨٣)، صحيح مسلم (٢٢٨٣)

اور جو میں حق لے کر آیا اسے جھٹلایا (وہ عذاب میں پھنس گیا)۔“

اس مثال میں دوٹوک الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ نجات کا واحد ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے، آپ کی اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

ساتویں حدیث:

حجۃ الوداع کے خطبہ میں جو مختلف احکام رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے اور جو نصیحتیں کیں، ان میں ایک نصیحت یہ بھی تھی:

”يَأَيُّهَا النَّاس! إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِن اعتصمتم بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَداً: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِي)) [1]

”اے لوگو بے شک میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑو گے تو تم ہرگز کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت۔“

گمراہی سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے تمسک کیا جائے، اگر سنت کی پیروی غیر ضروری قرار دے دی جائے تو گمراہی کے لیے کسی اورعملِ بد کی ضرورت نہیں۔

آٹھویں حدیث:

رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے رہنے والے انصار اور یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا وہ میثاقِ مدینہ کے نام سے کتبِ تاریخ میں مشہور ہے اس میں ایک بات یہ بھی تھی:

((وَإِنَّكُمْ مَهْمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ، فَإِن مرده إِلَى اللّٰهِ عَزَّ

---

[1] الحاكم (١ ٩٣)، بيهقي (١٠ ١١٤) حسن، أنظر الصحيحة (٤ ٣٦١)

وَجَلَّ وَإِلَى مُحَمَّد ﷺ))[1]

''اور تمھارا جب کسی معاملے میں اختلاف ہو تو اسے اللہ عزوجل اور محمد ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔''

اس لیے کسی معاملے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ حتمی ہے اور یہی وہ حکم ہے جو اللہ تبارک وتعالی نے سورۃ النساء [۵۹] میں دیا ہے۔

ان احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حدیث اسی طرح دین میں حجت ہے جس طرح قرآن حجت ہے، دونوں سے استدلال میں کوئی فرق نہیں۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام (١ ٥٠٣) وغيره.

حدیث بھی مُنَزَّل مِنَ اللہ ہے

جس طرح قرآن منزل من اللہ ہے، اسی طرح حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے، نزولِ وحی کے مختلف طریقے بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ [الشوریٰ:۵۱]

''کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا یہ کہ وہ کوئی رسول فرشتہ بھیجے پھر اپنے حکم کے ساتھ وحی کرے جو چاہے۔''

دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان تین طریقوں سے انسانوں سے کلام کرتا ہے:

۱۔ **بذریعہ وحی:** یعنی اپنے بندے کے دل میں بلاواسطہ کوئی بات ڈال دے خواہ وہ بیداری کی حالت میں ہو یا نیند میں اور اسے یقین ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی کو وحی خفی کہا گیا ہے۔

۲۔ **پردے کے پیچھے سے کلام کرے:** جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا یا جیسے معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔

۳۔ **فرشتے کے ذریعے:** جو بات پہنچانا چاہے پہنچا دے اور فرشتہ کبھی انسانی شکل میں اور کبھی غیر مرئی شکل میں آتا ہے۔

ان تینوں طریقوں پر ہی پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾

[النساء: ١٦٣]

’’بے شک ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے وحی بھیجی نوح اور اس کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف۔‘‘

اس کے بعد حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون، داود اور سلیمان علیہم السلام کا نام ذکر کیا اور فرمایا ہے کہ داود علیہ السلام پر زبور نازل کی اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ جن انبیائے کرام علیہم السلام پر کتاب یا صحیفہ نازل ہونے کا ذکر ہے وہ ہیں: ابراہیم، موسیٰ، داود اور عیسیٰ علیہم السلام۔ باقی انبیائے کرام علیہم السلام پر کون سی وحی نازل ہوئی؟ ظاہر ہے کہ وہ پہلی یا تیسری قسم کی وحی ہے، بلکہ ابراہیم علیہ السلام کو صحیفے کے علاوہ بذریعہ خواب فرزندِ ارجمند کی قربانی کا حکم دیا گیا۔ [الصافات: ١٠٢] سیدنا اسحاق علیہ السلام کی بشارت، قومِ لوط کے بارے میں فرشتوں سے مجادلہ اور ان کا جواب، حضرت لوط علیہ السلام سے فرشتوں کی گفتگو، سیدنا صالح علیہ السلام کا تین دن بعد قوم کو ہلاکت کی خبر اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا اپنی قوم سے مخاطبہ؛ سب پہلی اور تیسری قسم کی وحی پر مبنی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پر کوہِ طور پر نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، فرعون سے مقابلہ اور بالآخر فرعون کا بشمول اپنے لاؤ لشکر کے دریا میں غرق ہونا، اس کے بعد تورات لینے کے لیے کوہِ طور پر جانا، نبوت اور تورات ملنے تک کے پیغامات جیسے: ﴿ اَلْقِ عَصَاكَ ﴾ [الأعراف: ١١٧]، ﴿ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ [البقرة: ٦٠]، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ [البقرة: ٦٧] اور اس سلسلے کے دیگر احکام سب وحی کے ذریعے سے تھا اور یہ وحی تورات کے علاوہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح قرآن مجید کے علاوہ وحی نازل ہوتی رہی قرانِ مجید کے بارے میں تو ارشاد ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؁ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ؁ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴾ [الشعراء: ۱۹۲-۱۹٤]

''اور بے شک یہ یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے تیرے دل پر تاکہ تو ڈرانے والوں سے ہو جائے۔''

قرآن مجید تو بذریعہ جبریل علیہ السلام نازل ہوا ہے، قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی بذریعہ جبریل علیہ السلام آئی اور دوسرے دونوں طریقوں کے مطابق بھی وہی نازل ہوئی چنانچہ حضرت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كان جبريل ينزل عَلَيۡهِ بِالسُّنَّة كَمَا ينزل عَلَيۡهِ بِالۡقُرۡاٰن''[1]

''جبریل علیہ السلام سنت (کے احکام) لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جیسے قرآن لے کر آیا کرتے تھے۔''

یہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ''الا الاذخر'' اذخر کی استثنا فرما دیں، کیونکہ یہ ''اذخر'' تو ہماری قبروں اور گھروں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر کی استثناء فرما دی۔[2]

تو یہ استثنا بھی درحقیقت بذریعہ وحی ہی تھا، جیسے ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ! اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جب وہ جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ قرض معاف نہیں ہو گا۔[3]

---

[1] دارمي (۱ ۱۱۷)، الكفاية (ص: ۱۲، ۱۵)، الفقيه والمتفقه (۱ ۲۰٦)، الجامع لابن عبد البر (۲ ۱۹۱) وغيره.

[2] صحيح البخاري (۲٤۳٤)، صحيح مسلم (۱۳۵۵) [3] صحيح مسلم (۱۸۸۵)

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((أُهْجُهُمْ وَجِبْرِيلُ مَعَكَ))

''مشرکین کی ہجو کرو، جبریل علیہ السلام تمھارے ساتھ ہیں۔''

جب جبریل علیہ السلام مشرکین کی ہجو میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاون تھے تو شریعت کو بیان کرنے میں وہ آنحضرت ﷺ کے بالاولیٰ معاون تھے۔[1]

اسی لیے اذخر کی استثنا بھی درحقیقت من جانب اللہ تعالیٰ ہی تھی، مذکورہ بالا امثلہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن مجید سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس کا جواب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا جیسے فرمایا گیا ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۖ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [الأنفال: ١]

''آپ سے مالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیں کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے۔''

یہ اسلوب قران مجید میں ایک درجن سے زائد مرتبہ بیان ہوا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

''كان رسول الله ﷺ إمام المسلمين وسيد العالمين يسئل عن شيء فلا يجيب حتى يأتيه الوحي''[2]

''رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے امام اور دونوں جہانوں کے سردار تھے۔ ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کا جواب نہ دیتے تا آنکہ آپ ﷺ پر وحی آجاتی۔''

---

[1] الفقيه والمتفقة (ص: ٢٠٩) ط دار ابن الجوزي.

[2] جامع بيان العلم (٢ ٥٤)

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ''كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة'' میں باب نمبر ۸ یہی قائم کیا ہے کہ جس مسئلے کے بارے میں سوال کیا جاتا اور اس کے متعلق وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ((لَا أَدْرِي)) ''میں نہیں جانتا'' یا خاموش رہتے تاآنکہ اس بارے میں وحی نازل ہو جاتی وہ وحی متلو ہوتی یا غیر متلو، اس لیے آپ کے یہ جوابات منجانب اللہ ہوتے تھے۔ اگر آپ نے اجتہاد میں کوئی فیصلہ فرمایا اور اس کی من جانب اللہ تردید نہیں ہوئی تو وہ بھی تقریری حدیث کی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا ہی سمجھی جائے گی۔

اس کی تائید حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)) الخ [1]

''خبردار مجھے قران اور اس کے ساتھ اس کی مانند اور کچھ بھی دیا گیا ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ [المائدة: ٣]

''آج میں نے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔''

تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت کے بعد کیا کوئی حکم نازل نہیں ہوا اور جبریل علیہ السلام کوئی پیغام نہیں لائے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''إِنَّ اللّٰه تابع عَلَى رَسُولِهِ ﷺ قَبْلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تَوَفَّاهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ الْوَحْيُ ثُمَّ تُوُفِّيَ'' [2]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل مسلسل بکثرت وحی نازل کی، تاآنکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔''

---

[1] سنن أبي داود (٤٦٠٤)، سنن الترمذي، مسند أحمد وغيره.

[2] صحيح البخاري (٤٩٨٢)، صحيح مسلم (٣٠١٦)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''فتح مکہ کے بعد بکثرت عالم عرب سے وفود حاضرِ خدمت ہوئے، انھوں نے بکثرت سوالات کیے جن کے جواب میں بکثرت وحی نازل ہوئی۔''[1]

ظاہر ہے یہ جوابات وحی خفی، جسے حدیث کہا گیا ہے کی صورت میں تھے۔ قرآن مجید کے بہت سے مقامات سے اس وحیِ خفی کا ثبوت ملتا ہے، چند آیاتِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

قرآن مجید اور وحیِ خفی

پہلی آیت:

تحویلِ قبلہ کے حکم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ﴾ [البقرة: ١٤٣]

''اور ہم نے وہ قبلہ جس پر تم تھے مقرر نہیں کیا تھا مگر اس لیے کہ ہم جان لیں کون اس رسول کی پیروی کرتا ہے اس سے (جدا کر کے) جو اپنی دونوں ایڑیوں پر پھر جاتا ہے۔''

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریف آوری ہوئی تو وہ ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پر اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم فرمایا اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ پہلے جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے ہیں اس رخ پر نمازیں پڑھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا لیکن یہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں یہ اس بات کا بین ثبوت ہے قرآن مجید کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے

---

[1] فتح الباري (٩ ٨)

احکام نازل ہوتے تھے اور وہ بصورتِ وحیِ خفی تھے، جسے حدیث کہا جاتا ہے۔

یہ حکمت عملی کیا تھی؟ کہ پہلے بیت المقدس پھر ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم فرمایا پہلے روز سے ہی بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دیا ہوتا یہ اس لیے تھی کہ سب کے سامنے یہ بات کھل جائے: ﴿مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ اس رسول کی پیروی کون کرتا ہے کون متبع ہے اور کون نافرمان۔ یہ آزمائش اور امتحان رسول کی فرمانبرداری کے بارے میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی احادیث کو جو معمول بہا تھیں بعد میں انھیں قرآن بنا کے نازل فرمایا، مثلاً: نماز کے لیے وضو کا معمول پہلے سے تھا، بلکہ کوئی نماز آپ ﷺ نے وضو کے بغیر نہیں پڑھی۔[1]

لیکن اس کا حکم مدینہ طیبہ میں ہوا جب سورۃ المائدہ [۶] میں اس کا حکم دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد نماز جمعہ کا آغاز فرما دیا تھا، مگر اس کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں۔ آپ ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی اثنا میں تجارتی قافلہ آیا انھوں نے اپنے آنے کی اطلاع میں ڈھول تاشے بجانے شروع کیے اور اکثر حاضرین سودا سلف خریدنے کے لیے نکل گئے۔ اسی پسِ منظر میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں جمعہ سے متعلق آیات [۹، ۱۰، ۱۱] نازل فرمائیں۔

اسی طرح جمعہ و جماعت کے لیے منادی یعنی اذان کا ذکر انہی آیات جمعہ میں ہے یا سورۃ مائدہ [۵۸] میں ہے، لیکن یہ منادی کیا ہے اس کا کوئی ذکر قرآن مجید میں نہیں یہ حکم بھی قرآن مجید میں کہیں نہیں کہ نماز کے لیے یا جمعہ کے لیے اذان دو بلکہ اذان ان آیات سے پہلے دی جاتی تھی اذان سن کے ہی یہودی اس کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی احکام نازل ہوتے تھے اور ان کی پیروی کی جاتی تھی۔ یہاں حدیث پر عمل پہلے

[1] فتح الباري (١ ٢٣٣)

سے ہے قرآن مجید میں اس کا حکم بعد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو اسی طرح تمام احادیث کو قرآن بنا کر نازل فرما دیتے، لیکن ایسا اس لیے نہیں کیا گیا تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ﴿مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ ہمارے رسول کا پیروکار کون ہے۔

دوسری آیت:

غزوۂ اُحد کا ذکر کرتے ہوئے غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ذکر یوں فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿123﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ [آل عمران: ١٢٣، ١٢٤]

اور بلاشبہ یقیناً اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی جب کہ تم نہایت کمزور تھے، پس اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر کرو، جب تم ایمان والوں سے کہہ رہے تھے کیا تمھیں کسی طرح کافی نہ ہو گا کہ تمھارا رب تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمھاری مدد کرے جو اتارے ہوئے ہوں۔“

اب یہاں جو رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے ذکر ہوا ہے انھوں نے فرمایا کیا تمھارے لیے تین ہزار فرشتوں کی مدد کافی نہیں اس امداد کا ذکر اور فرشتوں کی تعیین کس ذریعے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔

ظاہر ہے کہ لسانِ نبوت سے یہ اعلان بذریعہ وحی کروایا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے بعد میں قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔

تیسری آیت:

سن دو ہجری میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ مشرکین مکہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس مکہ مکرمہ جا رہا ہے اور مدینہ طیبہ کے

قریب سے گزرنے والا ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کی مختصر جماعت جو ۳۱۳ افراد پر مشتمل تھی لے کر قافلے کے تعاقب میں نکلے ادھر مشرکینِ مکہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر قافلے کی حفاظت کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر بدر کے مقام پر وارد ہوا ادھر آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سورتِ احوال سے آگاہ فرمایا۔ اسی پسِ منظر میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ ﴾ [الأنفال: ۷]

''اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہو گا۔''

سورۂ انفال کا یہ حصہ غزوۂ بدر کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم میں اختلاف کے تناظر میں نازل ہوا ہے اور ''اذ'' ظرف زمان ماضی کے لیے آتا ہے۔ گویا یہ وعدہ پہلے ہو چکا تھا جس کا اظہار غزوۂ بدر کے بعد ہوا ہے اس وعدے کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وعدہ بذریعہ وحیِ خفی کے ہوا تھا جسے بعد میں قرآن مجید بنا کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

چوتھی آیت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید ہی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ''الحکمہ'' بھی نازل فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴾ [النساء: ۱۱۳]

''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور تمھیں (وحی کے ذریعے) وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر ہمیشہ سے بہت بڑا ہے۔''

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ''کتاب'' کی طرح ''الحکمة'' بھی اللہ تعالیٰ

نے نازل فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ جیسے ''کتاب'' کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح ''الحکمۃ'' کی بھی تعلیم دیتے تھے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔''

نیز دیکھیے: سورۃ الجمعہ: [۲]، البقرۃ [۱۵۱، ۲۳۱]۔

پھر کتاب کے ساتھ ساتھ اسی ''الحکمہ'' کو یاد کرنے کا حکم بھی فرمایا۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات سے بطورِ خاص فرمایا گیا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾

[الأحزاب: ٣٤]

''اور یاد کرتی رہو جو تمھارے گھروں میں اللہ کی آیات اور الحکمۃ پڑھی جاتی ہیں۔''

یعنی تمھارے گھروں میں کتاب ہی پڑھی پڑھائی نہیں جاتی، بلکہ اس کے ساتھ ''الحکمۃ'' بھی پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ ان دونوں کو یاد کرو اور دونوں کو محفوظ کرو۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں ''الحکمۃ'' سے رسول اللہ ﷺ کی سنت مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ساتھ حکمت کا اور اپنی مخلوق پر کتاب و حکمت کی تعلیم دیے جانے کے احسان کا ذکر کیا ہے۔[1]

[1] الرسالہ (ص: ۷۸)

''الحکمۃ'' سے دین کی معرفت اور تفسیرِ قرآن بھی مراد لی جائے تب بھی ''سنت'' کا مفہوم اسے شامل ہے، دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ یہی ''سنت'' ہے جس کے من جانب اللہ دیے جانے کا ذکر پہلے تیسری حدیث میں بیان ہوا ہے اور اسی کی پیروی کا حکم ہے۔

پانچویں آیت:

حدیث و سنت کی حیثیت قرآن مجید کے بیان اور تعبیر کی بھی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ ﴾ [النحل: ٤٤]

''اور ہم نے تم پر ﴿ الذِّكۡرَ ﴾ قرآن نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو بیان کردو جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کے الفاظ کے معانی بھی بیان فرمائے اور اس کی مجملات کی توضیح وتشریح بھی قول وعمل سے کر دی۔ چنانچہ وضو، نماز، زکاۃ، حج اور دیگر احکامات کو آنحضرت ﷺ کی حدیث سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ جس کی وضاحت آئندہ ان شاء اللہ قرآن وحدیث میں معنوی تلازم کے تحت ہم کریں گے۔

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ اس کے ''بیان'' کی ذمے داری جو رسول اللہ ﷺ کی بتائی گئی ہے۔ کیا اس کی حفاظت ضروری ہے یا نہیں؟ اگر وہ محفوظ نہیں تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ''بیان'' کی تیئس سالہ جدوجہد بے کار ہوگئی۔ مگر ایسا قطعاً نہیں بلکہ جیسے قرآن مجید امت کے ہاں محفوظ ہے۔ بعینہٖ اس کا بیان بھی محفوظ ہے اور ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

چھٹی آیت:

قرآن مجید کی طرح جب اس کا ''بیان'' بھی من جانب اللہ ہے تو اس کے

محفوظ ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿16﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿17﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿18﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ [القيامة: ١٦ـ ١٩]

''(اے نبی ﷺ!) تم اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو، تا کہ اسے جلدی حاصل کرو۔ بلاشبہ اس کا جمع کرنا اور (آپ کا) اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھیں تو پھر تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو، پھر بلاشبہ اسے واضح کرنا ہمارے ذمے ہے۔''

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ بڑی دقت محسوس کرتے تھے، کیونکہ آپ جرائیل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہونٹ ہلاتے جاتے، پڑھتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کو جمع کرنا اور آپ (ﷺ) کو پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم (یعنی جبرائیل علیہ السلام) پڑھیں تو آپ اسے سنیں اور خاموش رہیں۔ پھر یہ ہمارے ذمے ہے کہ آپ اسے پڑھیں گے، اس کے بعد جب جبرائیل علیہ السلام پڑھتے تو آپ اسے سنتے رہتے، جب وہ چلے جاتے تو آپ ﷺ اسی طرح پڑھ لیتے، جیسے جبرائیل علیہ السلام نے پڑھا ہوتا تھا۔''[1]

جیسے اللہ تعالیٰ نے پڑھایا ویسے ہی اس کا ''بیان'' یعنی اس کی توضیح وتشریح بھی اللہ تعالیٰ نے سکھائی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے آگے اسے امت کو بتایا اور پڑھایا جو حدیث وسنت کی صورت میں امت کے پاس محفوظ ہے۔

اس لیے حدیث وسنت کا ذخیرہ جو آج امت کے پاس ہے وہ بھی من جانب اللہ ہے اور اس کی اطاعت کی بھی وہی اہمیت ہے جو قرآن مجید کی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري (٥)

ساتویں آیت:

قرآن مجید کے علاوہ وحی آنے کا ذکر حسبِ ذیل آیت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾ [التحريم: ٣]

''اور جب نبی نے اپنی بیوی سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کہی، پھر جب اس (بیوی) نے اس بات کی خبر (آگے) دے دی اور اللہ نے اس (نبی) کو اس کی اطلاع کر دی تو اس (نبی) نے (اس بیوی کو) اس میں سے کچھ بات جتلائی اور کچھ سے اعراض کیا، پھر جب اس (نبی) نے اسے یہ (راز فاش کرنے کی) بات بتائی تو اس نے کہا: تجھے یہ کس نے بتایا ہے؟ کہا: مجھے اس نے بتایا ہے جو سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔''

یہاں تین باتیں قابلِ غور ہیں:

ایک یہ ﴿الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ﴾ کے بتانے کا اگر واحد ذریعہ قرآن پاک ہے تو اس میں یہ خبر کہاں ہے؟ ظاہر ہے یہ خبر بذریعہ وحی خفی کے ہے، جسے حدیث و سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات میں سے بعض کا اظہار اپنی زوجہ محترمہ سے کیا اور بعض کا اظہار نہ کیا۔ یہ بعض سے اعراض و اغماز، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی دینی بات بھی نہیں تھی، ورنہ رسول اللہ ﷺ اسے قطعاً نہ چھپاتے، کیونکہ آپ کو دین کی ہر بات بتانے کا حکم ہے۔[المائدة: ٦٧]

تیسری بات یہ کہ یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دینی امور کے علاوہ

بھی رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی تھی۔ اور بعض انتظامی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی ہوتی تھی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشرکینِ مکہ کے ساتھ صلح نامہ پر جب اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ سچے نبی نہیں اور ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: پھر ہم دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ وَهُوَ نَاصِرِي» [1]

''بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے۔''

قابلِ غور بات یہ ہے کہ صلح کے حوالے سے جو کچھ ہو رہا تھا وہ اگر اپنی رائے سے کر رہے تھے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا گمان کہاں سے در آیا؟ یہ تو تبھی ہو سکتا ہے جب اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''ظَاهِرٌ فِي أَنَّهُ ﷺ لَمْ يَفْعَلْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا إِلَّا بِالْوَحْيِ'' [2]

کہ یہ بات اس بارے میں ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کر رہے تھے وحی کے مطابق کر رہے تھے۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: ١٥٩] اور معاملہ میں ان سے مشورہ لے۔ اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشورىٰ: ٣٨] اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔ غزوۂ بدر میں مقامِ جنگ کی تبدیلی، غزوۂ احد میں مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر مقابلے کا فیصلہ صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ سے طے پایا۔ لیکن صلح حدیبیہ میں ''قرآنی

---

[1] صحيح البخاري (٢٧٣١، ٢٧٣٢) [2] فتح الباري (٥ ٣٤٦)

حکم'' کو ملحوظ کیوں نہیں رکھا گیا؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ سب وحیِ خفی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا تھا، اسی لیے وہاں مشورہ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

آٹھویں آیت:

بنو نضیر کا جب رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ کیا تو بعض جنگی ضرورتوں کے پیشِ نظر بعض درختوں کو کاٹنے کا اور بعض کو جلانے کا حکم دیا اور بعض کو اسی طرح باقی رکھا۔ اس پر یہود اور منافقین معترض ہوئے اور شور مچایا کہ آپ تو اصلاح کے داعی ہیں اور یہ درخت کاٹنا اصلاح ہے یا فساد فی الارض ہے؟ اسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [الحشر: ٥]

''جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹا، یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑا تو وہ اللہ کی اجازت سے تھا۔''

سوال یہ ہے کہ یہ اذن قرآن میں کہاں ہے؟ یہ اس بات کی بین دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے علاوہ بھی احکام آنحضرت ﷺ کو دیے تھے اور وحی کا سلسلہ صرف قرآن پاک تک محدود نہیں تھا، بلکہ وحیِ خفی کے ذریعے بھی احکام دیے گئے ہیں، جسے حدیث کہا جاتا ہے۔

یہ اور اسی نوعیت کی اور بھی متعدد آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی تھی جسے وحیِ خفی اور حدیث سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور احادیثِ مبارکہ

اب آیئے! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فکر معلوم کریں کہ وہ حدیث کا مرتبہ ومقام کیا سمجھتے تھے اور اس کو کیا اہمیت دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوتَشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ، لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ»[1]

"اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو خوبصورتی کے لیے گودنے والی اور گودوانے والی ہیں اور ابروؤں کو باریک کرنے والی اور دانتوں کو باریک کرنے اور مصنوعی طور پر فاصلہ کرنے والی اور اللہ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔"

بنو اسد کی ایک خاتون، جس کا نام ام یعقوب تھا، کو یہ بات پہنچی تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فلاں فلاں (کام کرنے والیوں) پر لعنت کی تو انھوں نے فرمایا: میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور جس پر لعنت اللہ کی کتاب میں ہے؟ تو اس نے کہا: میں نے پورا قرآن پڑھا ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو آپ فرما رہے ہیں، انھوں نے فرمایا: اگر تم نے صحیح طور پر پڑھا ہوتا تو یہ حکم تم اس میں

---

[1] صحيح البخاري (٤٨٨٦) وغيره

پالیتی۔ کیا تم نے یہ نہیں پڑھا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷] تو اس نے کہا: پڑھی ہے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس خاتون نے کہا: آپ کی زوجہ تو یہ کام کرتی ہے۔ انھوں نے فرمایا: جاؤ جا کے دیکھو، چنانچہ وہ گئی اس نے دیکھا تو ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ اس طرح کی ہوتی تو میں اس کے ساتھ نہ رہتا۔[1]

یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان، درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان سمجھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان اسی طرح واجب الاتباع اور ہدایت کا ماخذ قرار دیتے تھے، جیسے قرآن مجید ہے۔ ورنہ قرآن مجید میں تو صراحتاً یہ عمل کرنے والیوں پر کہیں لعنت کا ذکر نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا حکم؛ کتاب اللہ کا حکم ہے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اور آپ کے حکم کو جس بنیاد پر ''کتاب اللہ'' کا حکم قرار دیا ہے۔ یہی بات ایک موقعہ پر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی: کہ میں مکاتب لونڈی ہوں میری مدد کیجیے، تاکہ میں آزاد ہو جاؤں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں تمھیں آزاد کروا دیتی ہوں مگر نسبت ولاء میری ہوگی۔ یعنی بریرہ مولاۃ عائشہ کہلائے گی۔ مگر سیدہ بریرہ کے مالکوں نے کہا کہ نہیں نسبت ولاء ہماری طرف ہوگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے آزاد کروا دو، نسبت ولاء اسی کی ہوگی، جس نے آزاد کروایا۔ ادھر سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں کی بات آپ تک پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا، لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَنِ

---

[1] صحيح البخاري (٤٨٨٦، ٤٨٨٧)، صحيح مسلم، أحمد، أبو داود، ابن ماجه وغيره

اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَلَيْسَ لَهٗ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ"[1]

''لوگوں کی کیا حالت ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو ایسی شرط لگاتا ہے جو کتاب اللہ میں نہیں تو وہ کوئی شرط نہیں، اگرچہ وہ سو شرطیں لگا دے۔''

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کے فرمان کے یہ معنی نہیں کہ جو کتاب اللہ میں منصوص نہ ہو وہ باطل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم کتاب اللہ میں ہے، اس لیے آپ کے فرمان کو کتاب اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔[2]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم گویا کتاب اللہ کا حکم جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ''کتاب اللہ'' کے ایک معنی تو یہ ہیں: جو اللہ نے فرض قرار دیا ہے اور دوسرے معنی میں اللہ کا یہ حکم ہے۔ کیونکہ ''کتاب'' اور ''کَتَبَ'' کا لفظ ان معنوں میں قرآن مجید میں وارد ہے۔[3]

یہی بات علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ ''کتاب اللہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہ اس معنی میں قرآن مجید میں تو ہے، جیسا کہ سورۃ النساء [۲۴] میں ''کتب اللہ'' سے مراد اللہ کا حکم ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے: جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ [النساء: ۸۰] نیز فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے نہیں بولتے بے شک یہ

---

[1] صحيح البخاري (٤٥٦)

[2] فتح الباري (١ ٥٥١)

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح السنة (١٠ ٢٧٩)

وحی ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔[النجم: ۳][1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما:

بالکل اسی نوعیت کا قصہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر فرما رہے تھے تو ایک صاحب کہنے لگے: جناب! آپ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کی کوئی بنیاد قرآن مجید میں نہیں ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے بڑے غصے سے فرمایا: تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم قرآن پاک میں عشاء کی چار رکعت، مغرب کی تین، صبح کی دو، ظہر اور عصر کی چار چار رکعتیں پاتے ہو؟ تو اس نے کہا: نہیں۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے یہ تفصیل کہاں سے پائی ہے؟ کیا تم نے یہ ہم سے نہیں سیکھا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا۔ کیا تم قرآن مجید میں کہیں پاتے ہو کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری کی زکاۃ ہے، اتنے اونٹوں پر اتنی، اور اتنے درہموں پر اتنے درہم زکاۃ ہے۔ تم نے یہ تعیین کہاں سے لی؟ یہ تم نے ہم سے لی اور ہم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہے۔ اور کیا تم نے قرآن مجید میں یہ کہیں پایا ہے کہ طواف کے سات چکر ہیں اور ان کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ہیں؟ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷] ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سیکھا جس کا تمھیں علم نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: اے قوم! ہم سے سیکھو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔[2]

---

[1] التمهيد (۹ ۷۸) نیز دیکھیں: فتح الباري (۵ ۳۵۳)، اعلام الموقعين (۳ ۱۱۳، ۱۱٤) تحقیق شیخ مشهور بن حسن حفظہ اللہ۔

←

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

ایک عورت نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا ہم حیض کے ایام میں نماز قضا کریں؟ تو انھوں نے فرمایا:

"أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ قَدْ كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ لَمْ تُؤْمَرْ بِقَضَاءٍ"[1]

کیا تو حروریہ ہے؟ (حروریہ، یہ کوفہ کے قریب "حروراء" بستی کا نام ہے جہاں سب سے پہلے خارجیوں کا اجتماع ہوا تھا) خارجی خبرِ واحد کو حجت نہیں مانتے تھے اور قرآن کو حجت مانتے تھے۔ اسی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا تمھارا خارجیوں سے تعلق ہے؟

ایک حدیث میں ہے کہ اس نے انکار کیا کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں ہم میں سے کسی کو حیض آتا تو اسے نماز قضا کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خارجیوں کی اسی فکری گمراہی کی تردید کی جو قرآنِ پاک کو حجت مانتے اور خبرِ واحد سے استدلال درست نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

یزید الفقیر کہتے ہیں میرے دل میں خوارج کی بات بیٹھ گئی تھی ہم ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے نکلے اور سوچا کہ حج کے بعد ہم لوگوں کو تبلیغ کریں گے، جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو دیکھا مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک ستون کا

← [2] دلائل النبوة للبيهقي (١ ٢٥، ٢٦)، أبو داود (١٥٦١)، مختصرا، الكفاية (١ ٨٣، ٨٤)، الفقيه والمتفقه وغيره. شیخ ابو اسحاق الدمیاطی نے الکفایہ کی تحقیق وتخریج میں فرمایا ہے کہ یہ "حسن لغیرہ" ہے۔

[1] صحيح مسلم وغيره

سہارا لیے بیٹھے ہیں اور حدیث بیان کر رہے ہیں۔ اچانک انھوں نے جہنمیوں کا ذکر کیا۔ میں نے انھیں کہا: اے صحابیِ رسول! یہ آپ کیسی احادیث بیان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾ [آل عمران: ۱۹۲]

''بے شک جس شخص کو تو نے جہنم میں ڈال دیا اسے رسوا کر دیا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾

[السجدة: ۲۰]

''اور رہے وہ لوگ جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا آگ ہی ہے، جب کبھی چاہیں گے کہ اس سے نکلیں اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا آگ کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

آپ اس کے خلاف کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''مقام'' سنا ہے جس مقام پر آپ کو اٹھایا جائے گا میں نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے فرمایا: وہ ''وہ مقام محمود'' ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت سے جہنمیوں کو جہنم سے نکال لے گا۔ پھر انھوں نے پل صراط اور لوگوں کے اس پر سے گزرنے کا ذکر کیا۔ مگر میں اسے اچھی طرح یاد نہ رکھ سکا۔ تاہم انھوں نے فرمایا کہ جہنم سے داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ جہنم سے نکل آئیں گے۔

راوی ابونعیم نے کہا: وہ لوگ جہنم سے اسی حالت میں نکلیں گے جیسے آبنوس کی جلی لکڑیاں ہوتی ہیں۔ پھر وہ جنت کی کسی نہر میں داخل کیے جائیں گے پھر اس نہر سے کاغذ کی مانند سفید ہو کے نکلیں گے۔ یہ سن کر ہم وہاں سے اٹھے اور ہم نے آپس

میں کہا: افسوس ہے تم (یعنی خارجیوں) پر، کیا تمھارا خیال ہے کہ یہ شیخ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ سن کے ہم وہاں سے لوٹے اللہ کی قسم ایک کے سوا سب خارجیوں کی دعوت سے تائب ہو گے۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت طلق بن حبیب بھی روایت کرتے ہیں اور وہ خود فرماتے ہیں: میں شفاعت کی تکذیب کرنے والوں میں سب سے زیادہ سخت تھا۔ میری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی میں نے ان کے سامنے خلود فی النار کی آیات ذکر کیں تو انھوں نے فرمایا: اے طلیق! جو آیات تم پڑھتے ہو ہم نے بھی پڑھی ہیں لیکن ان سے مراد مشرکین ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جہنم میں جانے کے بعد انھیں جہنم سے نکالا جائے گا۔ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے نہ سنی ہو تو یہ بہرے ہو جائیں۔[2]

ہر دور میں بدعتی فرقوں نے احادیثِ مبارکہ کو نظر انداز کر کے قرآن مجید کے عموم سے استدلال کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس رجحان کی تردید کی اور احادیث سے ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”إِنَّهٗ سَيَأْتِي نَاسٌ يُجَادِلُوْنَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْاٰنِ، فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ، فَإِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ“[3]

---

[1] صحيح مسلم (١٩١)، باب ادنى أهل الجنة منزلة فيها

[2] مسند أحمد (١٤٥٣٣)، الادب المفرد (٨١٨)، شرح مشكل الآثار (١٤ ٣٤٩) علامہ البانی رحمہ اللہ نے الادب المفرد کی تحقیق میں اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ نیز دیکھیں: الصحيحة (٣٠٥٥)

[3] سنن الدارمي (٤٧/١، رقم: ١٢١)، جامع لابن عبد البر (١٢٣/٢)، الفقيه والمتفقه (٢٣٤/١)، الشريعة للآجرى (رقم: ٩٣) وغيره

”بے شک عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو تمھارے ساتھ قرآن پاک کی متشابہ آیات پر بحث کریں گے، تم سنن کے ذریعے ان کا مواخذہ کرنا، کیونکہ سنن کو جاننے والے اللہ کی کتاب کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔“

بالکل یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جب وہ خارجیوں سے گفتگو کے لیے جانے لگے تھے، فرمائی تھی۔[1]

حضرت عمران اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی احادیث سے بھی اس معاملے کی وضاحت ہو جاتی ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب خوارج کے خلاف جہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرغنہ کی جو علامات بیان فرمائی تھیں۔ ان علامات کے مطابق جب انھوں نے اسے تلاش کیا تو انھوں نے اللہ اکبر کہتے ہوئے فرمایا:

”صدق الله وبلّغ رسوله“[2]

”اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول نے پہنچایا۔“

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ یہی سمجھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس سرغنہ کی علامات بیان فرمائی تھیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی تھیں اور آپ کے فرمودات دراصل اللہ تعالیٰ کے فرامین ہیں۔

حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایے، اس کے مدمقابل نے بھی کہا: اس نے سچ کہا اس کے

---

1. ابن سعد، مفتاح الجنة (٢٧٠، ٢٧١)
2. أبو داود (٤٧٦٨)

بارے میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ میرا بیٹا اس کا ملازم تھا اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کی، مجھے علم ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کی سزا رجم ہے تو میں نے ایک سو بکری اور ایک باندی بطور فدیہ کے دی۔ پھر میں نے اس بارے میں اہلِ علم سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، أَمَّا الْغَنَمُ وَالْوَلِيْدَةُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ، فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَارْجُمْهَا''[1]

''اور اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمھارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، بکریاں اور باندی تو تجھے لوٹا دی جائے اور تمھارے بیٹے پر ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ رہے تم تو اے اُنیس! اس کی عورت کے پاس جاؤ اور اسے رجم کر دو۔''

یہاں ''کتاب اللہ'' کے مطابق فیصلہ کا مطالبہ ہے اور ''کتاب اللہ'' کے مطابق ہی رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کرنے کا فرمایا۔ مگر ظاہر ہے کہ ''کتاب اللہ'' میں جلاوطنی کا اور رجم کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں ''کتاب اللہ'' سے مراد رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے جو بذریعہ وحی آپ نے فرمایا اور اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کا ہی فیصلہ قرار دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

ابو البختری سعید بن فیروز طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیع سَلَم کے بارے میں دریافت کیا اور عرض کی: کہ ہم بہت سی ایسی چیزیں ترک کر

[1] صحيح البخاري (٦٨٢٧، ٦٨٣٥، ٦٨٣٦) وغيره

دیتے ہیں جن کی حرمت ہم کتاب اللہ میں نہیں پاتے، تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"انا نفعل ذلك، نهى رسول الله ﷺ عن بيع النخل حتى يؤكل منه"[1]

ہم ایسا کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا پھل جب تک کھانے کے قابل نہ ہو، فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی کھجور کے کچے پھل کو فروخت کرنے کی ممانعت قرآن پاک میں نہیں ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور آپ کی ممانعت کا وہی حکم ہے جو قرآن پاک کی ممانعت کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ان الله سمى الحرب خدعة على لسان نبيه ﷺ"[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرب کو خدعہ کا نام دیا ہے۔"

"الحرب خدعة" کے لفظ سے حدیث دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے صادر فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

امیہ بن عبداللہ بن خالد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن مجید میں صلاۃِ خوف اور صلاۃِ حضر کا ذکر ہے۔ صلاۃِ مسافر کا کوئی ذکر نہیں۔ انھوں نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا، فَإِنَّمَا نَفْعَلُ

---

[1] شرح معاني الآثار (٤ ٢٥) باب بيع الثمار

[2] أبو يعلى (٤٩٤)، طيالسي (١٦٧)، أبو عوانه وغيره

كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا ﷺ يَفْعَلُ"[1]

"اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ بے شک ہم اسی طرح کرتے ہیں جیسے ہم نے محمد ﷺ کو کرتے دیکھا۔"

گویا قرآن پاک میں اگرچہ صلاۃِ سفر کا کوئی حکم نہیں، مگر ہم رسول اللہ ﷺ کے متبع ہیں آپ نے جس طرح عمل کیا ہم اسی طرح اس کی پیروی کے مکلّف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تو صلاۃ مسافر کے بارے میں فرمایا ہے:

"افْتَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً"[2]

"اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبان پر حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتوں اور خوف میں ایک رکعت کو فرض قرار دیا ہے۔"

جس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور معمولات کو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی حکم سمجھتے اور اس کی پابندی کرتے تھے۔ اسی بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یعلی بن امیہ نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حالت خوف میں تو نماز قصر کرنے کی اجازت دی ہے۔[النساء: ۱۰۱] مگر لوگ حالتِ امن میں بھی سفر میں بھی قصر کرتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بھی یہی تعجب ہوا تھا اور میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((هُوَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ))[3]

---

[1] ابن ماجه (١٠٦٦)، سنن النسائي (١٤٣٥)، مالك، أحمد، ابن خزيمه وغيره.

[2] صحيح مسلم (٦٨٧) وغيره

[3] صحيح مسلم (٦٨٦)، ابن خزيمه (٢ ٧١)، أحمد، نسائي، أبو داود، سنن الترمذي وغيره

''یہ تمھارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے، اللہ کے صدقہ کو قبول کرو۔''

امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں تو حالتِ خوف میں نمازِ قصر کا ذکر ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ سفر میں بھی قصر کی اجازت دی ہے اور اس اجازت کا اظہار اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کیا ہے

علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں وقوفِ عرفہ جمعہ کے روز کیا تھا۔ جمعہ پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھائی۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

''ثم أذن ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر لم يصل بينهما شيئا''

پھر اذان دی گئی، پھر اقامت کہی گئی تو نماز ظہر پڑھی پر اقامت کہی گئی تو عصر کی نماز پڑھی دونوں نمازوں کے مابین کچھ نہیں پڑھا۔ اسی پر آج بھی امت کا عمل ہے۔ آخر یہ جمعہ کی نماز کس حکم کی بنا پر چھوڑی گئی؟

اسی طرح عیدین کی نماز کا مسئلہ ہے قرآن مجید میں تو اس کا حکم نہیں۔ یہ کس حکم کی بنا پر پڑھی جاتی ہے، منکرینِ حدیث ''اضاحی'' کا انکار کرتے ہیں تو عیدالاضحیٰ کا اقرار کیوں؟ بلکہ ایامِ ضحیٰ میں جمعہ کا دن آئے تو کیا حجاج پڑھیں گے؟ ہرگز نہیں جیسا کہ القری لقاصد ام القری (ص: ۵۳۴) وغیرہ کتب میں ہے۔ یہ جمعہ کا تبرک کس بنا پر ہے یہ اور اسی نوعیت کے مسائل اس کی بین دلیل ہیں کہ یہ اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہیں۔

---

[1] صحيح مسلم (١٢١٨) باب حجة النبي ﷺ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی کثرتِ روایات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَايْمُ اللّٰهِ لَوْلَا أيَتَان فِي كِتَابِ اللّٰهِ، مَا حَدَّثْتُكُم بِشَيْئٍ أَبَدًا، ثُمَّ تَلَا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى﴾ الآية البقرة: ١٥٩]“[1]

”اور اللہ کی قسم اگر اللہ کی کتاب میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں کبھی بھی کوئی حدیث بیان نہ کرتا پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وہ لوگ جو چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے نازل کیا کھلی نشانیاں اور ہدایت کی باتیں کتاب میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کی گئی آیات بینات اور ہدایت کی باتوں کو چھپانے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ غور فرمایئے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احادیثِ مبارکہ چھپانے والوں کو بھی اسی آیت کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اور انھیں منزل من اللہ ہدایت میں شمار کرتے ہیں۔[2]

---

[1] صحيح البخاري (١١٨)، مسند أحمد (٧٧٠٥)، صحيح مسلم (٢٤٩٢) وغيره

[2] یاد رہے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث کتاب العلم، باب حفظ العلم میں ذکر کی ہے اور اس کی آخری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں:

”حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَاءَيْنِ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُوْمُ“ (صحيح البخاري: ١٢٠)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو برتنوں کی مقدار میں احادیث یاد کی ہیں ان میں سے ایک کی احادیث نشر کی ہیں اور اگر دوسرے کی نشر کرتا تو میرا گلا کاٹ دیا جاتا۔“

←

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں:

"وَاللّٰهِ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَوْلَا آيَةٌ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ"[1]

''اللہ کی قسم! میں تمھیں حدیث بیان کرتا ہوں اگر اللہ کی کتاب میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں حدیث بیان نہ کرتا۔''

آیت سے مراد یہی سورت بقرہ کی آیت [۱۵۹] ہے۔ اور وہ حدیث وضو اور اس کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت میں ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث کی تعلیم و تعلم اور اس کی اشاعت اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین سمجھ کر کرتے تھے حتی کہ جس کسی نے حدیث کو کسی مصلحت کی بنا پر چھپائے رکھا اپنے آخری ایام میں اسے بیان کر دیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ:

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں اپنے منہ سے کپڑا دور کر کے فرمایا:

"أحدثكم حديثا سمعته من رسول الله ﷺ، لم يمنعني ان احدثكموه إلا ان تتكلوا ـوفي رواية: سمعت رسول الله ﷺ شيئا كنت أكتمكموه، يقول: من شهد ان لا إله إلا الله

← امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کر کے اشارہ فرمایا ہے کہ جو احادیث انھوں نے بیان نہیں فرمائیں ان کا تعلق احکامِ شریعت سے نہیں، اگر ان کا تعلق احکام شریعت سے ہوتا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انھیں ضرور بیان فرماتے، جیسا کہ پہلی حدیث میں انھوں نے کتمانِ دین کی مذمت میں فرمایا ہے۔ بلکہ ان احادیث کا تعلق تغیرِ احوال اور آخری دور میں ملاحم وفتن سے ہے۔ (فتح الباري: ۱/۲۱۷)

[1] صحيح مسلم (۲۲۷) وغیرہ

مخلصاً من قلبه، لم يدخل النار ودخل الجنة“[1]

میں تمھیں ایک حدیث بیان کرتا جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مجھے اس کے تمھیں بیان کرنے سے اس لیے روکے رکھا کہ کہیں تم اسی پر توکل نہ کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی جسے میں تم سے چھپائے ہوئے تھا، آپ نے فرمایا: جو اخلاص قلب سے گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ آگ میں نہیں، بلکہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا اسے آگے دوسروں تک پہنچایا۔ کوئی حدیث انھوں نے نہیں چھپائی۔ بالکل اسی طرح جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز نہیں چھپائی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اسے من وعن امت تک پہنچا دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی ادھر روانہ فرمایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن پہنچے تو حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے کپڑا بچھایا اور کہا کہ تشریف رکھیں انھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی کو انھوں نے باندھ رکھا ہے، فرمایا: یہ کیا معاملہ ہے؟ انھیں بتلایا گیا کہ یہ یہودی تھا مسلمان ہوا، پھر یہودی بن گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ، قَضَاءُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَأَمَرَ بِهِ، فَقُتِلَ))[2]

”میں نہیں بیٹھوں گا تا آنکہ اسے قتل کر دیا جائے، اللہ کا اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے انھوں نے یہ بات تین بار کہی چنانچہ اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔“

---

[1] مسند أحمد (٢٢٠٣٤، ٢٢٠٦٠)، ابن حبان وغیرہ

[2] صحیح البخاري (٦٩٢٣)، صحیح مسلم.

یہاں مرتد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلۂ قتل کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ دو ماہ سے ہم اس کوشش میں ہیں کہ یہ دوبارہ مسلمان ہو جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک تم اسے قتل نہ کرو میں یہاں نہیں بیٹھوں گا:

”قضى الله ورسوله ان من رجع عن دينه فاقتلوه“[1]

”اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے کہ جو اپنے دین اسلام سے مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔“

یہ اور اسی موضوع کی دیگر بہت سی احادیث و روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو اللہ تعالیٰ کا ہی حکم سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ اور آپ ﷺ کے اوامر و نواہی کو اللہ تعالیٰ کے ہی اوامر و نواہی سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت المطلب بن حنطب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما تركت شيئا مما أمركم الله به إلا وقد أمرتكم به، ولا تركت شيئا مما نهاكم الله عنه إلا وقد نهيتكم عنه الخ))[2]

”جس چیز کا اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے میں تمھیں اس کا حکم دے چکا ہوں میں نے اس میں کچھ بھی نہیں چھوڑا اور جس سے اللہ نے تمھیں منع فرمایا ہے میں نے اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی میں نے تمھیں اس سے منع کر دیا ہے۔“

اس لیے آنحضرت ﷺ کے سب ارشادات من جانب اللہ ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

---

[1] مسند أحمد (٥/ ٢٣١)

[2] الرسالة للشافعي (٨٧، ٩٣)، الام (٧/ ٢٩٩)، بيهقي (٧/ ٧٦) وغیرہ۔ یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جیسا کہ شیخ بدر البدر نے مفتاح الجنة للسیوطی (ص: ٣٣) کی تحقیق میں ذکر کیا ہے، نیز دیکھیں: الصحيحة (٢٨٦٦)

نے آیت المداینہ میں فرمایا ہے:

﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ﴾ [البقرة: ٢٨٢]

''اور اپنے مردوں میں دو گواہوں کو گواہ بنا لو۔''

آنحضرت ﷺ نے ایک بدوی سے گھوڑا خریدا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آؤ میں تمھیں قیمت دیتا ہوں۔ آپ جلدی سے آگے آگے تھے اور وہ پیچھے، ادھر پیچھے سے کچھ لوگوں نے بدوی سے گھوڑا خریدنے کی بات کی وہ نہیں جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے تو یہ خرید لیا ہے، بدوی نے آنحضرت ﷺ کو آواز دی کہ آپ نے یہ خریدنا ہے تو ٹھیک ورنہ میں اسے فروخت کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو گئے اور اسے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ خرید نہیں لیا؟ تو وہ مُکر گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے تو نہیں فروخت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں میں نے اسے تم سے خرید لیا ہے۔ بدوی نے کہا: اس کا گواہ لاؤ تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ آنحضرت ﷺ کو فروخت کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیسے گواہی دیتے ہو؟ (تم تو وہاں تھے نہیں) تو انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ آپ کی تصدیق سے، تو آپ نے ان کی شہادت دو مردوں کے برابر قرار دی۔[1]

اس کے بعد ان کی گواہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو مردوں کے برابر ہی سمجھی چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے مصحف مبارک کو لکھا تو سورہ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی جبکہ میں نے وہ آیت رسول اللہ ﷺ سے سن رکھی تھی اور یہ صرف خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، جن کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا تو ہم نے اسے سورہ احزاب میں شامل کر لیا اور وہ آیت تھی:

---

[1] أبو داود (٣٦٠٧)، نسائي وغيره

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ [الأحزاب: ٢٣][1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ [النساء: ١٠٣]

''بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔''

پانچوں نمازوں کے مقررہ وقت کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے بیان فرما دی ہے اور پوری امت اس سے آگاہ ہے۔ البتہ سفر میں آپ ﷺ نے ظہر و عصر کو اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا۔ اسی طرح حج کے موقع پر عرفات میں عصر کو ظہر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر مزدلفہ میں پڑھا۔ جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جمع کی یہ رعایت اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی دو مردوں کے برابر شہادت، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وحی خفی کے ذریعے ہے۔

آنحضرت ﷺ کو آخری بیماری میں دوائی کھلائی گئی جب کہ آپ نے اس سے منع فرمایا تھا۔ انھوں نے یہی سمجھا کہ مریض دوائی کھانے میں کراہت سمجھتا ہی ہے کچھ افاقہ کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: گھر میں سب حاضرین کو میرے سامنے دوائی پلاؤ۔ چنانچہ سب کے منہ میں دوائی ڈالی گئی، حتی کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں، آپ کے اس حکم کی بنا پر ان کے ضد میں بھی دوائی ڈالی گئی۔[2] گویا آپ کے حکم کے بعد روزہ بھی دوائی کھانے سے مانع نہیں ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے بازار میں تشریف لے گئے تو بازار والوں

---

[1] صحيح البخاري (٢٨٠٧، ٤٩٨٨)

[2] فتح الباري (٨/ ١٤٨)

سے فرمایا: تم کس قدر عاجز ہو گئے ہو! انھوں نے کہا: کیسے اے ابوہریرہ! فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہوئے ہو تو کیوں نہیں جا کے اپنا حصہ لیتے؟ انھوں نے کہا: کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ فرمایا: مسجد میں، چنانچہ وہ جلدی سے گئے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے ان کی واپسی انتظار کرنے لگے، جب وہ واپس آئے تو انھوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! ہم مسجد میں گئے وہاں ہمیں کوئی چیز تقسیم ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے مسجد میں کسی کو نہیں دیکھا؟ انھوں نے کہا: ہاں دیکھا ہے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے کچھ وہ تھے جو حلال وحرام کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ویحکم! فذاك میراث محمد ﷺ"[1]

"تم پر افسوس ہو یہی تو محمد رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔"

اسد بن فرات فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عراق میں کچھ حضرات علم کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: یہ کون ہیں؟ تو انھیں بتلایا گیا:

"قوم یقتسمون میراث محمد ﷺ"[2]

"یہ حضرات محمد رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم کر رہے ہیں۔"

حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"إن الأنبیاء لم یُوَرِّثُوا دیناراً ولا درهما، إنما وَرَّثُوا العلم"[3]

---

1. الترغیب والترهیب (۱ ۱۰۳)، صحیح الترغیب (۱ ۱٤٤)، طبراني أوسط، علامہ المنذری اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔
2. جامع بیان العلم (۲ ۹۷۲)، ط دار ابن الجوزی
3. مسند أحمد، أبو داود، سنن الترمذي، ابن حبان وغیرهم. المقاصد الحسنة (۳ ۵۸۲، رقم: ۷۱۲)

''بے شک انبیائے کرام علیہم السلام درہم و دینار کے وارث نہیں بنائے جاتے وہ علم کے وارث بنائے جاتے ہیں۔''

اسی حقیقت کا اظہار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے کیا ہے اور حدیث: ((العلماء ورثة الأنبياء)) علماء انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، اسی حدیث ابو الدرداء رحمہ اللہ کا حصہ ہے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام ابن حبان، حاکم رحمہما اللہ وغیرہ نے اسے صحیح اور حمزہ کنانی نے حسن کہا ہے۔ ان کے علاوہ علماء نے اسے اضطراب کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، لیکن اس کے شواہد ہیں جن سے اسے تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیخ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے متعدد طرق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل ہے۔ اسی حدیث کی شرح میں علامہ ابن رجب نے ایک مستقل رسالہ ''شرح حدیث ابی الدرداء'' کے نام سے لکھا ہے جو ان کے مجموعہ رسائل کی جلد اول کی ابتدا میں شائع ہوا ہے۔[1]

یہ اور اسی نوعیت کے دیگر متعدد واقعات و روایات اس بات کی بین دلیل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کی روایت دین سمجھ کر اور اسے حکم ربانی جان کر اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

قابلِ غور یہ نقطہ ہے کہ کیا ان کا یہ طریقہ کسی نص پر مبنی تھا یا اجتہادی تھا؟ مذکورۃ الصدر واقعات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث کی پیروی کا یہ طریقہ عمل نصوص پر مبنی تھا بالفرض اگر اسے اجتہادی تسلیم کیا جائے تو کیا ان کی یہ اجتہادی غلطی تھی؟ کیا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہادی غلطی پر متفق ہو سکتے ہیں؟ کیا انھیں کسی نے بھی

---

[1] المقاصد، فتح الباري (١ ١٦٠)، صحيح الترغيب للشيخ الالباني وحسنه (رقم: ٧٠) وكذا قال الشيخ الارناؤوط في تحقيق المسند (٣٦ ٤٦) حسن لغيره وتحقيق المقاصد للشيخ احسان الله البدخشي وحسنه بل صححه الشيخ ابو الاشبال الزهيري في تحقيق جامع بيان العلم (١ ١٦٠، ١٦٣)

نہیں روکا ٹوکا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو اور کس کام میں سر کھپا رہے ہو۔ یہ تو قرآن کے خلاف ایک سازش ہے۔ اگر یہ نعوذ باللہ سازش تھی تو ان میں مومن و مسلمان کون تھے؟ صحابہ کرام بلکہ تابعین کرام اور تمام سلف اگر احادیث کو محفوظ کرنے، انھیں بیان کرنے میں قرآن کے خلاف سازش کا شکار تھے تو قرآن کا خدمت گزار کون تھا؟ سوال یہ ہے جو دین صدیوں مخالفین کے پاس رہا اس پر اعتماد کیسا؟ یوں یہ فکر حدیث کے ہی خلاف نہیں، دراصل سارے دین کے خلاف ہے۔

احترامِ حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں احادیثِ مبارکہ کا کیا مقام و مرتبہ تھا اور اس پر عمل کو وہ کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس بارے میں چند روایات و حکایات کو پڑھ لینے کے بعد اب یہ بھی دیکھ لیجیے کہ ان کے اور دیگر ائمہ سلف کے نزدیک حدیث پاک کے احترام کا کیا عالم تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا وہ کنکری کو شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان رکھ کر پھینک رہا تھا تو انھوں نے فرمایا:

"لَا تَخْذِفْ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ، وَقَالَ: إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَا يُنْكَى بِهِ عَدُوٌّ، وَلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ، وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ." [1]

"یوں کنکریاں نہ پھینکو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے نہ شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کیا جا سکتا ہے، البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا ہے اور آنکھ پھوڑی جا سکتی ہے۔"

لیکن یہ حدیث شریف بتلا دینے کے بعد پھر اسے دیکھا کہ وہ "خذف" کر رہا ہے اور اسی طرح کنکریاں پھینک رہا ہے تو انھوں نے فرمایا:

"أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ، وَأَنْتَ

---

[1] صحيح البخاري (٥٤٧٩)

تَخْذِفُ؟ لَا أُكَلِّمُكَ كَذَا وَكَذَا"[1]

"میں نے تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے یوں کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا ہے اور تم پھر کنکریاں پھینک رہے ہو، میں تم سے کلام نہیں کروں گا۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔

اسی طرح حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الحياء خير كله)) "حیا میں سب خیر ہی خیر ہے۔"

بشیر بن کعب رحمہ اللہ نے کہا: ہم نے بعض کتابوں میں اور حکمت کی باتوں میں پایا ہے کہ بعض حیا سکینت اور وقار کا اور بعض ضعف کا باعث ہے۔ یہ سن کے حضرت عمران رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے، حتی کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا: میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اس سے مخالفت کرتے ہو، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بتلاتا ہوں اور تم مجھے اپنے صحیفوں کی بات بتلاتے ہو۔[2]

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کا یہ غصہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے معارضہ میں کسی صحیفہ یا کتابِ حکمت کو پیش کرنے کی بنا پر تھا۔ بشیر بن کعب رحمہ اللہ اگرچہ ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں، لیکن ان کی مرسل روایات پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار کیا تھا۔[3]

ہشام بن حجیر فرماتے ہیں کہ امام طاؤس رحمہ اللہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں اس سے روکا تو طاؤس رحمہ اللہ نے کہا: میں تو انھیں نہیں چھوڑوں گا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی ﷺ نے عصر

---

[1] صحيح البخاري (٥٤٧٩)، صحيح مسلم وغيرهما.

[2] صحيح البخاري (٦١١٧)، صحيح مسلم (٣٧)، مسند أحمد (٤/ ٤٤٠) وغيره

[3] مقدمه صحيح مسلم (٢١)، والدارمي (رقم: ٤٣٢)، تهذيب (٢/ ٣١٨)

کے بعد نماز پڑھنے سے روکا ہے، میں نہیں جانتا کہ ان دو رکعتوں پر تمھیں اجر ملے گا یا تمھیں عذاب دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب کسی معاملے کا اللہ اور اس کے رسول فیصلہ کریں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تمنعوا النساء من الخروج إلى المساجد بالليل))[2]

''عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو۔''

مگر ان کے بیٹے بلال رضی اللہ عنہ نے ایک اور روایت میں ان کا نام واقد ہے، کہا: اللہ کی قسم! ہم انھیں فسادیوں کے لیے نہیں چھوڑیں گے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے سینے پر مارا اور بہت برا بھلا کہا اور فرمایا:

''أخبرك عن رسول الله ﷺ وتقول: والله لنمنعن''[3]

''میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتلاتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ اللہ کی قسم! ہم انھیں منع کریں گے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کا اپنے بیٹے کی تردید محض رائے اور خواہش کی بنا پر حدیث کو رد کرنے کی بنا پر تھی۔[4]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حج پر کنکریاں مارنے کے بعد اور طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانے سے منع فرمایا، سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اس کے

---

[1] السنن للبيهقي (٢/ ٤٥٣)، الحاكم (١/ ١١٠) وصححه، الدارمي (١/ ٩٥، رقم: ٤٤٠)، جامع لابن عبد البر (٢/ ١٨٩) وغيرهم

[2] صحيح مسلم (٤٤٢)

[3] صحيح مسلم (٤٤٢)، بخاري وغيره.

[4] فتح الباري (٢/ ٣٤٩)

بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: طواف زیارہ سے پہلے میں نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی ہے تو حضرت سالم رحمہ اللہ نے کہا:

"سنة رسول الله ﷺ أحق أن تتبع"[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زیادہ لائق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً حجِ تمتع سے منع فرمایا تاکہ لوگ دوسرے مہینوں میں بھی بیت اللہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہیں مگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجِ تمتع کرتے، لوگوں نے کہا: آپ اپنے والد کی نافرمانی کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

"أفرسول الله ﷺ أحق أن تتبعوا سنتهٗ أو عمر رضي الله عنه"[2]

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زیادہ لائق ہے کہ اس کی تم پیروی کرو یا عمر رضی اللہ عنہ کی؟"

"ترمذي مع التحفة" میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أمر أبي يتبع أم أمر رسول الله ﷺ"

"کیا میرے باپ کا حکم اتباع کے لائق ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، تو سائل نے کہا: بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم۔"[3]

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حجِ تمتع سے منع کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حجِ تمتع کی نیت سے احرام باندھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس سے روکتا ہوں، مگر آپ تمتع کر رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: "ما كنت لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد"[4]

---

[1] مسند الحميدي (٢١٢)، ابن خزيمة (٤ ٣٠٣)، البيهقي (٥ ١٣٥، ١٣٦) وغيره

[2] بيهقي (٥ ٢١)

[3] ترمذي مع التحفة (٢ ٨٢)، شرح معانى الآثار (٢ ١٤٢)

[4] صحيح البخاري (١٥٦٣، ١٥٦٨)، بيهقي (٥ ٢٢)، شرح معاني الآثار (٢ ١٤٩) سنن النسائي وغيره، فتح الباري (٣ ٤٢٥)

''میں کسی کے قول کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔''

امام شافعی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ کے گھروں کی خرید وفروخت جائز سمجھتے تھے۔ یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔ امام صاحب مکہ مکرمہ میں تھے، وہاں ان کے ہمراہ امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ بھی تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان فرمائی:

''هل ترك لنا عقيل من دار''

''کیا ہمارے لیے عقیل نے کوئی گھر چھوڑا ہے۔''

یعنی سب فروخت کر دیے ہیں۔ امام اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا: حسن، ابراہیم، عطا طاؤس رحمہم اللہ تو اس کی اجازت نہیں دیتے۔ امام شافعی نے فرمایا: تم وہ ہو جس کے بارے میں اہلِ خراسان کہتے ہیں کہ وہ فقیہ ہیں اگر تمھاری بجائے کوئی اور ہوتا تو میں حکم دیتا کہ اس کے کان ملو، میں کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ عطا، طاؤس، ابراہیم اور حسن رحمہم اللہ یوں کہتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور حجت ہے؟[1]

امام سعد بن ابراہیم قاضی المدینہ المنورہ نے ایک فیصلہ امام ربیعہ کے فتوے کے مطابق کر دیا تو امام ابن ابی ذئب رحمہ اللہ نے انھیں بتلایا کہ تمھارا یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام سعد رحمہ اللہ نے امام ربیعہ سے کہا: ابن ابی ذئب میرے نزدیک ثقہ ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اس کے خلاف بتلاتے ہیں۔ امام ربیعہ رحمہ اللہ نے کہا: میں نے اجتہاد کیا تھا اس کے مطابق تمھارا فیصلہ ہو چکا۔ تو امام سعد بن ابراہیم نے فرمایا: تعجب ہے کہ سعد کا فیصلہ تو نافذ ہو اور جو فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسے میں رد کر دوں؟ بلکہ میں سعد کا فیصلہ رد کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نافذ کرتا ہوں، پھر انھوں نے اپنا پہلا فیصلہ منگوایا اور اسے پھاڑ دیا۔[2]

---

[1] السير (١٠/ ٦٨، ٦٩)، مناقب للبيهقي (١/ ٢١٤، ٢١٥)، معجم الادباء (١٧/ ٢٩٥) وغيره

[2] السير (٥/ ٤٢٠)، تاريخ دمشق (٢٠/ ٢١٥)

امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ بیمار تھے اور لیٹے ہوئے تھے کسی نے ان سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا تو وہ اٹھ کے بیٹھ گئے، پھر حدیث بیان فرمائی اور فرمایا: میں ناپسند کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لیٹے ہوئے بیان کروں۔[1]

امام حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔'' [الحجرات: ۲]

میرا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا احترام آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھی جائے تو اسی طرح خاموشی اختیار کی جائے جیسے قرآن مجید کے لیے خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔[2]

امام حماد کی مجلس میں اگر کوئی اونچی آواز سے بولتا تو اسی آیت کے تناظر میں حدیث بیان کرنے سے رک جاتے۔[3]

امام حماد بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم امام ایوب رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھے تھے تو انھوں نے شور سنا اور فرمایا: یہ شور کیسا ہے؟ کیا تمھیں یہ بات نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے پاس اونچی آواز ایسے ہی ہے جیسے آپ کے پاس اونچی آواز ہے۔[4]

امام حماد رحمہ اللہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''حرمة أحاديث رسول الله ﷺ كحرمة كتاب الله تعالىٰ''[5]

''رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا احترام اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا احترام ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ ان کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے

[1] التاريخ للفسوى (١/ ٤٧٠)، المدخل للبيهقي (٢/ ٨١٨)، جامع للخطيب وغيره

[2] الجامع للخطيب (١/ ١٩٦)، ذم الكلام (٩٦٣)

[3] المدخل للبيهقي (٢/ ٨٠٣)

[4] الجامع للخطيب (١/ ١٩٥)

[5] المدخل للبيهقي (٢/ ٨١٧)

احادیث کا حق پہچانا جائے اس کی حرمت کی تعظیم کی جائے اور اس کی اتباع کو فرض سمجھا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ [المائدة: ٩٢]

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔''

اور فرمایا:

''جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' [النساء: ٨٠]

حضرت امام مالک رحمہ اللہ جب حدیث بیان فرماتے تو وضو کرتے، اپنی مسند پر بیٹھتے، ڈاڑھی درست کرتے اور پورے وقار اور رعب کے ساتھ بیٹھتے اور فرماتے: میں پسند کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کروں اور بغیر وضو کے حدیث بیان نہ کروں۔ وہ راستہ میں یا کھڑے کھڑے جلدی میں حدیث بیان کرنے کو ناپسند فرماتے۔[1]

امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں: میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے ایک حدیث پوچھی، وہ کھڑے تھے انھوں نے حدیث بیان کرنے سے انکار کر دیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب مجھے مخاطب ہو کے فرمایا: تم نے حدیث کا پوچھا تھا میں نے مکروہ جانا کہ کھڑے ہوئے حدیث بیان کرو۔[2]

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے: لوگ جب امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں حاضر ہوتے تو ان کی لونڈی ان سے پوچھتی تم حدیث کے سماع کے لیے آئے ہو یا مسائل دریافت کرنے کے لیے؟ اگر وہ کہتے کہ ہم مسائل پوچھنے کے لیے آئے ہیں تو باہر تشریف لے آتے اور وہ اگر وہ کہتے کہ حدیث کے سماع کے لیے حاضر ہوئے ہیں تو فرماتے: بیٹھو! پھر غسل کرتے، خوشبو لگاتے، اچھا لباس پہنتے، پگڑی باندھتے اور اس پر

---

[1] المدخل (٢ ٨١٧)

[2] ذم الكلام (٨٨١)، الجامع للخطيب

کپڑا رکھتے، پھر باہر تشریف لے جاتے اور مجلسِ سماع منعقد ہوتی۔ [1]

اسی حوالے سے مزید ترتیب المدارک ملاحظہ فرمائیں۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھا اور وہ ہمیں حدیث بیان فرما رہے تھے اسی دوران میں بچھو نے انھیں ۱۶ مرتبہ ڈسا۔ امام مالک رحمہ اللہ کا رنگ متغیر ہو گیا مگر وہ صبر سے حدیث بیان فرماتے رہے، جب مجلس برخاست ہوئی لوگ چلے گئے تو میں نے عرض کی: اے ابو عبداللہ! میں نے عجب معاملہ دیکھا ہے، انھوں نے فرمایا:

"نعم أنا صبرت إجلالا لحديث رسول الله ﷺ" [2]

"ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم میں صبر کیا ہے۔"

امام مالک رحمہ اللہ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے چلتے چلتے کسی حدیث کے بارے میں سوال کرتا تو وہ فرماتے:

"ليس هذا من توقير العلم" "یہ علم کے وقار کے منافی ہے۔"

امام سلیمان الاعمش رحمہ اللہ اگر بے وضو ہوتے اور کوئی ان سے حدیث پوچھتا تو وہ تیمّم کر کے حدیث بیان کرتے۔ [3]

ان چند واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے اسلاف کے ہاں حدیث کی کیا اہمیت تھی۔ [4]

---

[1] ترتيب المدارك (١ ١٥٤)

[2] المدخل (٢ ٨١٩)، ترتيب المدارك (٥٥) [3] المدخل

[4] اسی حوالے سے مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سنن الدارمي (١ ٩٦۔ ٩٨)، قواعد التحديث (ص: ٣٠٣) اور جامع لابن عبد البر ج ٢.

رسول اللہ ﷺ اور آپ کی احادیث کے استہزا کا انجام

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا یا دین کا استہزا کرنے والوں کو کافر اور جہنمی قرار دیا ہے:

﴿ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴾

[الكهف: ١٠٦]

''یہ ان کی جزا جہنم ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو مذاق بنایا۔''

اسی طرح منافقوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿65﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ [التوبة: ٦٥، ٦٦]

''اور بلاشبہ اگر تم ان سے پوچھو تو ضرور ہی کہیں گے ہم تو صرف شغل کی بات کر رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے کہہ دیں کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے بہانے مت بناؤ بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔''

کفار کا انبیائے کرام اور دین سے استہزا کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق ہی موجب کفر نہیں، بلکہ ایک آیت کا مذاق اور دین اسلام کے ایک حکم کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ

سے نقل کیا ہے جو شخص رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہہ کر عیب جوئی کرے کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک میلی کچیلی تھی اسے قتل کیا جائے گا۔[1]

علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خبرِ واحد کا انکار استخفافاً واستحقاراً کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔[2]

تاریخ کی معروف بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے لیے بادشاہوں اور سرداروں کے نام خطوط لکھے۔ قیصرِ روم نے خط کی تکریم کی تو اس کی بادشاہت قائم رہی، جبکہ کسریٰ نے مکتوب مبارک کی توہین کی اسے پھاڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت پارہ پارہ کر دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک نصرانی مسلمان ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اسے کاتب بنا لیا، پھر وہ مرتد ہو کے نصرانی بن گیا۔ تب وہ کہنے لگا: (معاذ اللہ) محمد (ﷺ) اسی قدر جانتے ہیں جو میں انھیں لکھ دیتا تھا، وہ مر گیا، اسے دفن کیا گیا مگر زمین نے اسے قبول نہ کیا، قبر سے باہر پھینک دیا تو لوگوں نے کہا: یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی کارروائی ہے انھوں نے قبر کو گہرا کھودا اور اسے پھر دفن کر دیا، لیکن دوسرے روز انھوں نے دیکھا کہ قبر نے اسے باہر پھینک دیا ہے۔ عیسائیوں نے کہا: یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی کاروائی ہے، تیسری بار انھوں نے قبر کو حسبِ استطاعت اور گہرا کھودا مگر اگلے روز پھر قبر نے اسے باہر پھینک دیا۔ تب انھوں نے سمجھا کہ یہ کسی انسان کی کارروائی نہیں تو انھوں نے اسے اسی طرح رہنے دیا۔"[3]

---

[1] الشفا (٢/ ١٩١)، الصارم المسلول (٣/ ٩٧٩)

[2] شرح فقه الاكبر (ص: ١٦٦)

[3] صحيح البخاري (٣٦١٧)، صحيح مسلم (٧٠٤٠)

ابو لہب بھی مستہزئین میں سے تھا اس کا اور اس کی بیوی کا جو عبرت ناک انجام ہوا۔ قرآن مجید میں اختصاراً اس کا ذکر ہے اور تفاسیر و تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أما يخشى أحدكم ـأو لا يخشى ـ أحدُكم إذا رفعَ رأسَه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه رأس الحمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار))[1]

''کیا تم میں سے کوئی نہیں ڈرتا یا یہ فرمایا تم میں سے کوئی نہیں ڈرتا جب وہ امام سے پہلے سر اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا بنا دے یا اس کی صورت گدھے کی سی بنا دے۔''

علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ ابن حجر المکی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ بعض محدثین میں سے ایک صاحب نے ایک محدث نے سماع حدیث کے لیے دمشق کی طرف سفر کیا۔ اس سے احادیث کا سماع کیا وہ اپنے اور تلامذہ کے مابین پردہ کیے رکھتا، وہ دیر تک ان سے سماع کرتا رہا۔ اس کا شوق دیکھ کر ایک روز اس نے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا منہ گدھے جیسا ہے تو اس نے اپنے تلمیذ سے کہا: بیٹا! نماز میں امام سے سبقت لے جانے کی جسارت نہ کرنا، میں نے جب امام سے سبقت لے جانے کی حدیث پڑھی میں نے اس کے واقع ہونے کو ناممکن سمجھا تو میرا چہرہ یوں ہو گیا جیسے تم دیکھ رہے ہو۔[2]

اگر اس حدیث کی مخالفت میں اس کا وقوع نہیں ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم

---

[1] صحيح البخاري (٦٩١)، صحيح مسلم

[2] مرقاة (٣ ٩٨)، فتح الملهم (٢ ٦٤)

ہے کتنے بد اعمال ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و شفقت کی بنا پر ان پر مواخذہ نہیں فرماتے حدیث میں یہ تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اسے یوں کر دیں گے بلکہ یہ ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے یا یوں ہوسکتا ہے۔

امام ابو محمد عبدالرحمٰن الانصاری ابن ابی شریح رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا میری بیوی نے چھٹے ماہ بچہ جنا ہے تو انھوں نے فرمایا: وہ تمھارا بیٹا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''الولد للفراش'' ''بچہ اس کا جس کا بستر ہے۔'' اس نے دوسری بار سوال دہرایا تو انھوں نے یہی جواب دیا مگر وہ شخص بولا کہ میں نہیں مانتا۔ تو امام ابن ابی شریح نے تلوار نکالی، راوی کا بیان ہے کہ ہم اس پر جھک گئے اور ہم نے کہا: یہ جاہل ہے اسے معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے۔[1] یہ انھوں نے سنت کی غیرت وحمیت میں اقدام کیا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا: میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا اور یہ اس نے تکبر سے کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا استطعت'' تو اس کی استطاعت نہ رکھے۔ تو پھر وہ دائیں ہاتھ کو منہ کی طرف نہ اٹھا سکا۔[2]

حضرت صفوان بن عسال المرادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے گھر سے علم کو حاصل کرنے کے لیے نکلا فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔[3]

---

[1] ذم الکلام (۱۲۸۳)، السیر (۱٦ ۵۲۷) [2] صحیح مسلم (۲۰۲۱)

[3] یہ روایت مسند الحمیدی (رقم ۸۸۱)، مسند احمد (٤ ۲٤۰)، ترمذی (۳۵۳۵) ابن حبان الحاکم دارمی وغیرہ میں حسن صحیح سند سے مروی ہے اور اسے دیگر صحابہ نے بھی روایت کیا ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بسند صحیح امام ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ کی ایک گلی میں بعض محدثین کی خدمت میں جا رہے تھے، کہ ہم جلدی جلدی چل رہے تھے۔ ہمارے ہمراہ ایک بے حیا مسخرہ اور بے دین شخص بھی تھا۔ وہ مذاق کرتے ہوئے کہنے لگا: اپنے پاؤں فرشتوں کے پروں سے اٹھاؤ، انھیں مت توڑو۔ وہ اپنی جگہ پر تھا کہ اس کے پاؤں خشک ہو گئے چل نہ سکا اور گر پڑا۔[1]

اس واقعے کو حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک اور روایت میں ہے: ایک ملحد معتزلی نے کہا کہ میں فرشتوں کے پر توڑ دوں گا۔ اس نے جوتا بنوایا، اس کے نیچے بہت سے کیل لگوائے، یوں وہ ایک علمی مجلس میں گیا تو اس کے پاؤں خشک ہو گئے اور اس میں اکلۃ بیماری لگ گئی جو عضو کو کاٹ کھاتی ہے۔[2]

یہ جو حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے دوسرے واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے اسے احمد بن مروان المالکی نے المجالسہ میں ذکر کیا ہے۔[3] علاوہ ازیں یہ بستان العارفین اور الطیوریات[4] میں بھی ہے اور ان دونوں واقعات کو حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مفتاح دار السعادۃ[5] میں، علامہ المناوی نے فیض القدیر میں بھی ذکر کیا ہے علامہ المناوی نے ذکر کیا ہے کہ حافظ عبدالقادر الرہاوی (المتوفی ۶۱۲ھ) نے فرمایا ہے، اس واقعے کی سند ایسی پختہ ہے جیسے دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑی جائے یا جیسے آنکھوں سے دیکھا ہو، کیونکہ اس کے راوی سب اعلام اور امام ہیں۔ نیز یہ واقعہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل

---

[1] الرحلة في طلب الحديث (ص ٨٥-٨٦، رقم: ٨)، بستان العارفين للندوى (ص: ١١٢)، الفتاوىٰ لشيخ الاسلام (٤ ٥٣٩)، ذم الكلام (رقم: ١٢٢٩) وغيره.

[2] شرح حديث أبي الدرداء، مجموع رسائل ابن رجب (١ ٢٦)

[3] المجالسة (٢١٥٤) [4] الطيوريات (١٩٨)

[5] مفتاح دار السعادة (١ ١٧٢، ١٧٣) ط: دار عالم الفوائد

بن محمد التیمی نے شرح مسلم میں بھی ذکر کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں بلکہ سارا جسم شل ہو کے رہ گیا۔ [1]

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا وہ حج یا عمرہ پر جانا چاہتا تھا تو انھوں نے فرمایا: ٹھہرو! نماز پڑھ کے جانا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اذان کے بعد مسجد سے منافق جاتا ہے اِلا یہ کہ اسے کوئی ضرورت ہو اور مسجد میں واپسی کا ارادہ رکھتا ہو۔'' اس نے کہا: میرے ساتھی الحرا مقام پر جا چکے ہیں، میری سواری دروازے پر ہے۔ یوں وہ چلا گیا، سواری پر سوار ہو گیا۔ ابھی ایک میل ہی گیا تھا کہ سواری سے گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ امام سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان تھا کہ اسے کوئی مصیبت آ جائے گی۔ [2]

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ ہی سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے لوٹتے تو ''المعرس'' مقام پر ٹھہرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو بغیر اطلاع گھروں میں نہ جاؤ، مگر دو آدمی جنھوں نے یہ فرمان سنا تھا، وہ رات کو گئے تو دونوں نے اپنے گھروں میں اپنی اپنی بیوی کے ساتھ ایک آدمی کو گھر میں پایا۔ [3]

یہ مرفوع روایت بسند صحیح حضرت جابر عبداللہ بن رواحہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

ہاشم بن ولید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے بغداد میں کہا کہ میں کدو پسند نہیں کرتا۔ یہ بات خلیفہ تک پہنچی تو اس نے علماء سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ عیب ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگایا ہے، کیونکہ آپ کدو

---

[1] فيض القدير (٢ ٣٩٣)

[2] الدارمي (٤٥٢)، عبد الرزاق (١ ٥٠٨)

[3] الدارمي (٤٥٢)، مساوئ الأخلاق للخرائطي (ص: ٢٩١، رقم: ٨٤٦) بحواله القطوف الدانية (ص: ١١٩)

پسند فرماتے تھے تو خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور قتل کر دیا گیا۔ [1]

اس لیے کسی بھی صحیح حدیث کا استخفاف یا استہزا اور انکار کا انجام بہرحال خطرناک ہے، اگر دنیا میں کوئی اس کا بدلہ نہیں پاتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے عفو اور رحمت کا نتیجہ ہے۔

﴿ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴾ [الكهف: ٥٨]

''اور تیرا رب نہایت بخشنے والا خاص رحمت والا ہے، اگر وہ انھیں اس کی وجہ سے پکڑے جو انھوں نے کمایا ہے تو یقیناً ان کے لیے جلد عذاب بھیج دے بلکہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت ہے جس سے بچنے کی وہ ہرگز کوئی پناہ نہیں پائیں گے۔''

یہی بات سورۃ فاطر اور دیگر متعدد آیات میں فرمائی گئی ہے، ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴾ [الشورىٰ: ٣٠]

''اور جو بھی تمھیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

((وَمَا عطلوا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بأسهم بَيْنَهُمْ)) [2]

''اللہ کی کتاب کا کوئی حکم اور اس کے نبی کی کوئی سنت چھوڑی گئی اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا کر دے گا۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت سے خبردار کرتے

---

[1] ذم الكلام (١١٧٦)

[2] بيهقي، شعب الإيمان (٣٣١٥، ٣/ ١٩٧) صحيح الترغيب (٢١٨٧)، الحاكم وغيره.

ہوئے فرمایا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [النور: ٦٣]

''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے یا دردناک عذاب آ پہنچے۔''

جب رسول اللہ ﷺ کے ایک حکم کی مخالفت پر یہ وعید ہے تو جو اس کا استہزاء واستخفاف کرے اس کا انجام کیا ہوگا۔ أعاذنا اللہ منه

قرآن وحدیث کا معنوی تلازم اور بیان:

قرآن مجید میں عقائد عبادات معاملات اخبار وقصص و واقعات ہیں تو یہی موضوعات اکثر و بیشتر احادیثِ مبارکہ میں بھی ہیں اور دونوں کا باہمی تعلق اجمال وتفسیر یا اختصار وشرح و بیان کا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''إذا حدثتكم بحديث أتيناكم بتصديق ذلك في كتاب الله: ((إن العبد إذا قال سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله...)) الحديث، ثم تلا عبد الله: ﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ﴾ [فاطر: ١٠]''[1]

''جب میں تمھیں کوئی حدیث بیان کروں تو ہم اس کی تصدیق کتاب اللہ سے لے آئیں گے، چنانچہ حدیث میں ہے جب بندہ سبحان اللہ، والحمد لله، ولا إله إلا الله والله أكبر پڑھتا ہے تو فرشتہ اسے اپنے پروں کے نیچے رکھ کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہے پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔''

[1] الحاكم (٢/ ٤٢٥)، البيهقي في الشعب (٢/ ٢٥٨) وغيرهما.

﴿ اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصّٰلِحُ یَرۡفَعُهٗ ﴾ [فاطر: ١٠]

”اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے۔“

اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ المسعود ہیں، جو اگرچہ صدوق ہیں مگر مختلط ہیں۔ [1]

اور اسی اختلاط کی وجہ سے بعض نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن طبرانی کبیر [2] میں یہ امام ابونعیم رحمہ اللہ فضل بن دکین بھی المسعودی سے بیان کرتے ہیں اور ان کا سماع المسعودی سے اختلاط سے پہلے ہے۔ اسی طرح اس سے یہ جعفر بن عون بھی روایت کرتے ہیں۔ [3] اور جعفر کا سماع بھی المسعودی کے اختلاط سے پہلے ہے جیسا کہ علامہ العراقی نے کہا ہے۔ [4]

اس نوعیت کی متعدد امثلہ پائی جاتی ہیں، مثلاً:

① حجۃ الوداع کے خطبہ میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((اتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله)) [5]

”عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، بے شک تم نے انھیں اللہ کی امان سے لیا ہے۔“

یعنی وہ عہد جو ان کے حقوق کی رعایت کے بارے میں کیا ہے۔

یہ تفصیل ہے اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ [النساء: ١٩] ”اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔“

---

[1] تقریب

[2] طبراني كبير (٩ ٢٢٦)

[3] تفسير ابن جرير

[4] اختلاط الرواة الثقات (ص: ١١٣، ١١٤) للدكتور عبدالجبار سعيد۔ اس لیے یہ روایت حسن درجے سے کم نہیں ہے۔ نیز دیکھیے: حواشی المطالب العالیه (٢٧/١١٩، ١٢٠) ط دار العاصمة

[5] صحيح مسلم (١٢٢٨)

② آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«لَا يحِلّ مال امرء مسلم إِلَّا بطيب نَفس منه»[1]

''مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔''

یہی بات اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بایں الفاظ ارشاد فرمائی:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾ [البقرة: ١٨٨]

''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ۔''

③ قرآن مجید میں ہے کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو ﴿وَٱبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ﴾ [الجمعة: ١٠] ''زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل سے (حصہ) تلاش کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے مسجد سے نکلتے ہوئے جمعہ ہو یا دوسری نماز ہو فرمایا یہ دعا پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ»[2]

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا طلب گار ہوں۔''

④ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ﴾

[التوبة: ١٨]

''اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِد فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَان»[3]

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں آتا جاتا ہے تو تم اس کے ایمان کی شہادت دو۔''

---

[1] مسند أحمد (٢١٠٨٢) [2] صحيح مسلم (٧١٣)

[3] سنن الترمذي (٣٠٩٣) وغيره

⑤ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ [التوبة: ٣٦]

”بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے:

((إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ))[1] الحديث

”بے شک زمانہ اپنی اصل وضع پر پھر گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سال کے بارہ ماہ ہیں ان میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، المحرم اور رجب۔“

⑥ اللہ ذوالجلال والاکرام کا ارشاد ہے:

﴿ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴾ [هود: ١٠٢]

”اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري (٤٦٦٢)، صحيح مسلم

((إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يغلته))[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر جب اسے پکڑتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

⑦ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [النساء: ٥٩]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ)) الحديث[2]

''میں تمھیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور سمع و اطاعت کی اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔''

⑧ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾

[يونس: ١٠٧]

''اور اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کر لے تو کوئی اس کے

---

[1] صحيح البخاري (٤٦٨٦)

[2] سنن أبي داود (٤٦٠٧)، سنن الترمذي (٢٦٧٦)، مسند أحمد (٤ ١٢٦، ١٢٧)، الحاكم (١ ٩٥ـ ٩٧) وغيرهم.

فضل کو ہٹانے والا نہیں، وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ))[1]

"یہ بات خوب جان لے کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کے تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تجھے اس سے زیادہ نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نقصان پہنچائے تو وہ اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔"

اسی طرح جو دعا اپنے نواسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سکھلائی اس میں بھی ہیں:

"إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ"[2]

"بے شک تیرا ہی حکم چلتا ہے تو کسی کے حکم کا پابند نہیں، تو جس کا دوست ہے وہ رسوا نہیں ہوتا اور تیرے مخالف عزت نہیں پاتا۔"

⑨ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [الأنفال: ٤٥]

---

[1] سنن الترمذي (٢٥١٦)، مسند أحمد (١/ ٢٩٣) وغيرهما

[2] سنن أبي داود (١٤٢٥)، سنن الترمذي (٤٦٤) وغيرهما

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم کسی گروہ کے مقابل ہو تو جمے رہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ، لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُ فَاصْبِرُوا))[1]

''اے لوگو! دشمن کو ملنے کی تمنا نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، پھر جب ان سے ملو تو صبر کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴾ [الأعلىٰ: ١] آنحضرت ﷺ نے فرمایا سجدوں میں یوں پڑھو: ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ))

⑩ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴾ [الواقعة: ٧٤]

''سو تو اپنے بہت عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کر۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: رکوع میں اس کی تعمیل میں یوں پڑھو: ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ''[2] اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر نازل فرمائی۔ جس میں حکم فرمایا: ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾ [النصر: ٣] تو آپ ﷺ نے سجدہ و رکوع میں یہ پڑھنا شروع کر دیا: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي''[3]

⑪ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت کا یہ فرمان: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ)) الحدیث بیان فرماتے۔ پھر کہتے: اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو:

---

[1] صحیح البخاري (٢٩٦٦، ٢٩٣٣)، صحیح مسلم (١٧٤١، ١٧٤٢)

[2] سنن أبي داود (٨٦٩) وغیره

[3] صحیح البخاري (٧٩٤، ٨١٧)

﴿وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا﴾ [النساء: ۱۵۹] [1]

''اور اہلِ کتاب میں کوئی نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لائے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔''

گویا یہ حدیث اسی آیت کی تفصیل ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ‌ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ﴾ [الأنعام: ۱۵۳]

''اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔''

آنحضرت ﷺ نے زمین پر سیدھا خط کھینچا پھر فرمایا:

((هذا سبيل الله مستقيماً ثم خط خطوطاً عن يمينه وشماله وقال هذا سبل على كل سبيل منها شيطان يدعوا إليه))

پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو اوپر درج ہے۔ [2]

ہم انھی ایک درجن امثلہ پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس نوعیت کی اور بھی متعدد امثلہ موجود ہیں جو اس بات کی برہانِ بین ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے فرامین ایسے ہیں جو قرآن مجید ہی سے ماخوذ ہیں اور وہ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل ہیں۔ شیخ ابو الحکم عبدالسلام رحمہ اللہ بن عبدالرحمان الافریقی ثم الاشبیلی (المتوفی: ۶۲۷ھ) نے ''الارشاد'' نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے صحیح مسلم کی احادیث کا استخراج قرآن مجید سے ثابت کیا، بعض احادیث نصِ آیت سے، بعض قرآن مجید کے

---

[1] صحيح البخاري (٣٤٤٨)

[2] مسند أحمد (٤٤٣٧)، السنة للمروزي وغيره. تفسير ابن كثير (٢ ٢٥٥)

مفہوم اوراس کے ارشارات پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ امام ابن بشکوال رحمہ اللہ کی کتاب الصلة مع صلة الصلة[1] میں ہے۔ علامہ الزرکشی نے البحر المحیط[2] میں بھی ان کا یہ موقف ذکر کیا ہے۔ قریباً یہی رجحان علامہ شاطبی رحمہ اللہ ''الموافقات'' کی جلد چار ''الدلیل الثاني السنة'' کے تحت ظاہر کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا کہ سنت کے بارے میں ایک موقف یہ بھی ہے کہ ہر حدیث کا اصل قرآن مجید میں ہے۔[3]

تاہم جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاداً بھی حکم فرماتے تھے۔ جس کے بارے میں کوئی نص قرآن مجید میں نہیں ہوتی تھی۔ (الرسالة: ۳۰۱) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے: قرآن پاک کے ساتھ حدیث کی نوعیت تین اعتبار سے ہے:

① حدیث قرآن کے موافق ہو۔
② حدیث قرآن کا بیان اور تفسیر ہو۔
③ حدیث میں مستقلاً حکم ہو اور قرآن پاک میں اس کا ذکر نہ ہو۔[4]

اس کی مزید تفصیل سے قطع نظر ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کا تعلق بیان اور تفسیر وتبیین کا بھی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ [النحل: ٤٤]

''اور ہم نے تمھاری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دو۔''

اس کی کچھ امثلہ ہم ''صحابہ کرام اور احادیثِ مبارکہ'' کے تحت ذکر کر آئے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے عرض ہے کہ:

---

[1] الصلة مع صلة الصلة (٣/ ٢٠٧) [2] البحر المحيط (٤/ ١٦٦)

[3] الرسالہ (رقم: ٣٠٣، ٢٩٣)

[4] ملاحظہ ہو: اعلام الموقعين (٢/ ٢٨٨) نیز دیکھیں: ارشاد الفحول (ص: ٢٢٦) ط دار المعرفة

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾ [المائدة: ٣٨]

''چور مرد اور عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔''

خارجی مطلقاً اسی کے قائل ہیں کہ چوری کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرما دی:

((تُقْطَعُ الْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا)) [1]

''چور کا ہاتھ ربع دینار یا پھر اس سے زائد پر کاٹ دیا جائے۔''

نیز یہ فرمایا:

((تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِى رُبُعِ دِينَارٍ)) [2]

''ربع دینار پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔''

جو شخص دینار کا چوتھا حصہ اور اس سے زائد چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ یعنی چار ماشے چار رتی۔ یوں اس کا ربع دینار ایک ماشہ ایک رتی سونا ہو، جو تقریباً ۱۰ گرام کے مساوی ہے۔ سونے کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس وزن کی جو قیمت ہو، اس کے برابر یا اس سے زائد کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی بھوک کی وجہ پھل توڑ کے کھا لے تو اس پر بھی قطع ید نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لا قطع في ثمر)) [3] ''پھل میں قطع ید نہیں۔''

② قرآن مجید میں وضو کے ذکر میں: ﴿ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ [المائدة: ٦]

---

[1] صحيح البخاري (رقم: ٦٧٨٩)، صحيح مسلم، ارواء (٨ ٦٠)

[2] صحيح البخاري (٦٧٩٠)

[3] مسند أحمد (٣ ٤٦٣، ٤٦٤)، سنن أبي داود (٤٣٨٨) وغيره إرواء (٨ ٧٢) وغيره.

فرمایا گیا ہے کہ اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوو، جب کہ متواتر حدیث میں ہے: ''خفین'' موزوں پر مسح کا ذکر ہے۔ مگر خوارج اس کے بھی قائل نہیں ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾ [النساء: ١١]

''اللہ تعالیٰ تمھاری اولاد کے بارے میں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔''

یہ آیت تمام اولاد کو شامل ہے اور خوارج اسی کے قائل ہیں، جب کہ آنحضرت ﷺ کا بیان ہے:

((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ)) [1]

''مسلمان (اولاد) کافر (باپ) کی وارث نہیں ہے۔ اور کافر مسلمان کا وارث نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے اپنے باپ کی وراثت نہیں لی تھی، جب کہ عقیل اور طالب نے لی تھی۔ [2]

بلکہ آنحضرت ﷺ کی اولاد بھی آپ کے فرمان: ((لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ)) [3] کی بنا پر آپ کی وارث نہیں جس پر تمام اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ)) [4]

''قاتل کے لیے وارثت میں کچھ بھی نہیں۔''

---

[1] صحيح البخاري (٦٧٦٤) وغيره
[2] صحيح البخاري (١٥٨٨) وغيره
[3] صحيح البخاري (٦٧٣٦)
[4] البيهقي (٦ ٢٢٠)، دارقطني وغيره، إرواء (١٦٧٠، ١٦٧٢)

اس لیے جو اپنے مورث کا قاتل ہو اسے بھی وراثت سے کچھ نہیں ملے گا۔

وراثت ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ﴾ [النساء:۱۱]

"اگر اس کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے، یہ حصے اس وصیت کی تعمیل یا ادائے قرض کے بعد ہیں۔"

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اولاً وصیت کا حکم عام نہیں ورثاء کے حصص مقرر ہیں۔ اس لیے اس کے بارے میں وصیت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ))[1]

"بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیت نہیں۔"

دوسری بات کہ یہ وصیت یوں نہیں کہ سب مال کی یا اکثر کی کرے، بلکہ کل جائیداد میں سے صرف تیسرے حصے کی وصیت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرما دی ہے:

((اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ))[2] "تیسرا حصہ، تیسرا حصہ بہت ہے۔"

تیسری بات یہ بھی کہ آیت میں وراثت کی تقسیم سے پہلے وصیت یا قرض کی ادائیگی کا حکم ہے۔ ﴿ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ﴾ [النساء: ۱۱] یعنی پہلے وصیت پر عمل پھر قرض کی ادائیگی، اس کے بعد وراثت کی تقسیم، مگر رسول اللہ ﷺ

---

[1] سنن الترمذي (۲۱۲۰)، سنن أبي داود (۲۸۷۰)، ابن ماجه (۲۷۱۳)

[2] صحيح البخاري (۲۷۴۳، ۲٤٤٤) وغيره

نے وضاحت فرمائی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"قَضَى مُحَمَّدٌ ﷺ أَنَّ الدَّيْنَ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ، وَأَنْتُمْ تَقْرَءُوْنَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ"[1]

"محمد ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ قرض وصیت سے پہلے اور تم پڑھتے ہو کہ وصیت، قرض سے پہلے ہے۔"

④ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ [النور: ٢]

"زانیہ عورت ہو اور مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

یہ حکم بھی عام ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں بعض کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

((رفع القلم عن النائم حتى يستيقظ وعن المجنون حتى يبرأ وعن الصبي حتى يكبر))[2]

"تین قسم کے لوگ مرفوع القلم ہیں سویا ہوا تا آنکہ وہ جاگ جائے، مجنون، یہاں تک کہ وہ شفایاب ہو جائے بچہ تا آنکہ وہ بڑا ہو جائے۔"

اسی طرح جس سے زبردستی بدکاری کی جائے وہ بھی مستثنیٰ ہے، جیسا کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (الإرواء: ٨٢) نیز شادی شدہ مرد وعورت پر رجم ہے جس پر تمام صحابہ وسلف کا اتفاق ہے۔

---

[1] سنن الترمذي (٢٠٩٥)، مسند أحمد (١/ ٧٩)، أبو يعلى (٣٠٠) وغيره

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخيص (٣/٩٥) میں کہا ہے یہ حدیث اگرچہ الحارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر اجماع اسی پر ہے۔ البتہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ایک شاہد کی وجہ سے اسے حسن کہا ہے۔ (إرواء: ١٠٧/٦، ١٠٨)

[2] أبو داود (٤٣٩٨)، وغيره، إرواء (٢٩٧)، نصب الرايه (٤/١٦٤، ١٦٥)

⑤ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الأنعام: ۸۲]

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بڑی شاق گزری، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر کوئی ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں، کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا جو انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان: ۱۳][1]

''یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔''

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اشکال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دور کیا۔ یہی بیان ہے جس کی ذمے داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپی گئی تھی۔

⑥ اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ [البقرة: ۱۸۷] سے غلط فہمی ہوئی کہ انھوں نے فجر کے سفید دھاگے سے مراد دھاگا سمجھ لیا اور سرہانے کے ساتھ سفید اور سیاہ دھاگا رکھ لیا اور لگے انتظار کرنے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا: ''اس سے رات کی سیاہی سے صبح کی سفیدی نمودار ہو جانا مراد ہے۔''[2]

⑦ اسی آیت کی ابتدا میں ہے: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ [البقرة: ۱۸۷] ''تمھارے لیے روزے کی رات اپنی عورتوں سے صحبت کرنا حلال

---

[1] صحيح البخاري (٤٦٢٩)، صحيح مسلم [2] صحيح البخاري (١٩١٦)

کر دیا گیا ہے۔'' اب اس میں حلال کر دینے کا جو حکم ہے وہ بجائے خود بتلا رہا ہے کہ پہلے یہ حرام تھا، اب حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ حرام کا حکم کہاں ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ حدیث میں ہے کہ پہلے روزہ کھولنے سے لے کر صرف عشاء کی نماز تک کھانا پینا اور عورت سے صحبت جائز تھی اس کے بعد اگلے روز غروبِ افطار تک کھانا پینا وغیرہ حرام تھا، جسے حلال کر دیا گیا۔[1]

⑧ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾

[النساء: ١٢٣]

''نہ تمھاری آرزوؤں پر اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر (موقوف ہے) جو بھی کوئی برائی کرے گا اسے اس کی جزا دی جائے گی۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد فلاح کیسے؟ جب ہر عمل کی جزا ملے گی (تو نجات کیسے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر! اللہ تمھاری بخشش فرمائے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟ کیا تمھیں مصائب نہیں پہنچتے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ہاں پہنچتے ہیں۔ فرمایا: ((هُوَ مَا تُجزونَ بِهِ)) ''یہی تمھارے ان اعمال کی جزا ہے۔''[2]

اسی مفہوم کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے:

⑨ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

[المائدة: ١٠٥]

''اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے تمھیں وہ شخص نقصان

---

[1] صحيح البخاري (١٩١٥)، سنن أبي داود (٢٣١٣، ٢٣١٤)

[2] ابن حبان وغيره صحيح الترغيب (٣ ٣٣٩، ٣٤٠، رقم: ٣٤٣٠)

نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے۔"

اس سے بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو بس اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ دوسروں کی فکر ضروری نہیں۔ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کا مفہوم غلط لیتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے:

((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ))[1]

"لوگ جب ظالم کو دیکھیں پھر اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب لے آئے۔"

اس لیے یہ کہنا کہ تم اپنی فکر کرو تمھیں کسی دوسرے کی کیا پڑی ہے۔ بالکل درست نہیں اور یہ وضاحت حدیث ہی سے معلوم ہوئی ہے۔

⑩ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تَأْكُلُوٓا اَمْوٰلَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبٰطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجٰرَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ [النساء: ۲۹]

"اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی صورت ہو۔"

گو باہمی رضا مندی کی بنیاد پر تجارت درست ہے تو کیا سود اور رشوت رضا مندی سے ہو تو جائز ہو گی؟ قطعاً نہیں کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح بیع العینة، بیع الملابسہ، بیع حبل وغیرہ بیوع بھی باہمی رضا مندی سے ہوتی تھیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے

[1] سنن أبي داود (٤٣٣٨)، سنن الترمذي (٢١٦٨، ٣٠٥٧)

وہ بھی باطل ہیں باہمی رضامندی سے وہ حلال نہیں ہوں گی۔

⑪ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

[البقرة: ۲۳۰]

''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔''

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لینے سے وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، خواہ وہ خاوند نابالغ ہی ہو۔ لیکن یہ قطعاً درست نہیں، کیونکہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا ہے کہ جب تک وہ جماع نہ کرے۔ تب تک پہلے خاوند سے نکاح نہیں ہو سکتا۔[1]

اسی طرح حلالہ کرنے والا تو ''زوج'' نہیں کرائے کا سانڈ ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے «التيس المستعار» قرار دیا ہے۔[2] بلکہ اس پر آپ نے لعنت فرمائی ہے۔[3] اس کی اور بھی متعدد مثالیں ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں۔ انھی امثلہ کے تناظر میں امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''إن السنة جاءت قاضية على كتاب الله، ولم يجئ الكتاب قاضياً على السنة''[4]

''سنت کتاب اللہ پر قاضی ہے (یعنی اس کی وضاحت کرتی ہے) کتاب میں ایسی بات نہیں کہ وہ سنت پر قاضی ہو۔''

---

[1] صحيح البخاري (٥٣١٧)، صحيح مسلم

[2] سنن ابن ماجه (١٩٣٦)

[3] سنن النسائي (٣٤٤٥)، سنن الترمذي مع التحفه (٢ ١٨٦)

[4] المعرفة للحاكم (ص: ٦٥)

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے: قرآن سنت کا زیادہ محتاج ہے نسبتاً سنت کے۔

امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ جو امام اوزاعی کے استاد ہیں، نے بھی فرمایا ہے: ''السنة قاضيه علی کتاب'' کہ سنت کتاب پر قاضی ہے۔[1] امام مکحول کے الفاظ ہیں ''القرآن أحوج إلى السنة'' قرآن سنت کا زیادہ محتاج ہے۔[2] البتہ امام احمد رحمہ اللہ نے ''السنة قاضيه'' کے الفاظ کو مناسب نہیں سمجھا اور فرمایا: ''السنة تفسر الكتاب'' کہ سنت کتاب کی تفسیر ہے۔[3] امام ایوب بن کیسان السختیانی فرماتے ہیں اگر تم کسی سے حدیث بیان کرو اور وہ یہ کہے:

''دعنا من هذا وأجبنا عن القرآن فاعلم أنه ضال''[4]

''یہ احادیث چھوڑ کر ہمیں قرآن سے جواب دو تو جان لو وہ گمراہ ہے۔''

یہی بات امام ایوب کے استاد امام ابو قلابہ نے فرمائی ہے۔[5]

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب نے اس کے مخالف بات ہے تو انھوں نے فرمایا:

''أحدثك عن رسول الله ﷺ وتعرض فيه بكتاب الله، كان رسول الله ﷺ أعلم بكتاب الله منك''[6]

''میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کتاب اللہ کو

---

[1] الكفاية (١٢)، دارمي (١ ١١٧)، جامع بيان العلم (١ ١٩١)، ذم الكلام (٢١٢)، المعرفة للحاكم (ص: ١١٦)

[2] الكفاية (ص: ١٢)، السنة للمروزي.

[3] الكفاية، طبقات الحنابلة (١ ٢٥٢)، ذم الكلام (٢١٦)

[4] المعرفة للحاكم (ص: ٦٥)

[5] ذم الكلام (٢١٣) وغيره

[6] سنن الدارمي (١ ١١٨)

اس کے معالم من کہتے ہو، رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتے تھے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں حدیث کے قراءت ہو رہی تھی کہ اہلِ کوفہ میں سے ایک شخص نے کہا یہ احادیث چھوڑیں۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے اسے بہت ڈنڈے ہوئے فرمایا:

''لو لا السنة فافهم التوضا القرآن''

''اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن نہ نہ سمجھ پاتا۔''

بتلاؤ بندر کا گوشت حلال ہے؟ قرآن میں اس کی کیا دلیل ہے؟ تو وہ خجل ہو کہنے لگا: آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ بهيمة الأنعام میں سے نہیں ہے۔ [1]

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جواں مرد حدیث کو حاصل کرتے ہیں اور ان کی عورتیں اسے ناپسند کرتی ہیں۔ [2]

نیز فرماتے ہیں: جواں مرد تو علمِ حدیث حاصل کرتے اور اس کی قدر و منزلت کو پہچانتے ہیں۔ رہی ان کی عورتیں تو وہ، وہ جو کہتے ہیں جو تم کیا حدیث پر عمل کرتے ہو اور قرآن کو چھوڑ دیتے ہو؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ سنت کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی اصلاح فرمائے۔ [3]

موضوع حدیث کا سہارا:

بعض حضرات اس حوالے سے ایک حدیث ذکر کرتے ہیں:

---

[1] قواعد التحديث (٢٩٨)، نقلا عن الشعراني

[2] المحدث الفاصل (١٧٩)، تاويل مختلف الحديث لابن قتيبه (ص: ٤١)

[3] الجامع للخطيب (١ ١٤١)، الطيوريات للسلفي (٢ ٧٦٦)

"إذا روى عني حديث فأعرضوه على كتاب الله ان وافقه فاقبلوه وان خالفه فردوه"

"جب میری کوئی حدیث روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو، اگر اس کے موافق ہو تو اسے قبول کرو اور اگر اس خلاف ہو تو اسے رد کر دو۔"

مگر یہ روایت کسی صحیح متصل سند سے ثابت نہیں۔ علامہ الخطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ زندیقوں نے اسے وضع کیا ہے اور (صحیح) حدیث اس کی تردید کرتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ مجھے قرآن اور اسی کی مثل اور بھی دیا گیا ہے۔ امام عبدالرحمان بن مہدی یحییٰ بن معین رحمہما اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ یہ زنادقہ کی وضع کردہ ہے۔[1]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کا علی الاطلاق حکم فرمایا ہے اور کسی چیز سے مقید نہیں کیا ہے، جیسے کتاب اللہ کی اتباع کا حکم ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو۔ جیسا کہ اہلِ زیغ وضلالت کہتے ہیں۔ امام عبدالرحمان بن مہدی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث زندیقوں اور خارجیوں نے وضع کی ہے۔ اہلِ علم فرماتے ہیں: ہم اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرتے ہیں تو اسے اس کے خلاف پاتے ہیں، کیونکہ کتاب اللہ میں کہیں نہیں کہ وہی حدیث تسلیم کی جائے جو کتاب اللہ کے

[1] تذكرة الموضوعات (ص: ٢٨)، كشف الخفاء للعجلوني رحمہ اللہ (٢ ٥٦٩)، الفوائد المجموعه (ص: ٢٩١)، الدر االملتقط للصغاني (ص: ٢٢)، سفر السعادة (ص: ١٤٦)، جامع بيان العلم (١ ١٩١)، **نیز دیکھیں:** الموضوعات (١ ٢٥٨)، اللالئ المصنوعة (١ ٢١٣)، تنزيه الشريعة (١ ٢٦٤)، معالم السنن للخطابي (٤ ٢٩٩)، سلسلة الضعيفة (١٤٠٠)، وحواشي جامع لابن عبد البر (٢ ١١٩١)، دارابن الجوزي وحواشي الرساله (ص: ٢٧٧، ٢٧٨) **مولانا حافظ عبدالرؤف** رحمہ اللہ، الإحكام لابن حزم (٢ ٧٦)، مفتاح الجنة (ص: ٤٠، ٤٢).

موافق ہو، بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کتاب اللہ میں تو ہر حال میں آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے اور آپ کے حکم کی مخالفت سے خبردار کیا ہے۔''[1]

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''ان اتباع أمره طاعة الله، وأن سنته تبع لكتاب الله فيما أنزل وأنها لا تخالف كتاب الله ابداً''[2]

''آپ ﷺ کے حکم کی اتباع اللہ کی اطاعت ہے اور آپ کی سنت کتاب اللہ کے موافق ہے اور وہ کتاب اللہ کے قطعاً مخالف نہیں۔''

جس کسی نے بھی کسی حدیث کو آیت قرآنی کے مخالف سمجھا ہے علمائے ربانیین نے اس کا تشفی بخش جواب دیا ہے۔ کوئی حدیث کسی آیت کے مخالف نہیں اور نہ کوئی صحیح حدیث کسی دوسری صحیح حدیث کے حقیقی معنوں میں معارض ہے، جیسا کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔ بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح حدیث کے معارض ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: تم ضرور ایک شخص کو پاؤ گے جو تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا ہم اسی کی اتباع کریں گے جو کتاب اللہ میں ہے۔[3] اس لیے یہ حدیث مرسل ہونے کے علاوہ صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم (۲: ۱۹۰، ۱۹۱)

[2] الرسالہ (رقم: ۴۱۹)

[3] الرسالة (رقم: ۲۹۵، ۶۲۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کا جمعِ حدیث

احادیثِ مبارکہ کو یاد کرنے اور انھیں حیطۂ تحریر میں لانے اور انھیں جمع کرنے میں ان کا وہی اسلوب تھا جو قرآن مجید کو محفوظ کرنے کا تھا، بلکہ حقیقت واقعی یہ ہے کہ حدیث کی حفاظت و صیانت کا انتظام و اہتمام قرآن مجید سے زیادہ ہوا۔ یہی وجہ ہے ''حافظ'' کا لقب حفاظِ حدیث کے لیے مخصوص ہو گیا۔ حتی کہ محدثین کرام کے دور میں یہ لقب ان کا لقب ٹھہرا، جنھیں لاکھوں احادیث یاد ہوتی تھیں، جو طلبِ حدیث میں شہرت رکھتا، راویوں کے طبقات و مراتب سے آگاہ ہوتا، جرح و تعدیل، صحیح کی سقیم سے تمیز اور اکثر احادیث کا استحضار رکھتا ہو۔ جیسے امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم، امام دارقطنی وغیرہ تھے۔ اور ان کا لقب، المحدث یا محدثین بھی قرار پایا۔ جیسے ائمہ لغت کا لغوی، ائمہ قراءت کا القراء یا مقریٔ، ائمہ نحو کو نحوی، ائمہ تاریخ کا مورخ لقب ہے۔[1]

چنانچہ جیسے صحابہ کرام میں حفاظ قرآن تھے، جن میں مشہور حضرت عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسیٰ الاشعری، ابوالدرداء، معاذ بن جبل، سالم مولیٰ ابن حذیفہ، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، تمیم داری، عبادۃ بن صامت، عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کے کاتب ہیں، جیسے: سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابی بن کعب، زید ثابت، معاویہ، خالد بن سعید رضی اللہ عنہم وغیرھم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل کاتبوں

---

[1] معجم مصطلحات الحدیث (ص: ۱۲۸)

کی تعداد ۴۳۳ بتلائی گئی ہے۔ بالکل اسی اسلوب میں حدیث کی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حفاظت کی، احادیث کو یاد کر کے بھی اور انھیں اوراق میں قلمبند کر کے بھی، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حفاظِ حدیث حضرت ابو ہریرہ، سیدہ عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم سرفہرست ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں احادیثِ مبارکہ کو لکھنے والوں کی تعداد پچاس سے زائد ہے، جیسا کہ دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی رحمہ اللہ نے "دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینه" (۱/۹۲۔ ۱۴۲) میں مفصلاً ذکر کیا ہے۔ انہی میں ایک حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے، جنھیں احادیث لکھنے کی اجازت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ چنانچہ بسند صحیح انہی سے مروی ہے:

> "میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا حفظ کرنے کے لیے اسے لکھ لیتا تھا۔ تو قریش نے مجھے منع کیا اور کہنے لگے: تم جو بات سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، غصہ میں بھی کلام فرماتے ہیں اور خوشی میں بھی۔ یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ((أكتب فوالذي نفسي بيده ما خرج منه الا حق)) تم لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے بجز حق کے کچھ نہیں نکلتا۔"[1]

اس کی مزید تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بیان کرنے والے صحابہ میں مجھ سے زیادہ احادیث روایت کرنے والا

---

[1] مسند أحمد (۲ ۱۶۲، ۱۹۲)، أبو داود (۳۶۴۶)، سنن الدارمي (۱ ۱۲۵)، الحاكم (۱ ۱۰۵، ۱۰۶)، تقييد العلم (۸۰، ۸۱)

کوئی نہیں، سوائے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) کے کیوں کہ وہ احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔[1]

مسند امام احمد اور ''المدخل'' للبیہقی میں بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا کوئی عالم نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) کے کیوں کہ وہ لکھتے تھے اور دل سے یاد رکھتے تھے اور میں صرف یاد کرتا تھا، لکھتا نہیں تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھنے کی اجازت طلب کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی تھی۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے ان مکتوبہ احادیث کے مجموعہ کا نام ''الصادقہ'' تھا۔ مختلف اسانید سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دی تھی، انھوں نے اس کا نام ''صحیفہ صادقہ'' رکھا ہوا تھا۔[3]

ابو راشد الحُبرانی فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کی مجھے کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ تو انھوں نے میرے سامنے ''صحیفہ'' رکھ دیا اور فرمایا یہ وہ ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے۔ چنانچہ میں نے اس صحیفہ میں دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے دعا سکھائیں جو میں صبح و شام پڑھا کروں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی۔[4] الحدیث

---

[1] صحیح البخاري (۱۱۳) وغیرہ

[2] اسنادہ حسن، فتح الباري (۱ ۲۰۷)

[3] ابن سعد (۲ ۳۷۳)، تقیید العلم (ص: ۸٤)، المحدث الفاصل (ص: ۳٦٦، ۳٦۷)، جامع بیان العلم، سنن الدارمي (۱ ۱۲۷)

[4] سنن الترمذي (۳۵۲۹)، مسند امام أحمد (۲ ۱۹٦)، الأدب المفرد (۱۲۰٤) وغیرہ، الصحیحہ (تحت رقم:۲۷٦۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے اسی صحیفہ سے روایت کا ذکر مسند امام احمد میں بھی ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا یہی صحیفہ ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عمرو کے پاس تھا اور شعیب سے ان کے بیٹے عمرو اسے روایت کرتے تھے۔[2] کتبِ حدیث میں وہ روایات جو ''عمرو بن شعيب بن أبيه عن جده'' کی سند سے منقول ہیں وہ اسی صحیفہ صادقہ سے منقول ہیں اور بعض حفاظِ حدیث نے اسے ''نسخہ متوارثہ'' قرار دیا ہے۔[3] بلکہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''عقلت عن رسول الله ﷺ الف مثل''[4]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار ضرب الامثال یاد کی ہیں۔''

بعض نے عبداللہ بن لہیعہ کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، مگر مسند احمد اور القند في ذكر علماء سمرقند (ص: ۴۰۲) میں اس کے تلمیذ اسحاق بن عیسیٰ ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ اسحاق نے ابن لہیعہ سے ان کی کتابیں جلنے سے پہلے سماع کیا تھا۔[5]

غالبًا یہی وجہ ہے کہ علامہ الہیثمی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[6]

رہا یہ سوال کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصریح کے باوصف حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی مرویات کم کیوں ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشغلہ تعلیم و تعلم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ

---

[1] مسند أحمد (٢/ ١٧٦، رقم: ٦٦٤٥) [2] التهذيب (١٠/ ١١٢، ١١٣) وغيره

[3] نصب الراية (٢/ ٣٤٢)

[4] مسند أحمد (٤/ ٢٠٣)، كتاب الامثال لأبي الشيخ (رقم: ١)

[5] العلل لابنه (٢/ ٧٦٨، رقم: ١٥٧٢) [6] مجمع (٨/ ٢٦٤) والله أعلم

ان کے آٹھ سو سے زائد شاگرد تھے۔[1] مرکزِ علم مدینہ طیبہ میں رہایش پذیر رہے، مگر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ نہ رہے ان کی وفات بھی یہاں نہیں ہوئی اور باقاعدہ تعلیم وتعلم ان کا مشغلہ نہ تھا۔[2] ان کا زیادہ مشغلہ تلاوت قرآن پاک، روزے رکھنا اور عبادت تھا۔ انھوں نے ہی روزانہ ختم قرآن اور شب بھر عبادت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں میں ختم قرآن کی اجازت دی اور ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کا حکم فرمایا تھا۔[3]

جس سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے سامنے احادیثِ مبارکہ کو قلمبند کیا تھا، بلکہ ان سے بسند حسن منقول ہے:

"كنا عند رسول الله ﷺ نكتب ما يقول"[4]

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے آپ جو فرماتے ہم لکھ لیتے۔''

جو اس بات کی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے علاوہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث لکھتے تھے۔ بلکہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں مکہ مکرمہ کی عزت وحرمت بیان فرمائی تو حاضرین میں سے اہلِ یمن کے ایک صاحب ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ باتیں لکھوا دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اكتبوا لأبي شاه))[5] ''ابوشاہ کے لیے یہ لکھ دو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میں صلح نامہ حدیبیہ تحریر کیا،

---

[1] تهذيب (١٥/ ٦٨٧) [2] فتح الباري (١/ ٢٠٧)، تهذيب (٧/ ١١٠)

[3] صحيح البخاري، مسلم، أبوداود، السير وغيره

[4] ابن عساكر، السير (٣/ ٨٧) وغيره

[5] صحيح البخاري (١١٢، ٢٤٣٤، ٦٨٨٠)، صحيح مسلم

ان کے پاس ایک صحیفہ تھا، جس میں دیت، عتق، حرمتِ مکہ و مدینہ، معاہدات، قیدیوں کو آزاد کرنے اور بعض کبائر کا ذکر ہے۔ یہ صحیفہ دکتور فہار بن عبدالرحمان العتیبی کی تحقیق و مراجعت سے طبع ہو چکا ہے۔ بلکہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان معروف ہے:

((ایتوني بکتاب أکتب لکم کتاباً لا تضلوا بعده))[1]

''میرے پاس قلم و قرطاس لے آؤ میں تمھیں ایک کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔''

آنحضرت ﷺ کا زندگی کے آخری ایام میں کتاب لکھ دینے کا اظہار اس کی بین دلیل ہے۔ احادیثِ مبارکہ لکھنے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے عرب کے سرداروں اور دیگر حکمرانوں کو اسلام میں داخل ہونے کے لیے دعوت نامے ارسال کیے جو کتبِ احادیث و سیر میں محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ نے انھیں ''مجموعۃ الوثائق السیاسیہ'' میں بھی جمع کر دیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عمرو بن حزم کا صحیفہ بھی معروف ہے، چنانچہ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انھیں ایک کتاب لکھوا کر دی جس میں زکات، دیات، کبائر، طلاق، عتاق اور نماز وغیرہ کے مسائل مذکور تھے۔ اسی دستاویز کے بارے میں علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے بعض حفاظ کے حوالے سے لکھا ہے:

"نسخة عمرو بن حزم تلقاها الأئمة الأربعة بالقبول وهي متوارثة كنسخة عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده"[2]

''عمرو بن حزم کے نسخہ کو ائمہ اربعہ نے شرفِ قبولیت سے نوازا ہے اور یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخہ کی طرح توارثاً منقول ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري (١١٤)
[2] نصب الرايه (٢ ٣٤٢)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے "قواعد اسلام" میں شمار کیا ہے۔ امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے یہ نسخہ سب نسخوں سے اصح ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے اور اپنی آراء کو چھوڑ دیتے تھے۔[1]

ان کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت انس بن مالک، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث لکھنے کا ذکر دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی رحمہ اللہ نے دراسات فی حدیث النبوی میں کیا ہے۔ اسی موضوع پر ادارۃ العلوم الاثریہ کی طرف سے ادارہ کے متخصص فاضلِ جلیل مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ کا رسالہ "کتابتِ حدیث تا عہدِ تابعین" ایک عرصہ ہوا زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کے بارے امام معمر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا امام قتادہ نے سعید بن ابی عروبہ سے کہا قرآن مجید اٹھائیں، انھوں نے سورۃ البقرۃ، امام سعید کو سنائی اور اس میں ایک حرف کی بھی غلطی نہ کی، پھر فرمایا: صحیفہ جابر رضی اللہ عنہ مجھے سورۃ البقرہ سے بھی زیادہ یاد ہے۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود احادیث تو نہیں لکھتے تھے، البتہ ان کے تلامذہ جن کی تعداد امام بخاری رحمہ اللہ نے آٹھ سو ذکر کی ہے، میں سے بعض ان کی روایات لکھتے تھے۔ چنانچہ امیر مصر عبدالعزیز بن مروان بن الحکم نے کثیر بن مرۃ الحضرمی رحمہ اللہ کو لکھا کہ آپ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماع کیا ہے ان کی احادیث لکھ کر میرے پاس بھیج دیں، سوائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے "فإنه عندنا" وہ ہمارے پاس ہیں۔[3]

یاد رہے کہ کثیر بن مرۃ نے ستر بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے۔[4]

---

1. نصب الرايه (٢/ ٣٤١، ٣٤٢)
2. التاريخ الكبير للبخاري (٧/ ١٨٦)، تهذيب (١٠/ ٧٧٧)
3. ابن سعد (٧/ ٤٤٨)
4. أيضاً، تهذيب (١١/ ١٤٦)

ان کے ایک تلمیذ بشیر بن نہیک تھے، فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یہ آپ کی وہ مرویات ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں اور انھیں قلمبند کیا ہے، چنانچہ انھوں نے ان احادیث کی قراءت کی اور انھوں نے ان کی تصدیق کی۔[1]

انہی میں ایک ہمام بن منبہ رحمہ اللہ تھے جنھوں نے ۱۳۱ احادیث قلمبند کیں جو دکتور حمید اللہ رحمہ اللہ کی مساعی حسنہ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہیں، پھر اس کے کئی ایڈیشن چھپے۔ تدوین حدیث کے حوالے سے انھوں نے بہترین مقدمہ بھی لکھا۔ اسی صحیفہ کی روایات کو امام احمد رحمہ اللہ نے المسند[2] میں امام عبدالرزاق عن معمر عن ہمام کی سند سے ذکر کیا۔ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی المصنف میں مختلف مقامات پر ابواب کے تحت انھیں ذکر کیا۔ اس سے اور اسی نوعیت کے تابعین کے دیگر صحائف سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بعض مستشرقین اور ان کے اندھے پیروکار منکرینِ حدیث کا یہ پروپیگنڈا کہ احادیث دوسو سال کے بعد لکھی گئی ہیں، بالکل غلط ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک تلمیذ ابو صالح ذکوان السمان رحمہ اللہ تھے، ان کے بیٹے سہیل نے باپ کی مرویات کو جمع کیا۔[3]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اصول اور شواہد میں ان کی احادیث صحیح مسلم میں ذکر کی ہیں اور ان کی یہ مرویات کا نسخہ بواسطہ عبدالعزیز بن المختار البصری دارالکتب الظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے اور دکتور الاعظمی رحمہ اللہ نے دراسات فی الحدیث النبوی کی دوسری جلد میں اسے تحقیق سے شائع کر دیا ہے۔

---

[1] تهذيب (٢ ٣١٥)، الطبقات لابن سعد (٧ ٢٢٣)، العلل ومعرفة الرجال (١ ٢١٤)، الجامع للخطيب (٢ ١٣٤)

[2] مسند أحمد (٢ ٣١٢، ٣١٩) [3] تهذيب (٥ ٥٠٥)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات لکھ کر اپنے سے اعلم صحابی سے لکھی ہوئی حدیث طلب کرتے تھے، جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے اس میں سے کچھ مسموعات مجھے لکھ کر بھیج دیں۔[1]

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث لکھ کر بھیجنے کی عرض کی تو انھوں نے مجھے یہ حدیث لکھ کر بھیجی:

"ان الیمین علی المدعی علیه ...... الخ"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احادیث لکھوانا، لکھنے کی اجازت دینا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ابتدا میں جو آپ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا وہ حکم منسوخ ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن[3] میں حافظ عراقی اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد کتابتِ حدیث پر اجماع ہے۔[4]

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے امیر و قاضی مدینہ طیبہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ کو باقاعدہ تدوین حدیث کا حکم دیا:

"أنظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه، فاني خفت دروس العلم وذهاب العلماء"[5]

جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہوں انھیں تلاش کر کے لکھ دو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے قبض ہو جانے کا خوف ہے۔ امام دارمی نے یہی روایت ثقہ راویوں سے عبداللہ بن دینار سے یوں نقل کی ہے۔

---

[1] مسند أحمد (٦ ٨٧)، الحميدى (١ ١٢٩)، صحيح البخاري (٨٤٤)

[2] مسند أحمد (١ ٣٦٣)

[3] تهذيب السنن (٥ ٢٤٥)

[4] السير (٣ ٨٠)

[5] بخارى، باب كيف يقبض العلم

"كتب عمر بن عبدالعزيز إلى أبى بكر بن محمد بن عمرو بن حزم أن أكتب إلى مما ثبت عندك من الحديث عن رسول الله ﷺ وبحديث عمر فإني قد خشيت درس العلم وذهابه"[1]

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ کو لکھا کہ تمھارے پاس جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث ثابت ہیں وہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث (یعنی اقوال وفتاویٰ) مجھے لکھ کر بھیجو، کیونکہ مجھے علم کے اٹھ جانے اور ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ عمرۃ بنت عبدالرحمان اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ کی احادیث لکھ کر بھیج دو تو انھوں نے ان کی مرویات قلم بند کر لیں۔[2]

مگر امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے ان مکتوبہ روایات کے بارے میں ان کے بیٹے عبداللہ بن ابی بکر سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا وہ ضائع ہوگئی ہیں۔"[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ حکم صرف امیر مدینہ طیبہ ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ کو ہی نہ تھا بلکہ اپنے زیرِ اثر ممالک میں دیگر اہلِ علم کو بھی یہی حکم بھیجا تھا، چنانچہ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ ہی کے واسطے سے ذکر کیا ہے:

"كتب عمر بن عبد العزيز إلى الآفاق انظروا حديث رسول الله ﷺ فاجمعوه واحفظوه فإني أخاف دروس العلم وذهاب العلماء"[4]

---

[1] سنن دارمي (١ ١٢٦)
[2] الجرح والتعديل (٩ ٣٣٧)
[3] المعرفة والتاريخ للفسوي (١ ٦٤٥)
[4] أخبار أصبهان (١ ٣١٢)، درهم بن مظاهر الزبيرى، فتح الباري (١ ١٩٥)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تمام اطراف میں لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے حیطۂ تحریر میں لاؤ اور ان کی حفاظت کرو۔ یہی حکم انھوں نے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کو لکھا۔ تاریخ الخلفاء[1] اور امام زہری رحمہ اللہ کو بھی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"أمرنا عمر بن عبد العزيز بجمع السنن فكتبناها دفتراً دفتراً فبعث إلى كل أرض له عليها سلطان دفتراً"[2]

"ہمیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ سنن کو جمع کرو تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ دیے پھر انھوں نے ہر اس جگہ پر ایک دفتر بھیجا جہاں ان کی حکومت تھی۔"

امام زہری رحمہ اللہ سے احادیث لکھنے والے اور خود ان کی مکتوبہ احادیث کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ان کے تلمیذ امام معمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم خیال کرتے تھے کہ ہم نے امام زہری رحمہ اللہ سے سب سے زیادہ احادیث لکھی ہیں مگر ولید بن یزید بن عبدالملک جو بے حد فاسق فاجر اور شرابی تھا جب ۱۲۶ھ میں قتل ہوا "فاخرجت دفاتر الزهري علی الدواب" تو امام زہری رحمہ اللہ کے "دفاتر" سواریوں پر باہر لائے گئے۔[3]

بلکہ امام زہری رحمہ اللہ کی کتابیں بازاروں میں فروخت ہوتی تھیں، چنانچہ معاویہ بن یحییٰ الصدفی کے بارے میں امام الساجی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ بہت ضعیف ہے اس نے بازار سے امام زہری رحمہ اللہ کی کتابیں خرید لیں، پھر وہ امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کرنے لگا۔[4]

دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی نے امام زہری رحمہ اللہ کی احادیث لکھنے والے یا ان کے

---

[1] تاريخ الخلفاء (ص: ٢٣١)　[2] جامع بيان العلم (١ ٧٦)

[3] المعرفة والتاريخ (١ ٤٧٩)، تذكرة الحفاظ (١ ١١٢)

[4] تهذيب (١٣ ١٠٨)

''دفاتر'' سے حدیث کی روایت کرنے والوں کی تعداد ۵۱ ذکر کی ہے۔[1]

خود امام زہری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس علم کو کسی نے اس قدر نہیں پھیلایا جس قدر میں نے پھیلایا ہے اور نہ کسی نے اس پر اتنا خرچ کیا ہے جتنا میں نے خرچ کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ کسی نے اس کے حصول میں اتنا صبر و تحمل سے کام نہیں لیا، جتنا میں نے لیا ہے۔[2]

اسی طرح ان سے یہ بھی منقول ہے:

''لم يدون هذا العلم قبل تدويني''[3]

''یہ علمِ حدیث مجھ سے پہلے کسی نے مدون نہیں کیا۔''

امام مالک رحمہ اللہ اور مدینہ طیبہ کے ایک اور امام عبدالعزیز دراوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا وہ امام زہری رحمہ اللہ ہیں۔[4]

علی الاطلاق مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث کو مرتب و مدون کرنے میں اگرچہ اولیت امام زہری رحمہ اللہ کو حاصل ہے لیکن ابواب کے تحت سب سے پہلے احادیث مرتب کرنے والے امام الربیع بن صبیح ہیں۔ چنانچہ امام رامہرمزی لکھتے ہیں:

''أول من صنف وبوب فيما أعلم الربيع بن صبيح بالبصرة ثم سعيد بن أبي عروبة الخ''[5]

میرے علم کے مطابق بصرہ میں سب سے پہلے مصنف اور ابواب پر احادیث جمع کرنے والے ربیع بن صبیح رحمہ اللہ ہیں، پھر سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ ہیں، مگر ایک ایک باب وعنوان کی احادیث کو مرتب کرنے والے ان سے بھی پہلے امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ

---

[1] دراسات في الحديث النبوي (١/ ٢٠٤، ٢١٠)

[2] تهذيب (١٢/ ٣١١)، المعرفة والتاريخ (١/ ٦٢٣، ٦٢٤) وغيره

[3] جامع بيان العلم (١/ ٣٨)

[4] جامع بيان العلم

[5] المحدث الفاصل بين الراوي والراعي (ص: ٦١١)، مقدمة فتح الباري (ص: ٦)

ہیں، جنھوں نے سیرت و مغازی پر مشتمل کتاب لکھی اور اپنے بیٹے ہشام رحمہ اللہ کو علاحدہ علاحدہ ابواب پر مشتمل روایات لکھوائیں، چنانچہ الطلاق، خلع، الحج، الھدی کے ابواب میں احادیث کا ذکر امام الفسوی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔[1]

اسی صف میں امام عامر بن شراحبیل شعبی، ابن ابی ذئب، ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

اس لیے حدیث کے لکھنے کا آغاز عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہدِ تابعینِ عظام ہی میں بلکہ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے ہی ہو چکا تھا، البتہ باقاعدہ اس کی تدوین کا آغاز تابعینِ عظام کے آخری دور میں ہوا امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ لکھی، اسی طرح ان کے ایک دوسرے تلمیذ امام محمد رحمہ اللہ بن عبدالرحمان بن مغیرہ ابن ابی ذئب (المتوفی: ۱۶۴) کی الموطأ اور کتاب السنن معروف ہیں اور انھوں نے الموطأ امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب الموطأ سے پہلے لکھی تھی۔

ان کے ایک تیسرے شاگرد امام عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۶۴ھ یا ۱۶۶ھ) نے بھی الموطأ کے نام ہی سے احادیث جمع کیں۔

امام زہری رحمہ اللہ کے ایک اور شاگرد امام معمر بن راشد رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۵۳ھ) نے الجامع کے نام سے احادیث مبارکہ جمع کیں، جو حال ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اسی طرح انھوں نے کتاب المغازی اور التفسیر بھی لکھی۔

امام زہری رحمہ اللہ کے ہی شاگرد محمد رحمہ اللہ بن اسحاق ہیں، جن کی کتاب المغازی معروف ہے۔ امام ابراہیم رحمہ اللہ بن سعد ابو اسحاق الزہری کے پاس المغازی کے علاوہ ان سے سترہ ہزار احادیثِ احکام محفوظ تھیں۔[2]

اسی دور میں امام سفیان ثوری، ہشام بن عروہ، ابراہیم بن طہمان الخراسانی،

---

[1] المعرفة والتاريخ (٢/ ١٧٨)
[2] تهذيب (١/ ٣١٦)، تاريخ بغداد (٦/ ٨٣)

حماد بن زید الازدی، حماد بن سلمۃ، امام عبدالرحمان بن عمرو الاوزاعی، امام محمد بن الحسن الشیبانی، قاضی ابو یوسف، امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے اعیان نے احادیثِ مبارکہ کو لکھا۔ یوں احادیثِ مبارکہ کو جمع کرنے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کے طبقہ ثالثہ کے اختتام پر علمائے تابعین کے اسماء کا ذکر کیا ہے جو پانچ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور طبقہ ثامنہ کے اختتام پر فرماتے ہیں: یہ سب ثقہ حفاظ ہیں اور ہم نے ان جیسے ایک طائفہ کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس دور میں ایک محدث کی مجلس میں احادیث املاء کرنے والے دس ہزار سے زیادہ ہوتے تھے۔[1]

جیسے اور دور کے کاتب ہیں پہلے انھیں ''وراق'' کہا جاتا تھا۔ بغداد میں ایک بازار ''سوق الوراقین'' کے نام سے تھا اور بعض وراقین بڑے سریع الخط تھے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے خراسان کے ایک کاتب نے تین دنوں میں قرآن مجید لکھا ہے: ''وما سنا لغوب'' ''اور مجھے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔'' تو اسی وقت اس کی تین انگلیاں جن سے وہ لکھتا تھا خشک ہو گئیں۔[2]

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ شیخ جنید حصاری تین روز میں اعراب کے ساتھ قرآن مجید لکھ لیتے تھے۔ ایک رات میں ایک ہزار شعر لکھ لیتے تھے۔

شیخ محمد بن احمد الدقاق نے ایک سال میں سات بار صحیح مسلم کی کتابت کی۔[3]

قاضی امام حسین بن احمد، امام بیہقی رحمہ اللہ کے تلمیذ تھے۔ بیماری کی وجہ سے ان کی انگلیاں کاٹ دی گئیں تھیں وہ قلم دونوں ہتھیلیوں سے پکڑ لیتے کاغذ پاؤں کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ (۱ ۵۳۰) [2] الثقات (۸ ۱۰، ۱۱)

[3] ذیل تاریخ بغداد لابن نجار (۱۹ ٦)

نیچے رکھتے یوں خوبصورت خط سے روزانہ پانچ طاقات، یعنی پانچ رِم لکھ لیتے۔[1]

کیا احادیث لکھنے کی ممانعت ہے:

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احادیثِ مبارکہ لکھنے کی ممانعت فرمائی تھی، جیسا صحیح مسلم[2] میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اولاً: عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے معلول قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے مرفوعاً صحیح نہیں۔[3]

امام مسلم رحمہ اللہ کے علاوہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے علی شرط شیخین صحیح کہا ہے۔[4]

اسی طرح امام ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح (رقم: ٦٤) میں ذکر کیا ہے اور اس کے تمام راوی اگرچہ ثقہ و عادل ہیں۔ لیکن امام حاکم رحمہ اللہ کا اسے علی شرط شیخین صحیح کہنا درست نہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "همام عن زيد بن اسلم" کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے ظاہر سند کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمام رحمہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی اسے مرفوع ذکر نہیں کرتا۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم میں یہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح موقوفاً روایت کی ہے کہ انھوں نے لکھنے سے منع کیا اور فرمایا کیا تم انھیں مصاحف بنانا چاہتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ ہمیں حدیث بیان کرتے، ہم انھیں یاد کرتے، تم بھی یاد کرو جیسے ہم یاد کرتے تھے۔[5]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسے مرفوع بیان کرنے میں ہمام بن یحییٰ منفرد ہیں۔[6]

---

[1] السير (٢٠/ ٦١)، التحجير (١/ ٢٢٢، ٢٢٣)

[2] صحيح مسلم (٣٠٠٤)، باب التثبت في الحديث.

[3] فتح الباري (١/ ٢٠٨)

[4] المستدرك حاكم (١/ ١٢٦، ١٢٧)

[5] جامع بيان العلم (١/ ٦٤)

[6] تقييد العلم (ص: ٣١، ٣٢)

یاد رہے کہ سنن دارمی [1] اور جامع بیان العلم میں ہمام کی جگہ ''ہشام'' ہے جو تصحیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اتحاف المہرۃ [2] میں سنن الدارمی سے اسے بواسطہ ہمام ہی نقل کیا ہے۔ [2] ہمام کی وہ روایت جس میں وہ منفرد ہیں: ''إذا دخل الخلاء وضع خاتمه'' بھی ہے امام ابو داود رحمہ اللہ نے اسے منکر کہا ہے۔ اور اسے ان الفاظ سے بیان کرنے میں امام ہمام رحمہ اللہ کا وہم قرار دیا ہے [4] اور امام نسائی نے اسے غیر محفوظ قرار دیا۔ [5]

یہاں بھی ہمام رحمہ اللہ منفرد ہیں اور ابو سعید رضی اللہ عنہ سے یہ موقوف مروی ہے۔ اور وہ احادیث جن میں کتابت کا حکم خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اور احادیث لکھوائی ہیں وہ اس ممانعت کے معارض ہیں، جس سے بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی ہی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت زید بن ثابت سے ابو داود، [6] مسند احمد، [7] اور جامع بیان العلم [8] میں بھی ہے مگر اس کی سند منقطع ہے، کیونکہ المطلب بن عبداللہ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ [9]

اس کے علاوہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی میں یہ جملہ بھی ہے:

''وحدثوا عني ولا حرج''

---

[1] سنن دارمی (١/ ١١٩)

[2] اتحاف المهرة (٥/ ٢٦٨) نیز دیکھیں: جامع بیان العلم، تحقیق ابو الاشبال الزهیری.

[3] جامع بيان العلم (١/ ٢٦٨)

[4] سنن أبي داود مع العون (١/ ٨،٩)

[5] السنن الكبرىٰ (٨/ ٣٨٤، رقم: ٩٤٧٠)

[6] سنن أبي داود (٣٦٤٧)

[7] مسند أحمد (٥/ ١٨٢)

[8] جامع بيان العلم (١/ ٦٣)

[9] التهذيب (١٣/ ١٠)

''میری حدیث بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

اگر احادیث لکھنے کی ممانعت حدیث کی عدم حجیت کی دلیل ہے تو پھر اسے آگے بیان کرنے کی اجازت اس کی حجیت کی دلیل کیوں نہیں؟ کتابت حدیث کی ممانعت میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ کاتبینِ وحی کے لیے ہو، تاکہ وحی اور حدیث میں اشتباہ اور اختلاط نہ ہو۔

ثانیاً: یہ حکم اگر صحیح ہو تو یہ ابتدا میں تھا اس کے بعد خود رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کی اجازت دی، جیسا کہ متعدد احادیث اس بارے میں ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "باب كتابة العلم" کے تحت ان میں سے بعض احادیث کا ذکر کیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"وقد تقدم اخبار عبد الله بن عمرو في اجازة الكتابة"[1]

''کتابتِ حدیث کے جواز میں پہلے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی احادیث گزر چکی ہیں۔''

کتابتِ حدیث کی اجازت ہی کی بنا پر قاضی عیاض، حافظ عراقی، امام ابن قتیبہ وغیرہ نے کہا ہے کہ نہ لکھنے کی حدیث منسوخ ہے۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ ممانعت صرف اس صورت میں تھی جب قرآن پاک اور احادیث کو ایک ہی ورق میں لکھا جائے، کیونکہ یوں قرآن و حدیث کے اختلاط اور اشتباہ کا خدشہ تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے ممانعت ان کے لیے تھی جو صرف کتابت پر اعتماد کر لیں اور حفظِ حدیث کا اہتمام نہ کریں۔[2]

---

[1] المستدرک (۱/ ۱۲۷)، نیز دیکھیں: المستدرک (۱/ ۱۰٤، ۱۰۵)

[2] ملاحظہ ہو: شرح مسلم للنووي (۲/ ٤١٤) ط باكستان، مقدمه ابن الصلاح ←

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے جن صحابہ وتابعین کرام سے کتابتِ حدیث کی ناپسندیدگی آئی ہے وہ دراصل اہلِ عرب کے مذہب کے مطابق ہے، کیونکہ وہ حفظ وضبط میں مخصوص تھے کیا آپ امام زہری رحمہ اللہ کو نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتے ہیں میں بقیع کی طرف نکلتا ہوں اور کان بند کر لیتا ہوں کہ جو بات کان میں پڑے گی محفوظ ہو جائے گا۔

اسی قسم کی بات امام شعبی رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ کا قصیدہ (جو ستر اشعار پر مشتمل تھا) انھوں نے ایک بار سنا اور پھر وہ انھیں یاد ہو گیا۔[1]

حفظِ حدیث اور محدثین کرام کے حافظہ کی داستانیں ان شاء اللہ آیندہ اپنے محل میں بیان ہوں گی۔

اس کے علاوہ غور طلب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا کہ جو یہاں موجود ہے وہ میری باتیں یہاں نہ پہنچ پانے والوں کو پہنچا دے۔[2]

اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوش باش رکھے جو مجھ سے حدیث سنتا ہے اسے یاد کرتا ہے اور آگے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَسْمَعُونَ وَيُسْمَعُ مِنكُمْ وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنكُمْ"[4]

← مع التقييد والايضاح (ص: ٢٠٣)، تاويل مختلف الحديث (ص: ٣٦٥)، معالم السنن (١ ١٨٤)، فتح المغيث للعراقي (ص: ٢٣١)، تدريب الراوي (٢ ٦٧)، تقييد العلم للخطيب (٥٧، ٦٤)، جامع بيان العلم (١ ٦٨)، فتح المغيث للسخاوي (٣ ٣٧)، تحفة الأحوذي (٣ ٣٧٥، ٣٧٦) الأنوار الكاشفة (ص: ٣٥، ٣٦) وغيرها من الكتب.

[1] جامع بيان العلم (١ ٦٩) ملخصاً
[2] صحيح البخاري (٦٧، ١٧٤١) وغيره
[3] سنن الترمذي (٢٦٥٦)، أبو داود، أحمد، ابن حبان وغيرهم
[4] مسند أحمد (١ ٣٢١)، أبو داود (٣٦٥٦)، الصحيحة (١٧٨٤) وغيره

''تم سنتے ہو اور تم سے سنا جائے گا اور اس سے سنا جائے گا جو تم میں سے سنتا ہے۔''

اس حدیث میں خبر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھ سے (قرآن و حدیث) سنتے ہو اور تم سے یہ سنا جائے گا اور جو تم سے سنتا ہے آگے اس سے سنا جائے گا۔ جس میں قرونِ ثلاثہ میں قرآن و حدیث کے سننے سنانے اور علم کے پھیلانے کی خبر ہے۔ اگر احادیث قابلِ اعتبار نہیں تو انھیں آگے بیان کرنا، بیان کرنے والوں کو بشارت دینا اور اس کے سننے سنانے کا عمل جاری رہنے کی خبر دینا چہ معنی دارد؟

علاوہ ازیں صحیح مسلم[1] کی اسی حدیث میں جسے کتابتِ حدیث کی ممانعت کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس میں یہ الفاظ بھی تو ہیں: ''وحدثوا عني ولا حرج'' ''میری طرف سے آگے حدیث بیان کرو۔'' اس میں کوئی حرج نہیں، آخر انھیں نظر انداز کیوں کر دیا جاتا ہے اور حدیث کو پڑھنے پڑھانے کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے؟ اگر وہ قابلِ عمل نہیں تو اسے آگے بیان کرنے کی اجازت دینا کیا مفہوم رکھتا ہے؟ اس لیے اس حدیث سے کتابتِ حدیث کی مخالفت دراصل ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ [البقرة: ٨٥] کا مصداق ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ اس حقیقت کا مشعر ہیں کہ کتابتِ حدیث کی ممانعت ایک خاص وقت کے لیے تھی۔

کیا مکتوب ہی پر اعتماد ہے:

صرف تحریر پر اعتماد کرنا اور یہ کہنا کہ احادیث لکھی نہیں گئیں سوال یہ ہے کہ قرآن پاک میں کہاں ہے کہ صرف کتاب پر ہی اعتماد کیا جائے۔ یہ مطالبہ تو کفارِ مکہ کا قرآن مجید کے بارے میں تھا:

﴿ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ﴾ [بني إسرائيل: ٩٣]

[1] صحیح مسلم (٣٠٠٤)

"اور ہم تیرے چڑھنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، یہاں تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔"

بلکہ یہی مطالبہ اہلِ کتاب نے بھی کیا ہے:

﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا﴾ [النساء: ۱۵۳]

"اہلِ کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتارے۔"

لیکن کفار کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا گیا، بلکہ فرمایا:

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الأنعام: ۷]

"اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی چیز اتارتے، پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو یقیناً وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، یہی کہتے کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔"

بلکہ یہ بھی فرمایا:

﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٤٩]

"بلکہ یہ تو واضح آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنھیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر جو ظالم ہیں۔"

یعنی ہم نے قرآن مجید کو اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ کر دیا ہے اس کی حفاظت کتاب میں لکھے ہوئے ہونے پر موقوف نہیں۔ پہلی کتب سینوں میں محفوظ نہ تھیں، بلکہ لکھی ہوئی تھیں اور لکھی ہوئی ہی نازل ہوئی تھیں اسی لیے ان میں تحریف ہوئی مگر قرآن مجید ہر دور میں ہزاروں نہیں لاکھوں اہلِ ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اسی لیے یہ آج تک محفوظ ہے۔ بالفرض اگر کسی وقت اس کے تمام نسخے صفحۂ ہستی سے

ختم کر دیے جائیں تب بھی یہ محفوظ رہے گا اسی بدولت از سرِ نو اس کو کتابی صورت میں محفوظ کر دیا جائے۔

حضرت عیاض المجاشعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے:

((وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ، تَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ))[1]

''اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکے گا تو اسے سویا ہوا اور جاگتا ہوا پڑھے گا۔''

علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سینوں میں محفوظ رہے گا اور طویل زمانہ گزر جانے پر بھی یہ باقی رہے گا اور نوم و یقظہ میں بھی محفوظ رہے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عسر و یسر میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔[2]

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند عام لوگوں سے مختلف تھی آپ کی آنکھیں سوتی اور دل بیدار رہتا تھا۔ وحی یقظہ میں بھی نازل ہوتی تھی اور خواب میں بھی۔ بعض حفاظِ قرآن کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نیند کی حالت میں بھی قرآن پاک پڑھتے تھے۔

اعتماد حفظ پر ہے اس لیے اصل چیز حفظ و ضبط ہے اور کتاب کی صحت و بقا کا باعث بھی یہی ہے حتی کہ امام ابن الجزری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''ان الاعتماد في نقل القرآن على حفظ القلوب والصدور لا على حفظ المصاحف والكتب''[3]

''قرآن مجید کے نقل کرنے میں اعتماد دلوں اور سینوں میں حفظ پر ہے نہ کہ صحف اور کتب میں محفوظ ہونے پر۔''

---

[1] صحيح مسلم (٢٨٦٥)

[2] شرح مسلم (٢ ٣٨٥) ط پاکستان کراچی — [3] النشر (١ ٦)

کتاب لکھنے کے لیے اصل کاتب کی عدالت ہے۔

کتابت میں تصحیف وتحریف کا احتمال:

کاتب عادل نہ ہوتو اس کا لکھا ہوا ظن کا بھی فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ کتابت میں تحریف وتصحیف کا احتمال ہوتا ہے۔ علامہ سیف الدین رحمہ اللہ، ابو الحسن علی رحمہ اللہ، بن ابی علی الآمدی رحمہ اللہ روایت کی ترجیحات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"الأول أن تكون رواية أحد الخبرين عن سماع من النبي ﷺ والرواية الأخرى عن كتابٍ فرواية السماع أولى، لبعدها عن تطرق التصحيف والغلط"[1]

"پہلی صورتِ ترجیح یہ ہے دو احادیث میں سے ایک نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی ہو اور دوسری کتاب سے ماخوذ ہو تو سنی ہوئی روایت اولی ہے، کیونکہ اس میں تصحیف وغلطی کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں۔"

یہ وجہ ترجیح علامہ الحازمی رحمہ اللہ نے الناسخ والمنسوخ (ص: ۱۱) میں بھی ذکر کی ہے۔ امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ کے پاس امام علی بن مدینی اور امام احمد رحمہ اللہ گئے اور کہا کہ ہمیں کتاب سے حماد بن زید کی احادیث لکھوائیں انھوں نے فرمایا: کتاب کے بغیر چارہ نہیں، میں نے کتاب اپنے حفظ سے لکھی ہے اور میرا حفظ میری کتاب سے زیادہ صحیح ہے[2] امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے ایک موقع میں فرمایا تھا:

"حافظ متقن أحب إلي من أصل غير متقن"[3]

"پختہ حافظ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس نسخہ سے جس کے لکھنے میں پختگی نہ ہو۔"

---

[1] الأحكام في أصول الأحكام (٤ ٣٣٤)

[2] الكفاية (ص: ٢٤١) [3] أيضاً (ص: ٢٤١)

امام بخاری رحمہ اللہ امام داخلی رحمہ اللہ کے ہاں سماع کے لیے حاضر ہوئے تو انھوں نے کتاب میں سے ایک حدیث کی سند یوں پڑھی: "سفیان عن أبي زبیر عن إبراهیم" تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہاں "أبو الزبیر" نہیں کیونکہ وہ تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ امام داخلی نے انھیں ڈانٹا تو انھوں نے کہا: آپ اس کے اصل نسخہ کی مراجعت فرمائیں وہاں "أبو الزبیر" ہی لکھا ہوا تھا مگر امام بخاری کی دلیل پر انھوں نے اپنی کتاب میں جو "ابوالزبیر" غلط لکھا تھا اسے درست کر لیا اور وہ تھا: "زبیر عن إبراهیم"[1] مقدمہ ہی میں ہے کہ ان کے رفیقِ سفر حاشد بن اسماعیل فرماتے تھے ہم امام بخاری کے حفظ سے اپنے مسودوں کی تصحیح کرتے تھے۔[2] یہ ہے حفظ ضبط کی اہمیت اور کتابت کی کمزوری۔

لکھنے میں تصحیف و تحریف کا واقع ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے جس پر حضرات محدثین نے مستقل کتابیں لکھیں، جن میں امام ابو احمد حسن بن عبداللہ العسکری کی تصحیفات المحدثین اور امام دارقطنی رحمہ اللہ کی کتاب التصحیف زیادہ مشہور ہیں۔ تقاضائے اختصار نہ ہوتا تو ہم اس کی مثالیں ذکر کرتے شائقین اس حوالے سے امام العسکری کی کتاب کے علاوہ تدریب الراوی اور فتح المغیث میں یہ مبحث ملاحظہ فرمائے۔ اسی تصحیف کے خطرے کی بنا پر ہی امام سعید بن عبدالعزیز التنوخی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"لا تحملوا العلم من صحفي ولا تأخذوا القرآن عن مصحفي"[3]

"علم استاد کے بغیر کتابی عالم سے حاصل نہ کرو اور نہ مصحف سے قرآن

---

[1] مقدمة الفتح (٤٧٨) [2] أيضاً (ص: ٤٧٨)

[3] تصحيفات للعسكرى (١ ٧)، الكفاية وغيره

پڑھانے والے سے حاصل کرو۔"

اسی قسم کا قول ثور بن یزید رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔[1]

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

یہ علم اس وقت تک عزیز رہا جب وہ رجالِ علم سے حاصل کیا جاتا تھا، مگر جب کتابوں میں آ گیا تو جو اس کے اہل نہ تھے وہ اس میں داخل ہو گئے۔[2]

ہم نے عرض کی کہ کتاب ہو یا حفظ ہو اس میں کاتب اور حافظ کی عدالت شرط اول ہے کتنے حافظ ہیں جو وضاع اور کذاب ہیں جیسے ہشام بن محمد کلبی، محمد بن عمر واقدی، سلیمان شاذ کونی وغیرہ ہیں۔ اور کتنے کاتب ہیں جنھوں نے جھوٹی کتابیں اور مناقب لکھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نام سے "تفسیر" تنویر المقتبس کا مدار محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح پر ہے، جب کہ الکلبی رافضی سبائی اور متہم بالکذب ہے۔[3]

ابو صالح نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہی نہیں اور نہ ان سے کچھ سنا ہے۔[4]

ابو صالح باذام مولی ام ہانی بھی ضعیف و مدلس۔[5]

"نسخة أبي هدبة عن أنس، نسخها نبيط بن شريط، الأربعون الودعانيه" تماتر موضوعات کا پلند ہیں۔[6]

بعض یہودیوں نے ایک دستاویز خلیفہ القائم بأمر اللہ کے وزیر ابو القاسم ابن المسلمۃ کے ہاں پیش کی کہ یہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ مبارک ہے۔

---

1. فتح المغيث (٣ ١٦٥)
2. فتح المغيث (٣ ١٦٦)، الجامع لابن عبد البر (٦ ٦٨) وغيره
3. تقريب (ص: ٨٤٧)
4. المجروحين (٢ ٢٥٥)، التهذيب (١١ 556) وغيره
5. تقريب (ص: ١٦٣) ط دار العاصمة
6. ذيل اللالئ، المصنوعة (ص: ٥١٣، ٥٢٤)

جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے اور اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کی گواہیاں ثبت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف کر دیا ہے۔ وزیر نے یہ مکتوب خطیب بغدادی رحمہ اللہ کو دیکھایا تو انھوں نے فرمایا: یہ جھوٹ گھڑا گیا ہے۔ اس پر ان سے دلیل طلب کی گئی تو انھوں نے فرمایا: اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گواہی ہے اور وہ تو فتح خیبر کے بعد فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے، جب کہ خیبر ۷ ہجری میں فتح ہوا تھا، پھر اس میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے اور وہ فتح خیبر سے دو سال پہلے غزوہ بنی قریظہ کے دوران وفات پا گئے تھے۔[1]

اس لیے نہ ہر لکھی ہوئی کتاب معتبر ہے اور نہ ہر کتاب قابلِ اعتبار ہے۔ کتاب میں تصحیف وتحریف ایک حقیقتِ واقع ہے، پھر استاد کے بغیر اس کے پڑھنے میں بھی غلطی کا امکان ہے۔ اسی لیے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بجا فرمایا ہے:

"ولا ريب ان الأخذ في الصحف وبالإجازة يقع فيه خلل، ولا سيماً في ذلك العصر، حيث لم يكن بعد نقط ولا شكل، فتصحف الكلمة بما يحيل المعنى، ولا يقع مثل ذلك في الأخذ من أفواه الرجال، وكذلك التحديث من الحفظ يقع فيه الوهم بخلاف الرواية من كتابٍ محرر"[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ کتابوں اور اجازہ سے روایت لینے میں خلل واقع ہوتا ہے۔ بالخصوص اس دور میں جس میں لکھنے کے بعد نہ اس پر نقطہ ہوتا ہے اور نہ شکل، چنانچہ کلمہ بدل جانے سے معنی تبدیل ہو جاتا ہے، مگر ایسا خلل لوگوں کی زبان سے سننے میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض حفظ کی بنیاد پر حدیث بیان کرنے میں بھی وہم

[1] السير (١٨ ٢٨٠)، تذكرة الحفاظ (٣ ١١٤١)، المنتظم (١٦ ١٢٩)، وافى بالوفيات (٧ ١٩٢، ١٩٣)، المستفاد من ذيل تاريخ بغداد (ص: ٦٠)

[2] السير (٧ ١١٤)

واقع ہو جاتا ہے۔ برعکس مصنف کتاب کے روایت کرنے میں (وہم نہیں ہوتا)۔

کتاب میں یا استاد کے بغیر پڑھنے والے سے تصحیف کا دائرہ وسیع ہے اور بے حد عجیب و غریب ہے، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ حیران کن بات ہے جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھی ہے کہ نصاریٰ کا کفر اس لیے تھا کہ انھوں نے الفاظ کے نقطوں اور شکل کو سمجھنے میں غلطی کی، چنانچہ انجیل میں تھا: "أنت نبي ولدتك من البتول"، تم نبی ہو میں نے تمھیں بتول سے پیدا کیا۔ مگر انھوں نے اسے یوں پڑھا: "أنت بني ولدتك"، "تو میرا بیٹا ہے میں نے تجھے جنا ہے۔" اسی طرح یہ بھی کہا گیا کہ اسلام میں جو سب سے پہلا فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تھا اس کا سبب بھی یہی تصحیف تھی۔ انھوں نے امیر مصر کو بلوائیوں کے بارے میں لکھا تھا: "إذا جاء كم فاقبلوه" کہ حامل کتاب جب تمھارے پاس آئے تو اس کو قبول کرو، یعنی اس کی خدمت مدارت کرو اور اس کی بات قبول کرو، لیکن "فاقبلوه" کو "فاقتلوه" پڑھا گیا۔ پھر جو کچھ ہوا سو ہوا۔[1]

اس لیے اصل عدالت ہے وہ حافظ ہو یا ناسخ۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ وہ سب عادل ہیں، کیونکہ ان کی عدالت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی ہے جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

رہے تابعینِ عظام اور ان کے بعد حفاظِ حدیث جنھوں نے اپنی پوری زندگی احادیثِ مبارکہ کو حفظ کرنے اور دفاتر میں جمع کرنے میں بسر کی۔ ان کی عدالت بھی نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ بعض مستشرقین اور ان کے اندھے عقیدت مندوں نے اگر ان پر کوئی دھبہ لگانے کی جسارت کی ہے تو علمائے امت رحمہم اللہ نے ان کے افکار و اوہام کو تار تار کر دیا ہے۔ جسے دہرانے کی ضرورت نہیں نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔

---

[1] تدريب الراوي (٢/ ٦٨)، النوع (٢٥)

جمعِ احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین کی مساعی

احادیثِ مبارکہ کی ضرورت و اہمیت ہی کی بنا پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ کرام اور حضراتِ محدثین رحمہم اللہ نے ایک ایک حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کیے، سفری صعوبتیں برداشت کیں اور پورے بلادِ اسلامیہ کی خاک چھانی۔ تب یہ ذخیرہ جمع ہوا جو امت کے ہاتھوں میں آج تک محفوظ ہے۔ جزاهم أحسن الجزاء.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا فرشتوں کی جماعت ایک جگہ بیٹھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ انھیں سلام کہو، چنانچہ وہ ان کے قریب گئے اور ''السلام علیکم'' کہا تو انھوں نے جواباً: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہا پھر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''هذه تحيتك وتحية بنيك بينهم''[1]

''یہ تیرا سلام ہے اور یہ سلام تیری اولاد کے مابین بھی ہے۔''

گویا حصولِ علم کے لیے آدم علیہ السلام کا یہ پہلا سفر تھا۔ طلبِ علم کے لیے ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع کے ہمراہ ''مجمع البحرین'' تک کا سفر کیا۔[2]

حصولِ علم کے لیے سفر کی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري (٦٢٢٧)، صحيح مسلم (٢٨٤١)، الاحسان (٦١٦٧)، البداية (١ ١٣٦)

[2] سورة الكهف، صحيح البخاري (٧٨)

"ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله له به طريقاً إلى الجنة"[1]

یہ الفاظ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مروی ہیں اور اس میں مزید یہ بھی ہے کہ فرشتے طالب علم پر اپنے آپ پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمانوں اور زمین میں رہنے والی مخلوق بخشش کی دعا کرتی ہے، حتی کہ پانی میں مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں، حتی کہ پانی میں مچھلیاں ان کے لیے بخشش کی دعا کرتی ہیں۔ ابو داود وغیرہ میں ہے کہ اسی ایک حدیث کو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے سننے کے لیے ایک صاحب مدینہ طیبہ سے دمشق آئے وہ کہہ رہے تھے کہ میرے آنے کا مقصد صرف اس حدیث کا آپ سے سننا تھا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل" میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتَّى يَرْجِعَ))[4]

جو طلبِ علم کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تا آنکہ وہ واپس آجائے۔

---

[1] صحيح مسلم (٢٦٩٩) وغيره

[2] أبو داود (٣٦٤١)، سنن الترمذي (٢٦٨٢)، ابن ماجه (٢٢٣، ٢٢٦)، ابن حبان (٨٨)، مسند أحمد، جامع بيان العلم وغيره.

[3] نیز دیکھیں: فتح الباري (١/١٦٠)، شیخ البانی رحمہ اللہ اور شیخ شعیب نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ صحيح الترغيب (١/١٣٨)، مسند امام أحمد (٢١٧١١٥)

[4] سنن الترمذي (٢٦٤٧)، صحيح الترغيب (١/١٤١)

حضرت صفوان بن عُسال المرادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حصولِ علم کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طالب علم کو مبارک ہو، طالب علموں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، ان پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر اسی طرح اوپر بلند ہوتے جاتے ہیں، حتی کہ ان کا یہ حلقہ اس طالب علم سے محبت کی بنا پر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتا ہے۔[1]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح حسن اور مرفوعاً محفوظ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن السکن سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت عاصم عن زرّ کی سند سے مشہور ہے۔ عاصم سے تیس سے زیادہ ائمہ روایت کرتے ہیں اور زرّ سے دس راوی روایت کرتے ہیں۔[2]

یہ اور اسی موضوع کی دیگر احادیث کی بنا پر ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طلبِ حدیث کی طرح ڈالی اور طالبانِ حدیث کے لیے نمونے پیش کیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل باب "باب الخروج فی طلب العلم" اور "باب الرحلة في المسئلة النازلة" قائم کیا۔

امام دارمی رحمہ اللہ نے بھی سنن میں "باب الرحلة في طلب العلم واحتمال العناء فيه" کے عنوان سے عنوان باندھا۔ حافظ مشرق خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتابچہ "الرحلة في طلب الحديث" رقم کیا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کے بڑے ایمان افروز رحلاتِ علمیہ کا تذکرہ کیا

---

[1] مستدرك الحاكم (١ ١٠٠)، طبراني كبير (٧٣٤٩)، جامع بيان العلم (١ ٣٢)، المعرفة لأبي نعيم (٣٨١٨)، مسند أحمد (٤ ٢٣٩، ٢٤٠)، ترمذي وغيره.

[2] الإصابة (٥ ٢٧١)، صحيح الترغيب (١ ١٤٥)

ہے۔ اسی طرح "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" کے تیسویں باب میں اس سے متعلقہ آداب کا ذکر فرمایا۔ جب کہ حافظ مغرب علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم[1] میں "ذكر الرحلة في طلب العلم" کے تحت صحابہ اور محدثین کی رحلات علمیہ کا ذکر کیا۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" میں بھی "باب الرحلة في طلب العلم" کا ذکر کیا ہے۔ یہ ساری تفصیل تو ایک مستقل موضوع ہے۔ ہم ان شاء اللہ یہاں چند واقعات پر اکتفا کریں گے تاکہ اس بارے میں ان کی مساعی کا اندازہ ہو پائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث کی خاطر ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے سیدنا عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔[2]

اس قصہ کی مختصر تفصیل یوں ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پتا چلا کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے تو میں نے اونٹ خریدا، اس پر کجاوا باندھا ایک ماہ کا سفر کر کے شام پہنچا (جو مدینہ طیبہ سے ۱۳۰۶ کلومیٹر کی مسافت پر ہے) اور وہ صاحب عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان کے دربان سے کہا: جائیں اور انھیں بتائیں کہ جابر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑا ہے، انھوں نے کہا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ؟ تو میں نے کہا: جی ہاں۔ چنانچہ وہ کپڑا گھسیٹتے ہوئے باہر آئے ہم دونوں بغل گیر ہوئے، میں نے کہا: مجھے آپ کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ آپ نے قصاص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی ہے۔ میں ڈرا کہ

---

[1] جامع بيان العلم (١ ٩٢)

[2] صحيح البخاري، باب الخروج في طلب العلم

کہیں حدیث کو سننے سے پہلے آپ کو یا مجھے موت آ جائے۔ چنانچہ انھوں نے مجھے وہ حدیث بیان کردی۔[1]

اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک حدیث سننے کے لیے سواری پر مصر میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ پہلے وہ امیرِ مصر حضرت مسلمۃ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ سے ملے ان سے معانقہ کیا اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا: میں نے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور یہ حدیث سننے والوں میں صرف میں اور عقبہ رضی اللہ عنہ بقید حیات ہیں میں ان سے وہ حدیث سننا چاہتا ہوں، انھوں نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر کا پتا بتایا تو وہ ان کے گھر گئے ان سے ملے بغل گیر ہوئے، انھوں نے آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں حدیث سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، وہ حدیث یوں ہے: ((من ستر مؤمنا فی الدنیا علی خزیة ستره الله یوم القیامة)) تو ابو ایوب نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا: پھر وہ اپنی سواری پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ امیر مصر نے ان کے پیچھے ان کا کھانا بھیجا جو انھیں مصر سے باہر ''عریش'' نامی شہر میں ملا۔[2]

اس روایت میں ابو سعید الاعمی اگرچہ مجہول ہے، لیکن خطیب رحمہ اللہ نے الرحلة میں اسے دیگر اسانید سے بھی نقل کیا ہے اور شیخ نور الدین عتر نے الرحلة کے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ ان مجموعہ طرق سے یہ حسن درجہ کی ہے اور یہی رائے تقریباً شیخ

---

[1] مسند امام أحمد (٣/ ٤٩٥)، الأدب المفرد (٩٧٠)، الحاكم (٢/ ٤٣٧۔٤٣٨، ٤/ ٥٤٤)، جامع بيان العلم (١/ ٩٣)، الجامع للخطيب (٢/ ٢٢٥)، فتح الباري (١/ ١٧٥) وغيره.

[2] مسند حميدي (رقم: ٣٨٤)، المعرفة للحاكم (ص: ٧، ٨)، الخطيب في الرحلة (٣٤)، وأحمد مختصراً (٤/ ١٥٣، ١٥٩) وابن عبد البر في الجامع (١/ ٩٤)

بدر البدر [1] کی ہے۔ یہ قصہ اس قدر معروف تھا کہ حیان بن حصین ابو الہیاج الاسدی نے بھی اسے بیان کیا ہے، جو ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں، ایک شخص نے مصر میں سفر کر کے ستر مومن کی یہ حدیث سنی تھی۔ [2]

عمرو بن ابی سلمۃ رحمہ اللہ نے امام عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بن عمرو الاوزاعی سے عرض کیا: میں چار روز سے آپ کی خدمت میں ہوں اور ان دنوں میں میں نے آپ سے صرف تیس احادیث سنی ہیں۔ انھوں نے فرمایا: چار دنوں میں تیس احادیث تم کم سمجھتے ہو؟ جب کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کے لیے سفر کیا تھا۔ اور حضرت ابوایوب نے مصر میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے صرف ایک حدیث سننے کے لیے سفر کیا، اور تم چار دنوں میں تیس احادیث بہت کم سمجھتے ہو۔ [3]

یاد رہے کہ المعرفہ اور الرحلہ کے نسخہ میں سقط واقع ہوا ہے یا راوی سے نام لینے میں سہو ہوا ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت سننے کا ذکر ہے، جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیث سننے کے لیے حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ واللہ اعلم

عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنی اونٹنی پر سفر کر کے مصر میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سننے کے لیے سفر کیا۔ [4]

عبداللہ بن فیروز الدیلمی رحمہ اللہ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے اور ابن قانع رحمہ اللہ نے تو انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ بیت المقدس میں رہایش پذیر تھے وہ سواری پر ایک حدیث کی طلب میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ

---

[1] مفتاح الجنة للسيوطى (ص: ٦٦) حاشيه.

[2] جامع للخطيب (٢/٢٢٦) **نیز ملاحظہ ہو:** مجموعه رسائل ابن رجب (١ ٩)

[3] الرحلة في طلب الحديث (ص: ١٢٦)، المعرفة للحاكم (ص: ٨، ٩)

[4] سنن الدارمي (١٤٢/١)، الرحلة (ص: ١٢٥) وإسناده صحيح

حاضر ہوئے، ان کے بارے میں اہلِ مدینہ سے دریافت کیا تو انھیں بتایا گیا کہ وہ تو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کی طلب میں مکہ مکرمہ پہنچے تو معلوم ہوا وہ تو طائف چلے گئے ہیں۔ وہ وہاں سے طائف تشریف لے گئے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ان کے مزرعہ میں ملے۔ باہم سلام کا تبادلہ ہوا تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسے آنا ہوا اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے اس کا جواب دیا پھر عرض کی: کیا شُربِ خمر کے بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا فرماتے تھے:

"لا يشرب الخمر رجل من أمتي فتقبل له صلاة أربعين صباحا"[1]

"میری امت کا جو فرد شراب پیے گا تو چالیس روز اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔"

عبیدۃ بن بُریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی مصر میں حضرت فضلۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا: میں آپ کی زیارت کے لیے نہیں آیا بلکہ میں نے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی، مجھے امید ہے کہ آپ کو یاد ہوگی، انھوں نے فرمایا: کون سی حدیث؟ انھوں نے بتلایا فلاں حدیث: (چنانچہ انھوں نے وہ حدیث بیان فرمائی)۔ صحابی نے کہا: آپ یہاں کے حاکم ہیں یہ پراگندی کیسی؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زیادہ عیش وعشرت سے منع فرمایا ہے۔ صحابی نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ برہنہ پا ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "کبھی ننگے پاؤں چلا کرو۔"[2]

---

[1] الحاكم (١/ ٢٥٧)، الدارمي (٢/ ١١١)، ابن خزيمه (٢/ ٦٨)، مسند أحمد (٢/ ١٧٦)، الرحلة (ص: ١٣٥)، الصحيحة (٧٠٩)

[2] سنن أبي داود (٤١٦٠)، مسند أحمد (٦/ ٢٢، رقم: ٢٣٩٦٩) وغيره

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ جن کا شمار سید التابعین میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

”ان كنت لأسير الأيام والليالي في طلب الحديث الواحد“ [1]

”میں ایک حدیث کی طلب میں کئی روز اور کئی راتوں کا سفر کرتا تھا۔“

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے الرحلۃ میں اسے متعدد اسانید سے نقل کیا ہے۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ، رفیع بن مہران الریاحی رحمہ اللہ کا شمار بھی تابعین میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں حدیث سنتا کہ اس کے راوی صحابی مدینہ طیبہ میں ہیں تو میں اس وقت تک چین نہ لیتا جب تک مدینہ طیبہ پہنچ کر ان کی زبان سے حدیث نہ سن لیتا۔ [2]

اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ایک مسئلہ کے لیے بصرہ سے کوفہ تشریف لے گئے۔ [3] بلکہ امام ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں تین روز تک مدینہ طیبہ میں ٹھہرا رہا صرف اس لیے کہ مجھے ایک صاحب کی حدیث پہنچی جسے وہ بیان کرتے تھے اور مجھے بتایا گیا کہ وہ مدینہ طیبہ آ رہے ہیں، چنانچہ میں وہاں ٹھہرا رہا وہ جب آئے تو انھوں نے مجھے وہ حدیث بیان کی۔ [4]

اسی طرح امام علقمہ اور اسود رحمہما اللہ کو کوفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توسط سے کوئی حدیث پہنچتی تو وہ وہاں سے ایک ماہ کا سفر کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوتے اور براہِ راست ان سے سماع کرتے۔ [5]

---

[1] المحدث الفاصل (ص: ٢٢٣)، الكفايه (ص: ٤٠٢)، الجامع للخطيب (٢ ٢٢٦)، المعرفة للحاكم (ص: ٨)، الجامع لابن عبدالبر (١ ٩٤) وغيرها

[2] الكفاية (٤٠٣)، الجامع للخطيب (٢ ٢٢٥)، الدارمي (١ ١١٤)، ابن سعد (٧ ١١٣)

[3] الكفاية (ص: ٤٠٢)، الرحله (ص: ١٤٣)

[4] سنن الدارمي (١ ١١٤)، الرحلة (١٤٤)، الجامع للخطيب (٢ ٢٢٧)، المحدث الفاصل (٢٢٣)

[5] علوم الحديث لابن الصلاح (ص: ٢٢٣)، النوع (٢٨)

اسی طرح امام عامر شعبی رحمہ اللہ تین احادیث کی تصدیق کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تا کہ وہ براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنیں۔ [1]

امام مکحول دمشقی فرماتے ہیں کہ میں طلبِ علم کے لیے پوری زمین میں پھرا ہوں۔ [2]

امام ہشیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بصرہ یا کوفہ میں ہوتا مجھے معلوم ہوتا کہ کوفہ میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے تو میں بصرہ سے کوفہ وہ ایک حدیث سننے کے لیے جاتا۔ [3]

یاد رہے کہ کوفہ سے بصرہ کی مسافت ۳۵۰ کلومیٹر بتائی جاتی ہے۔ ہارون بن مغیرہ الرازی رحمہ اللہ ایک اثر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا بیان کرتے تھے:

''ایک شخص کی عداوت میں ایک ہزار آدمیوں کی مودت حاصل نہ کرو۔''

امام ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی قول کو سننے کے لیے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ مرو سے سواری پر بیٹھ کر تشریف لائے، مجھ سے یہ قول سنا اور فرمایا: مرو سے یہی قول سننے کے لیے آیا تھا۔ [4]

یہ اور اسی نوعیت کے اور بھی کئی واقعات تابعین کرام کے امام رامہرمزی رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیے ہیں، مگر اب ہم بعض کبار محدثین رحمہم اللہ کی رحلاتِ علمیہ اور سفری صعوبتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام احمد رحمہ اللہ نے جن بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا ان کا نام حسبِ ذیل ہے:

ساحل سمندر پر واقع شہر الثغور، شامات، سواحل، مغرب، جزیرہ، المکہ، المدینہ، الحجاز، الیمن، کوفہ، بصرہ، فارس، خراسان، الجبال وغیرہ کا سفر کیا۔ [5]

---

(1) المحدث الفاصل (ص: ٢٢٤)
(2) التذكره
(3) الرحلة (ص: ١٥٥)
(4) الرحلة (ص: ١٥٦، ١٥٧)
(5) مناقب الإمام لابن الجوزي (ص: ٢٢) وغيره

حافظ ابن جوزی نے صید الخاطر [1] میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے دنیا (اسلام) کا دو مرتبہ سفر کیا، پھر مسند کو جمع کیا۔ امام صاحب ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ طلبِ حدیث کے لیے سفر کا آغاز ۱۷۹ھ میں کیا، جب کہ ان کی عمر تقریباً ۱۶ سال تھی۔ [2]

پہلا حج ۱۸۷ھ میں کیا، پانچ حج کیے جن میں تین حج پیدل کیے۔ ایک حج میں ان کے رفیقِ سفر امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تھے۔ امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ حج کے بعد ہم یمن میں الصنعاء چلیں گے اور امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے حدیث کا سماع کریں گے۔ اتفاقاً کیا دیکھتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ طواف کر رہے ہیں، جب امام عبدالرزاق رحمہ اللہ اور دونوں ساتھی طوافِ وداع سے فارغ ہوئے دو رکعت ادا کیں۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ، امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے ملے سلام کے بعد امام احمد رحمہ اللہ کا تعارف کروایا اور عرض کی کہ ہم ان شاء اللہ کل آپ سے ملیں گے اور آپ سے حدیث کا سماع کریں گے۔ امام عبدالرزاق چلے گئے تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: تم نے ان کے ہاں کل آنے کا وعدہ کیوں کیا۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ صنعاء یہاں سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے تو یوں وہاں آنے جانے میں دو ماہ لگیں گے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں نے وہاں جا کے سماع کی نیت کی تھی، تمھارے کہنے پر کیسے بدلوں۔ چنانچہ حج کے بعد دونوں حضرات صنعاء گئے اور امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے سماع کیا۔ [3]

مکہ مکرمہ میں واپسی پر امام صاحب سے کہا گیا کہ آپ نے امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کے پاس جانے میں بڑی مشقت اٹھائی تو انھوں نے فرمایا: ہم جو ان سے مستفید

---

[1] صيد الخاطر (ص: ٢٤٦، الفصل: ١٧٥)

[2] البداية (١١/ ١٦١) وغيره.

[3] مناقب الإمام لابن الجوزي (ص: ٣٠)، ثبت الإمام السفاريني (ص: ٩٤، ٩٥)

ہوئے اس کے مقابلے میں یہ مشقت بڑی آسان ہے، ہم نے ان سے ''الزهري عن سالم عن أبيه، الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة'' کے واسطہ سے احادیث لکھی ہیں۔

امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی رحمہ اللہ:

ان کے فرزند ارجمند امام ابو محمد عبدالرحمان بن ابی حاتم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ میرے والد نے فرمایا: میں طلبِ حدیث میں سات سال اپنے پیدل سفر کی مسافت گنتا رہا، جب ایک ہزار فرسخ ہو گیا تو میں نے شمار کرنا چھوڑ دیا۔ کوفہ سے بغداد جانے کا تو کوئی شمار قطار نہیں، مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کئی بار حاضر ہوا، سَلَا: شہر (جو انتہائے مغرب میں ہے) سے مصر پیدل آیا، پھر مصر سے رملہ پیدل، رملہ سے بیت المقدس اور عسقلان، طبریہ میں پھر طبریہ سے دمشق، دمشق سے حمص، حمص سے انطاکیہ، انطاکیہ سے طرسوس، طرسوس سے پھر حمص کیونکہ ابو الیمان رحمہ اللہ کی کچھ احادیث کا سماع رہ گیا تھا، پھر حمص سے بیسان، بیسان سے الرقہ، الرقہ سے بغداد، پھر شام پھر واسط پھر النیل وہاں سے کوفہ۔ یہ سارا سفر پیدل کیا یہ میرا پہلا سفر تھا، جب کہ میری عمر بیس (۲۰) سال تھی، یوں سات سال سفر کیا۔

دوسری بار میں نے ۲۴۲ھ میں سفر کیا اور ۲۴۵ھ میں واپس ہوا۔ فرماتے ہیں: ایک بار ہم سمندری سفر کے لیے نکلے ہمارا زادِ سفر ختم ہو گیا ہے ہم تین ساتھی تھے تین دن بھوکے چلتے رہے، ہم میں ایک بڑی عمر میں تھے وہ غش کھا کے گر پڑے ہم نے اسے حرکت دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہے، ہم نے اسے وہیں چھوڑا۔ ہم ابھی آگے ایک فرسخ چلے تھے کہ میں بھی غشی سے گر گیا۔ میرے ساتھی نے سفر جاری رکھا اس نے دور سے کشتی آتی ہوئی دیکھی۔ اہلِ کشتی ساحل پر اترے تو اس نے کپڑا ہلایا۔ چنانچہ وہ قریب آئے اسے پانی پلایا۔ اس نے کہا: میرے دو ساتھیوں کی خبر لو، وہ مجھ تک آئے

میرے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے مجھے ہوش آیا۔ پھر وہ آگے بڑھے تو اس بوڑھے کو بھی لے آئے ہم کچھ روز وہاں ٹھہرے تا آنکہ ہمارے جسموں میں طاقت آئی۔ [1]

امام ابو حاتم رحمہ اللہ کا ہی بیان ہے کہ میں امام ابوالولید الطیالسی رحمہ اللہ کے ہاں تھا اور وہاں امام ابوزرعہ رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے اعیان محدثین تشریف فرما تھے میں نے کہا: مجھے جو بھی کوئی ایسی حدیث بتائے جو مجھے معلوم نہ ہو تو میں اسے ایک درہم دوں گا۔ میرا مقصد یہ تھا وہ روایت جس کسی محدث سے مروی ہو گی میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر براہِ راست ان سے اس کا سماع کروں گا۔ مگر کسی نے بھی کوئی ایسی حدیث بیان نہ کی۔ [2]

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں ۲۱۴ھ میں آٹھ ماہ بصرہ میں رہا، میرا وہاں ایک سال رہنے کا خیال تھا۔ اس دوران میں زادِ رہ ختم ہو گیا تو میں نے اپنے کپڑے فروخت کرنا شروع کر دیے اور ان کی قیمت بھی ختم ہو گئی، میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ محدثین کرام کی خدمت میں حاضر ہوتا شام تک ان سے احادیث کا سماع کرتا۔ میرا ساتھی اپنے مسکن میں چلا جاتا ہے اور میں اپنے خالو کے گھر آ جاتا۔ بھوک کی وجہ سے پانی پی لیتا۔ پھر اگلے روز بھوکا ہی اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر سماع حدیث میں مشغول ہو جاتا۔ وہ چلا جاتا تو میں بھوکا واپس آ جاتا۔ تیسرے روز میرا ساتھی میرے پاس آیا اور کہا: چلیں، مشائخ سے سماع کریں۔ میں نے کہا: میں بہت کمزور ہو گیا ہوں میں آپ کے ساتھ جا نہیں سکتا۔ اس کا باعث یہ کہ دو دن سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک دینار ہے میں اس میں سے نصف دینار تمھیں دیتا ہوں اور نصف کرائے کے

---

1. التذكرة (٢ ٥٦٨)، السير (١٣ ٢٥٥، ٢٥٧)، تقدمة الجرح والتعديل (٣٦٣، ٣٦٤) ملخصاً
2. التذكرة (٢ ٥٦٨)، تقدمة الجرح والتعديل (٣٥٥) وغيره

لیے رکھ لیتے ہیں، چنانچہ میں نے نصف دینار لے لیا اور بصرہ سے چل نکلے۔[1]

امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ:

کبار محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے اور فرماتے ہیں تیس سال میں علم کے حصول میں سفر کرتا رہا۔[2]

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ان کا سماع حدیث اور رحلاتِ علمیہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا ذکر ممکن نہیں۔ (ایضاً)

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے خود انھوں نے فرمایا ہے کہ میں ایک شہر میں گیا وہاں کے شیخ سے ملاقات کی، میرا زادِ سفر کم ہو گیا وطن سے دور تھا، رات کو احادیث مبارکہ لکھتا اور دن کو شیخ پر حدیث کی قراءت کرتا، ایک رات میں لکھ رہا تھا رات کافی بیت گئی تو اچانک میری آنکھوں میں پانی آ گیا نہ مجھے چراغ نظر آ رہا تھا نہ گھر، میں اس پریشانی سے رونے لگا کہ اب میں علم کیسے حاصل کر پاؤں گا۔ روتے روتے میری آنکھ لگ گئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی آپ فرما رہے تھے۔ اے یعقوب! کیوں روتے ہو؟ عرض کی: جناب! میری بینائی جاتی رہی میں پریشان ہوں کہ آپ کی احادیث نہیں لکھ سکوں گا اور وطن سے بھی دور ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میرے قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری آنکھوں پر پھیرا گویا کہ آپ دم کر رہے ہیں۔ پھر میری آنکھ کھل گئی تو میری نظر بحال ہو چکی تھی۔ میں چراغ کی روشنی میں پھر احادیث لکھنے لگا۔[3]

---

1. تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٣٦٣، ٣٦٤)، الرحلة (ص: ٢٠٨)
2. تهذيب (١٤/ ٨٦١) وغيره
3. السير (١٣/ ١٨٢)، تهذيب (١٤/ ٨٦٠)، البدايه (١١/ ٣٢١)، تاريخ دمشق (٧٤/ ١٤٣)، تهذيب للمزي (٢٠/ ٤٣٠)

امام بقی بن مخلد اندلسی رحمہ اللہ:

اندلس سے چل کے عالمِ اسلام کے تمام اہم بلاد میں پیدل چل کے انھوں نے احادیث جمع کیں۔ چنانچہ حرمین شریفین، مصر، شام، الجزیرہ، حلوان، بصرہ، کوفہ، واسط اور بغداد وغیرہ کے اعیان محدثین سے سماع کیا، خود فرماتے ہیں:

"وسمعت من كل من سمعت منه في البلدان ماشياً إليهم على قدمي"[1]

اور جس سے بھی میں نے سماع کیا ہے اپنے دونوں قدموں پر چل کر ان کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ بلکہ ابو عبدالملک احمد بن محمد قرطبی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں: "لم ير راكباً دابة قط" انھیں کبھی سواری پر نہیں دیکھا گیا۔[2]

ترجمہ نگاروں نے لکھا ہے کہ امام بقی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ سے بغداد تشریف لے گئے۔ وہ امام احمد رحمہ اللہ سے سماع کا ارادہ رکھتے تھے خود فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد پہنچا تو پتا چلا کہ خلیفہ وقت نے ان سے میل ملاقات روک دی ہے جس کا مجھے شدید غم ہوا۔ بالآخر میں نے امام احمد رحمہ اللہ کے گھر کا پتا پوچھا تو مجھے اس کا محل وقوع بتایا گیا، چنانچہ میں وہاں پہنچا دروازہ کھٹکھٹایا تو امام صاحب باہر تشریف لائے میں نے عرض کی: میں حدیث کا طالب علم ہوں میرا سفر صرف آپ سے سماع کا تھا۔ انھوں نے فرمایا: اندر آجاؤ کوئی تمھیں دیکھ نہ لے، میں گھر میں داخل ہوا تو انھوں نے فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کی: انتہائے مغرب سے، فرمایا: افریقہ سے؟ میں نے عرض کی: افریقہ سے آگے اندلس سے، فرمایا: بہت دور سے آئے ہو مگر تمھیں پتا چل گیا ہے کہ میں ایک امتحان میں مبتلا ہوں۔ میں نے عرض کی: جی ہاں، مجھے معلوم ہوا ہے مگر میں یہاں پہلی بار آیا ہوں کسی سے جان پہچان نہیں۔ اگر آپ اجازت

---

[1] السير (١٣/ ٢٩٢) [2] أيضاً.

دیں تو روزانہ سائل بن کے آجایا کروں اور جیسے سائل سوال کرتا ہے اسی طرح بھکاری بن کر سوال کروں گا میرے ہاتھ میں عصا ہوگا سر پر میلی کچیلی پگڑی ہوگی، آپ اسی اثنا میں ایک حدیث سنا دیا کریں میرے لیے یہی کافی ہے۔ انھوں نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے۔ چنانچہ میں روزانہ ان کے دروازے پر جاتا اور صدا لگاتا "الأجر رحمك الله" اللہ تمھیں اجر عطا فرمائے۔" وہ دروازے پر تشریف لاتے پھر دروازہ بند کر دیتے اور کھڑے کھڑے دو تین احادیث سنا دیتے۔ تا آنکہ خلیفہ فوت ہوگیا۔ پھر خلیفہ وہ ہوا جو مذہب اہلِ سنت پر تھا۔ امام صاحب نے علی الاعلان درس دینا شروع کر دیا میں جب ان کے حلقہ میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا: اے اصحاب الحدیث! یہ ہے طالب علم، پھر سارا قصہ سنایا۔[1] (یہ واقعہ سنداً صحیح ہے)۔

البتہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر معنوی طور پر نکارت کا حکم لگایا ہے مگر دکتور اکرم ضیاء العمری نے "بقي من مخلد القرطبي ومقدمة مسنده"[2] میں ان کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے اس واقعے کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام عبدالرحمان بن ابی حاتم رحمہ اللہ:

ان کا پہلا سفر اپنے والد گرامی کے ہمراہ ۲۵۵ھ میں تھا جب کہ وہ پندرہ سال کے تھے، اسی سال انھوں نے حج کیا اور امام محمد بن ابی عبدالرحمان المقرئ رحمہ اللہ سے سماع کیا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ کے علاوہ شام، مصر، سواحل اور اصبہان وغیرہ ممالک کا سفر کیا۔ ان کا بیان ہے کہ ہم مصر میں چھے ماہ رہے اس دوران شوربہ نہیں کھایا، سارا دن شیوخ کی مجالس میں سماع میں گزر جاتا اور رات احادیث لکھنے اور نسخوں کے مقابلے میں بیت جاتی۔

ایک روز میں اور میرا ساتھی ایک شیخ کے ہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا وہ بیمار

---

1. السیر (۱۳/ ۲۹۲، ۲۹۳) ملخصاً
2. بقي بن مخلد القرطبي ومقدمة مسنده (ص: ۴۰، ۴۱)

ہیں۔ واپس آتے ہوئے ہمیں مچھلی نظر آئی جو بھلی لگی تو ہم نے خرید لی، جب جائے رہایش پر پہنچے تو ایک اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا وقت ہو گیا۔ یوں ہم اس مچھلی کو کھانے کے لائق تیار نہ کر سکے یوں ہی تین دن گزر گئے۔ اندیشہ ہوا کہ کہیں مچھلی خراب نہ ہو جائے تو ہم نے اسے کچا ہی کھا لیا ہمیں اس کو بھوننے کا وقت ہی نہ ملا۔ پھر فرمایا: علم راحتِ جسم سے حاصل نہیں ہوتا۔[1]

ان سے پوچھا گیا کہ اس قدر سماع کا راز کیا ہے؟ تو فرمایا: والد گرامی ابو حاتم رحمہ اللہ کھانا کھاتے اور میں ان پر قراءت کرتا، وہ چلتے تو میں قراءت کرتا، بیت الخلاء جاتے تو میں قراءت کرتا، گھر میں کوئی چیز تلاش کرتے تو میں قراءت کرتا۔[2]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ:

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے سفر کا آغاز اوائل عمر ہی سے کر دیا تھا۔ وہ اپنے بھائی احمد اور والدہ رحمہا اللہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد والدہ محترمہ اور بھائی واپس چلے گئے اور امام بخاری رحمہ اللہ وہاں طلبِ علم میں مشغول ہو گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ طلبِ علم کے لیے ان کا سب سے پہلا سفر ۲۱۰ھ میں تھا۔ جب کہ ان کی عمر (۱۶) سولہ سال تھی، لیکن حدیث پڑھنے کا آغاز اس سے پہلے نو، دس سال کی عمر میں کیا تھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں شام، مصر اور جزیرہ میں دو مرتبہ گیا۔ چار، پانچ مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال حجاز مقدس میں گزارے۔ اس کے علاوہ واسط میں گیا۔ بغداد اور کوفہ میں تو بے شمار مرتبہ جانا ہوا۔

خود فرماتے ہیں کہ میں امام آدم بن ابی عیاش رحمہ اللہ کے ہاں جب گیا تو زادِ سفر ختم ہو گیا۔ تین دن جڑی بوٹیاں کھا کے گزارہ کیا۔ تیسرے روز ایک اجنبی شخص آیا تو

---

[1] السیر (۱۳ ۲۶۶)، التذکرۃ (۳ ۸۳۰)

[2] السیر (۱۳ ۲۵۱)

اس نے مجھے دیناروں کی تھیلی دی۔[1]

ایک مرتبہ وہ بیمار ہو گئے ان کا پیشاب اطباء کو دکھایا تو انھوں نے کہا یہ تو کسی عیسائی راہب کا پیشاب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہ سالن نہیں کھاتے۔ امام صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے چالیس سال سے سالن نہیں کھایا۔ اس کا علاج پوچھا گیا تو اطباء نے کہا: انھیں سالن کھلاؤ، چنانچہ مشائخ اور اہلِ علم نے انھیں سالن کے استعمال کا کہا تو انھوں نے فرمایا: میں شکر (یعنی میٹھی چیز) سے کھانا کھایا کروں گا۔[2]

اپنے اس عمل میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ ان کے تلمیذ محمد بن ابی حاتم وراق رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک رات میں نے دیکھا کہ پندرہ سے بیس مرتبہ بستر سے اٹھے چراغ جلاتے اور احادیث لکھتے ان پر نشان لگاتے پھر لیٹ جاتے۔ میں نے عرض کی: آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی مجھے بیدار کر دیتے، فرمایا: تم جوان ہو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ تمھاری نیند خراب کروں۔[3]

امام ابو الوقت عبدالاول بن عیسیٰ السجزی رحمہ اللہ:

۴۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ امام ابن عساکر، امام سمعانی اور حافظ ابن الجوزی رحمہم اللہ جیسے اعیان کو ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ فرماتے ہیں کہ نے صحیح بخاری کے سماع کے لیے اپنے والد کے ہمراہ ہراۃ سے بوشنج کا پیدل سفر کیا جب کہ میری عمر دس سال سے بھی کم تھی۔ بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ ۴۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۵ھ میں عبدالرحمان بن محمد داودی بوشنجی سے صحیح بخاری، سنن دارمی، منتخب عبد بن حمید کا بوشنج میں سماع کیا۔ گویا سات سال کی عمر میں انھوں نے ان کتب کا سماع کیا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ سفر کے دوران والد صاحب میرے ہاتھوں میں دو

---

[1] هدى الساري (٤٨٠)، السير (١٣/ ٤٤٨)

[2] أيضاً (ص: ٤٨١) [3] أيضاً (ص: ٤٨١) وغيره

پتھر تھما دیتے اور فرماتے انھیں پکڑے رکھو، میں ان کے خوف سے ان پتھروں کی ہاتھوں سے حفاظت کرتا۔ جب وہ دیکھتے کہ میں تھک گیا ہوں تو فرماتے: ایک پتھر پھینک دو، یوں میں چلتا رہا، انھوں نے فرمایا: کیا تھک گئے ہو تو ان سے ڈرتا ہوا کہہ دیتا نہیں تو وہ فرماتے پھر تم آہستہ کیوں چلنے لگے ہو؟ تو میں تھوڑی دیر کے لیے ان کے آگے تیز تیز چلتا، پھر تھک جاتا، پھر وہ مجھے دوسرا پتھر بھی پھینک دینے کا حکم دیتے اور مجھے اٹھا لیتے۔ پھر ہم ایک کاشت کاروں اور تاجروں کی ایک جماعت سے ملے، انھوں نے والد صاحب سے کہا: اس بچے کو ہمارے سپرد کر دو اور آپ بھی ہمارے ساتھ سواری پر بیٹھ جاؤ، ہم آپ کو بوشنج تک لے جائیں گے۔ والد صاحب نے فرمایا: معاذ اللہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی طلب میں سواری پر بیٹھ جائیں ہم چل کر ہی جائیں گے۔ یہ جب چلنے سے عاجز ہو جائے گا تو میں اس کو سر پر بٹھا لوں گا۔

اور یہ ساری مشقت رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی عظمت و جلال اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے تھی، امام عبدالاول رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حسنِ نیت کا ثمر یہ ملا کہ اس وقت میرے تمام ہم عصر فوت ہو گئے صرف میں بچا ہوں اور تمام بلادِ اسلامیہ سے صحیح بخاری کے سماع کے لیے طلبا میرے پاس آتے ہیں۔

۵۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ موت کے وقت صوفی محمد بن قاسم آئے اور جھک کر کہنے لگے: یا سیدی! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس کا آخر کلام لا إلٰہ إلا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا تو انھوں نے آنکھ اوپر اٹھاتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾

[یٰسٓ: ۲٦، ۲۷]

”اے کاش! میری قوم جان لے، اس بات کو کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنایا ہے۔“

یہ سن کے محمد بن قاسم اور دیگر حاضرین حیران ہو گئے اور وہ اختتام سورت تک پڑھتے رہے، پھر تین بار اللہ، اللہ، اللہ کہا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ [1]

حافظ حجاج رحمہ اللہ بن یوسف ابن شاعر:

امام مسلم، ابو داود، ابن ابی حاتم وغیرہم رحمہم اللہ کے استاد تھے۔ صالح جزرۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا فرماتے تھے: میری والدہ (۱۰۰) سو روٹیاں پکا کر دیتی میں انھیں چمڑے کے تھیلے میں رکھ لیتا اور مدائن میں امام شبابہ بن سوار رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ ان کے دروازے پر رہتا ایک روٹی دجلہ کے پانی میں بھگو بھگو کر کھا لیتا۔ جب روٹیاں ختم ہو جاتیں تو واپس آ جاتا۔ [2]

حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ:

ان کا بیان ہے: طلبِ علم کے اسفار میں مجھے دو دفعہ پیشاب کے راستے خون آنے لگا۔ ایک بار بغداد میں اور دوسری بار مکہ مکرمہ میں، میں گرمی میں برہنا پا چلتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ عارضہ لاحق ہوا، میری کتابیں میری پشت پر ہوتیں اور شب و روز بیس فرسخ سفر کرتا۔ طلبِ حدیث میں کبھی سواری پر نہیں بیٹھا اور نہ کسی سے کوئی سوال کرتا تھا۔

بعض اوقات ایک رات میں تقریباً ۱۷ فرسخ کرتا۔ میں نے طوس سے اصبہان کا سفر اس ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لیے کیا۔ جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ جس کا ذکر مجھ سے بعض ساتھیوں نے رات کو کیا تھا۔ چنانچہ میں صبح اصبہان کی طرف چل نکلا۔ تا آنکہ میں شیخ ابوعمرو کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے ان پر ان کے والد کے واسطہ سے یہ حدیث قراءت کی۔ اس کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

---

[1] السیر (۳ ۳۰۷، ۳۰۸)

[2] تاریخ بغداد (۸ ۲٤۰)، السیر (۱۲ ۳۰۲)، التذکرۃ (۲ ۵۵۰)

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ)) [1]

انھوں نے حجاز، شام، مصر، ثغور، نیساپور، شیراز، ہراۃ، اصبہان، الری، تستر، اسجنہ، الجزیرہ، عراق، الجبال، فارس، خوزستان اور خراسان وغیرہ بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔

فرماتے ہیں: میں تِنِّیس (یہ دریائے مصر کا ایک جزیرہ ہے) میں تھا میرا خرچ کم پڑ گیا صرف ایک درہم بچا اور مجھے کاغذ اور سیاہی کی ضرورت تھی، میں متردد تھا کہ اس سے روٹی کھاؤں، یا کاغذ خریدوں، یا سیاہی خریدوں، یوں تین دن گزر گئے میں کچھ کھا نہ سکا، جب چوتھا دن ہوا تو میں نے سوچا اگر میں کاغذ خریدوں تو بھوک کی وجہ سے کچھ لکھ نہیں سکوں گا، میں نے درہم منہ میں ڈالا مگر ہوا یوں کہ وہ میرے پیٹ میں اتر گیا اور میں ہنسنے لگا کہ یہ کیا ہوا اسی اثنا میں میرا ایک دوست ملا، اس نے کہا: ہنس کیوں رہے ہو؟ میں نے کہا: خیر ہے کچھ نہیں، اس نے اصرار کیا مگر میں نے بات بتانے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس کے کہنے پر میں نے سارا قصہ سنا دیا تو وہ مجھے گھر لے گیا اور پُرتکلف کھانا کھلایا۔ جب ہم ظہر کی نماز کے لیے نکلے تو تِنِّیس عاملِ تِنِّیس ابن قادوس کے وکیل سے ملاقات ہو گئی تو انھوں نے میرے بارے میں پوچھا یہ کون ہیں؟ ساتھی نے میرا تعارف کروایا تو اس نے کہا: میرے صاحب نے ایک مہینہ سے مجھے کہہ رکھا تھا کہ ابنِ طاہر سے ملیں اور روزانہ ان کی خدمت کے لیے دس درہم دیں۔ میں یہ بھول گیا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے تین سو درہم لا کر دیے۔ [2]

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم ابن المقریٔ الاصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۱ھ):

امام ابن المقریٔ کا بیان ہے کہ میں نے شرق و غرب کا چار بار سفر کیا ہے اور میں

---

[1] صحیح مسلم (۲۷۳۹)

[2] السیر (۱۹/ ۳۶۳، ۳۶۷)، التذکرہ (٤/ ١٢٤٣)، التقیید لابن نقطة (١/ ٥٦)

مفضل بن فضالہ کے نسخہ کے حصول کے لیے ۷۰ مرحلہ سفر کیا۔ (''مرحلہ'' ایک دن کے سفر کو کہتے ہیں گویا ۷۰ دن سفر کیا)۔ اگر میں یہ نسخہ نان بائی کو ایک روٹی کے عوض دوں تو وہ اسے قبول نہ کرے۔ فرماتے ہیں میں بیت المقدس دس بار گیا ہوں، چار حج کیے اور مکہ مکرمہ میں پچیس ماہ رہا ہوں۔ پچاس بلاد میں چل پھر کے شیوخ سے سماع کیا ہے، مثلاً: بغداد، الاہوز، الموصل، عسقلان، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، حلب، تستر، دمشق، صیدا، بیروت، رملہ، عکا، الأذنہ واسط، عسکر، حمص، الرقہ، مصر، حران اور وہاں کے مشائخ جن سے انھوں نے سماع کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کا نام بنام ذکر کیا ہے۔[1]

امام ابو طاہر احمد بن محمد بن احمد السِّلفی الاصبہانی رحمہ اللہ (المولود ۴۷۴ھ/۵۷۶ھ):

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے اٹھارہ (۱۸) سال بلادِ اسلامیہ میں حصولِ علم کے لیے سفر کیا۔ بیس سال کے تھے بغداد آئے اور وہاں کے بہت سے مشائخ سے سماع کیا اور ایک مستقل کتاب ''المشیخۃ البغدادیۃ'' کے نام سے لکھی۔ جو ۳۵ اجزا پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے، جس میں چھے سو سے زائد شیوخ کا ذکر ہے۔ ایک اصبہان کے شیوخ پر ''مشیخۃ'' ہے اصبہان میں ۴۸۸ھ سے ۴۹۳ھ تک سماع کیا۔ اور ایک ''معجم السفر'' کے نام سے باقی بلاد اسلامیہ کے شیوخ پر مشتمل ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہے۔ پاکستان میں اسے الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد نے محترم دکتور شیر محمد زمان حفظہ اللہ کی تحقیق سے شائع کیا ہے اور یہ معجم ۱۹۴۷ شیوخ پر مشتمل ہے۔ ''مرآۃ الزمان'' میں ہے کہ وہ پیدل سفر کرتے تھے۔ ''وطاف الدنیا'' طلبِ حدیث کے لیے پوری دنیا میں پھرے، محدثین کرام سے ہی نہیں خواتین محدثات سے بھی سماع کیا۔ بعض نے ان کے اسماء حروفِ معجم پر جمع کیے ہیں۔ تقریباً ۴۹۴ھ میں وہ بغداد میں اصبہان سے مسندِ عراق حافظ ابو الخطاب نصر بن احمد ابن بطر سے

[1] السیر (۱۶/ ۳۹۸)، تاریخ اسلام (ص: ۳۸)، وفیات (۳۸۱)، التذکرۃ (۳/ ۹۷۳) وغیرہ

سماع کے لیے حاضر ہوئے حال یہ تھا انھیں بھگندر کی تکلیف تھی، اسی تکلیف میں انھوں نے ٹیڑے بیٹھ کر ان پر پچیس اجزا کی قراءت کی اور ان سے اجازت لی۔

۴۹۷ھ تک بغداد میں رہے۔ ان اجزا کی روایت میں وہ منفرد تھے اسی طرح ان سے الدعا للمحاملی تین اجزا المحاملیات کے روایت کرنے میں بھی منفرد ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کا مشغلہ ہمیشہ لکھنا اور روایت کرنا تھا اور ان کو راحت اسی سے ہوتی تھی۔ حافظ السّلفی خود فرماتے ہیں: مجھے اسکندریہ میں ساٹھ سال ہو گئے ہیں مگر میں نے اس کا منارہ کمرے کی اس کھڑکی سے دیکھا ہے۔ ان کا مشہور شعر ہے:

ان علم الحديث علم رجال　　　تركوا الابتداع للاتباع

فاذا جن ليلهم كتبوه　　　وإذا أصبحوا عدوا للسماع

علمِ حدیث مردوں کا علم ہے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں بدعات کو چھوڑ دیا۔ جب ان پر رات ہوتی ہے تو وہ احادیث لکھتے ہیں اور جب صبح کرتے ہیں تو سماع کے لیے جلد چل نکلتے ہیں۔ ان کے تلمیذ حافظ عبدالقادر فرماتے ہیں:

"مجلسِ سماع میں حدیث کے احترام میں نہ پانی پیتے، نہ تھوکتے، نہ تورّک کرتے نہ کوئی قدم آگے پیچھے کرتے جب کہ وہ سو سال سے زیادہ کے ہو چکے تھے۔ ایک کتاب انھوں نے "أربعين حديثا عن أربعين شيخاً في أربعين بلداً" کے نام سے لکھی اور وہ اس نوعیت پہلی کتاب تھی۔ امام ابن نقطہ رحمہ اللہ نے کچھ ان بلاد کے نام لکھے۔ جہاں حافظ السّلفی پہنچے ہیں، چنانچہ اصبہان جو ان کا وطن تھا سے بغداد، کوفہ، مکہ مکرمہ، واسط، بصرہ، خوزستان، بلاد السیسر، نھاوند، ھمذان، قزوین، زنکان، ساوہ، جرباذقان، الری، الدربند (وھو آخر بلاد الاسلام) تفلیس، آذربیجان، خلاط، دیاربکر، الجزیرہ، نصیبین، دمشق، مصر، الاسکندریہ۔ المشیخۃ

البغدادیہ کے محقق شیخ احمد فرید احمد نے ٦٨ بلاد کا نام بنام ذکر کیا ہے، جو ان کے رحلاتِ علمیہ کی جولان گاہ رہے ہیں۔"[1]

امام ابن مندہ رحمہ اللہ (٣١٠، ٣٩٥):

امام ابو عبداللہ محمد بن اسحاق ابن مندہ رحمہ اللہ نے ٣١٨ھ میں آٹھ سال کی عمر میں سماع کا آغاز کیا۔ جن کے شیوخ کی تعداد ہزاروں پر مشتمل ہے، ان سے کتنی احادیث سنی ہیں، فرماتے ہیں: وہ پانچ ہزار (٥٠٠٠) مَنّ ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: منّ دو جلدوں یا ایک بڑی جلد کو کہتے ہیں۔ (السیر)

التذکرہ میں ہے: "منّ" میں دس بڑے اجزا ہوتے ہیں۔ انھوں نے (٣٠) تیس سال طلبِ حدیث کے لیے سفر کیا۔ خود فرماتے ہیں: میں نے مشرق ومغرب کا دو بار سفر کیا۔ ان کا ایک قول یہ ہے کہ میں نے تیس ہزار شیوخ کو دیکھا ہے۔ دس ہزار سے میں نے روایت کی اور ان کی پیروی کی ہے۔ دس ہزار سے صرف روایت لی ہے اور کسی بدعتی سے میں نے روایت نہیں کی۔ اور دس ہزار تو میرے جیسے ہیں اور ہر ایک سے کم از کم دس احادیث کو یاد کیا ہے ان کی جولان گاہ اصبہان کے بلاد کے علاوہ حجاز، خراسان، ماوراء النہر کے بلدان، عراق، مصر، شام، نیساپور، بخارا، سرخس، مرو، طرابلس، حمص، سمرقند وغیرہ ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم أعلم أحداً كان أوسع رحلة منه"[2]

"مجھے معلوم نہیں کہ ان سے زیادہ کسی نے طلبِ علم میں سفر کیا ہو۔"

خود ان کا اپنا بیان ہے:

---

[1] ملاحظہ ہوں: السیر (٢١ ٥)، التذکرہ (٤ ١٢٩٨)، التقیید لابن نقطة (١ ٢٠٤)، الانساب (٢٧٤/٣)، البدایة (٣٠٧/١٢)، اللسان (٢٩٩/١، ٣٠٠)، طبقات الشافعية (٣٢/٦)، فهرس الفهارس (٩٩٤/٢) وغيرها.

[2] السیر (٢٨/١٧)، التذكرة (١٠٣١/٣)، طبقات حنابلة (١٦٧/٢)، البدايه (٣٣٦/١١) وغيره

"طغت الشرق والمغرب مرتين"

"میں نے دو بار مشرق و مغرب کا سفر کیا ہے۔"

امام ابو سعد السمعانی رحمہ اللہ:

امام ابو سعد عبدالکریم بن الامام محمد السمعانی الخراسانی ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۲ھ میں ۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے نیساپور اصبہان، بغداد، حرمین شریفین، شام، آمل، طبرستان، باء بیورد، اسفرایین، انبار، بخارا، بروجرد، بسطام، بصرہ، کوفہ، بخشور، بلخ، ترمذ، جرجان، حلب، حماۃ، حمص، حرتنک عند قبر الامام بخاری، خسرو جرد، خوار، الری، الرحبۃ، بساوۃ، سرخس، سمرقند، سمنان، سنجار، ہمذان، ہراۃ، طوس، کرح، ثنا واسط، الموصل، نھاوند، الطالقان، بوشنج، المدائن، بیت المقدس اور الخلیل یہ تمام نام لکھتے ہوئے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"ولا يوصف كثرة البلاد والمشايخ الذين أخذ عنهم"

کثرت بلاد اور ان کے مشایخ جن سے انھوں نے روایت کی ہے ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بعض نے ان شیوخ کی تعداد سات ہزار لکھی ہے۔ ان کی تصانیف اس مختصر عمر میں تقریباً ۵۳ ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور الانساب ہے جو مطبوع ہے۔ اپنے شیوخ پر مشتمل ایک التحبیر فی المعجم الکبیر دو جلدوں میں جس میں انھوں نے اپنے ۱۱۹۳ مشایخ کا ذکر کیا ہے، مگر اس کا قلمی نسخہ ناقص ہے، اس کے محقق منیرہ ناجی سالم نے ذکر کیا ہے، ایک کتاب "المنتخب من معجم شیوخ السمعانی" دو جلدوں میں مطبوع ہے جس میں ۱۴۴۶ شیوخ کا ذکر ہے۔ ان کی تصنیف الاملاء والاستملاء بھی مطبوع ہے۔

حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد الدقاق الاصبہانی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ):

حافظ الدقاق ۴۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ پہلا سفر میں نے

۴۶۶ھ میں کیا۔ ۴۷۰ھ میں، میں نے سرخس کے شیوخ سے سماع کیا۔ طلبِ حدیث کے لیے میں نے طوس، ہراۃ، بلخ، مرو، بخارا، سمرقند، کرمان، جرجان، نیساپور کا نام لیتے ہوئے ۱۲۰ بلادِ اسلامیہ کا نام لیا۔ اصبہان میں ایک ہزار سے زائد شیوخ سے اور باقی رحلات میں بھی ایک ہزار سے زائد شیوخ سے علمِ حدیث کا سماع کیا۔ ہراۃ اور نیشاپور میں چھے سو شیوخ سے سماع کیا۔[1]

یہ ان چند اساطین کا ذکر ہے جنھوں نے بلادِ اسلامیہ میں گھوم پھر کے احادیثِ مبارکہ کو جمع کیا۔ قابلِ غور بات ہے کہ اگر حدیث حجت نہیں تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر محدثین عظام تک کے یہ اسفار فضول تھے اور یہ سب حضرات عجمی سازش کا شکار تھے؟ جیسا کہ منکرینِ حدیث باور کرانا چاہتے ہیں۔ اگر عجمی سازش کہیں تھی وہ عجم میں اسلام پھیلنے کے بعد ہوئی ہوگی۔ لیکن صحابہ کرام اور تابعینِ عظام تو بہرنوع اس سازش سے ہی بے خبر تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہی جمعِ حدیث کے اولین امام تھے۔ انھوں نے احادیث روایت کرنے اور اس کے لیے سفر کرنے کی روایات کو بیان کیا اور ایک، ایک روایت کے لیے ایک ایک ماہ کا سفر کر کے حدیث کو حاصل کیا اور آنے والوں کے لیے انھیں محفوظ کر دیا۔

عجیب بات ہے کہ یہ ہزاروں محدثین جو پورے عالمِ اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ عالمِ اسلام میں کسی کو ان کی یہ سازش سمجھ نہ آئی۔ البتہ چودھویں صدی کے منکرینِ حدیث کو اس سازش کی ''بو'' محسوس ہوئی۔ ادارۂ طلوع اسلام اور ان کے ہمنواؤں کو اس کا احساس ہوا۔ کیا امام سعید بن مسیّب، امام مالک، امام نافع، امام سالم، امام قاسم وغیرہم رحمہم اللہ عجمی تھے؟ امام مالک رحمہ اللہ سے تمام اطرافِ عالم سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے حدیث کے سماع کے لیے حاضر ہوتے ان کے تلامذہ کا

---

[1] السیر (۱۹/ ۴۷۴)، التذکرہ (۴/ ۱۲۵۵) وغیرهما

شمار ایک ہزار تین سو سے زائد بتایا گیا ہے۔[1]

جن میں سے کوئی بھی اس سازش کو نہ پا سکا۔ انھوں نے موطأ کی تدوین کی حکومتِ وقت نے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں اس کی تنفیذ چاہی، مگر امام مالک رحمہ اللہ نے انکار کر دیا۔ ''سازش'' کا اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا تھا۔ حیرت ہے کہ جو محدثین سند کو سننے کے بعد فرما دیتے کہ مثلاً: یہ روایت امام زہری رحمہ اللہ سے نہیں، یہ سفیان کی سند سے نہیں، اسے شعبہ روایت نہیں کرتے۔ اس کی اصل سند یوں ہے وہ یہ بھی خبر رکھتے کہ شاگرد نے یہ روایت استاد سے کہاں اور کس سن میں سنی، انھوں نے استاد سے سماع کیا یا نہیں۔ راوی حدیث نے کتنی غلطیاں کی ہیں یہ تو سب کچھ انھیں معلوم تھا مگر ''عجمی سازش'' کو وہ سمجھ نہ پائے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی ۔نور اللہ مضجعہ۔ نے بجا فرمایا ہے کہ اس ''سازش'' سے تو قرآن بھی محفوظ نہیں، کیونکہ جن قراء سبعہ کے توسط سے قرآن پاک ہم تک پہنچا ہے ان میں صرف دو عربی ہیں باقی عجمی ہیں۔ عربی زبان کی امامت بھی عجمیوں کے سپرد ہے۔ آپ صرف حدیث میں عجمی سازش سمجھ رہے ہیں (جب کہ) آپ کی پوری علمی جائیداد پر عجمی قبضہ ہے۔[2]

علم راحت اور آرام سے نہیں ملتا:

سابقہ محدثین کرام کے واقعات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ علم راحت و آرام سے حاصل نہیں ہوتا۔ امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ''[3]

---

[1] ترتیب المدارك (١ ٢٥٤)

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حجیتِ حدیث (ص: ۵۴، ۵۵)

[3] صحيح مسلم (٦١٢)

”علم جسم کے آرام وسکون سے حاصل نہیں ہوتا۔“

شیخ ابو احمد نصر بن احمد العِیاضی الفقیہ السمر قندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لا ينال هذا العلم الا من عطّل دكانه، وخرّب بستانه، وهجر إخوانه، ومات أقرب أهله إليه، فلم يشهد جنازته“[1]

”یہ علم اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی دکان بند کر دیتا ہے، اپنا باغ برباد کر لیتا ہے، اپنے دوست واحباب سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے، اس کے گھر کا قریبی فوت ہو جائے تو وہ اس کے جنازے میں نہیں پہنچ پاتا۔“

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”العلم شئ لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك“[2]

”علم ایسی چیز ہے جو تجھے اپنا کچھ حصہ تبھی دے گا جب تم اپنا تمام تر اس کے سپرد نہ کر دو۔“

امام ابو سعد محمد بن الحسین الحرمی رحمہ اللہ نے فرمایا: اہلِ حدیث ہی حدیث پر صبر کرتے ہیں۔[3] یعنی علمِ حدیث کا حصول بڑا صبر آزما ہے یہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے تو میں ان کے انتظار میں ان کے دروازے پر جاتا، اپنی چادر کو تکیہ بنا کے نصف النہار تک لیٹا رہتا، مٹی میرے چہرے پر پڑتی۔ جب وہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! کیسے آنا ہوا؟ آپ مجھے پیغام بھیج دیتے تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ میں کہتا: نہیں، میں زیادہ مستحق ہوں کہ آپ کے پاس آؤں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں،

[1] الجامع للخطيب (٢ ١٧٤)　[2] أيضاً (٢ ١٧٤)　[3] السير (١٩ ٢٠٣)

میں چاہتا ہوں کہ میں وہ حدیث براہِ راست آپ سے سنوں۔[1]

امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے مہاجرین میں سے کسی مہاجر صحابی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ حدیث بیان کرتے ہیں تو میں ان کے گھر حاضر ہوتا، پتا چلتا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں تو میں ان کے دروازے پر بیٹھا رہتا۔ جب وہ باہر تشریف لاتے تو میں ان سے حدیث کا سماع کرتا۔[2]

امام سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی سے پوچھا گیا کہ اتنا علمی خزانہ آپ کے ہاتھ کیسے آیا؟ انھوں نے فرمایا: تیس سال تک بوریے کے علاوہ میں نے بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔[3]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ استاذ ابن العمید کہتے تھے کہ میں خیال کرتا تھا کہ دنیا میں ریاست و وزارت سے بڑھ کے کوئی چیز لذیذ نہیں کہ میں خود وزیر تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ اور حافظ ابو بکر الجعابی رحمہ اللہ کے مابین مذاکرہ ہوا۔ امام طبرانی رحمہ اللہ کثرتِ حفظ کی بنا پر غالب آتے اور حافظ ابو بکر الجعابی رحمہ اللہ اپنی ذہانت اور فطانت کی بنا پر غالب آتے۔ حتیٰ کہ مذاکراہ میں دونوں کے درمیان آوازیں اونچی ہوتی گئیں کوئی کسی پر غلبہ نہیں پا رہا تھا۔ اسی اثنا میں حافظ الجعابی رحمہ اللہ نے کہا میرے پاس ایسی حدیث ہے جو دنیا میں صرف میرے پاس ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا: بیان کرو چنانچہ انھوں نے کہا: "حدثنا الخليفة الجمحي حدثنا سليمان بن أيوب" اس سند سے انھوں نے حدیث پڑھی تو امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ابو الخلیفہ نے یہ مجھ ہی سے سنی۔ (سلیمان بن ایوب

---

[1] المستدرك (١ ١٠٦، ٣ ٥٣٨)، التاريخ للإمام الفسوي (١ ٥٤٢)، جامع بيان العلم (١ ١٠٦)، السير (٣ ٣٤٣) وغيره.

[2] السير (٤ ٤٢٦)، تاريخ إسلام للذهبي وغيرهما.

[3] التذكره (٣ ٩١٣)، السير (١٩ ١٢٢) وغيره

میں ہوں: سلیمان بن احمد بن ایوب) آپ یہ حدیث خود مجھ سے سنیں تا کہ تمھاری سند عالی ہو جائے تو حافظ الجعابی رحمہ اللہ شرمندہ ہوئے، میں نے کہا: کاش! آج میں طبرانی ہوتا وزیر نہ ہوتا تو امام طبرانی رحمہ اللہ کی طرح میں بھی خوش ہوتا۔[1]

حافظ محمد بن طاہر بن محمد ابو الفضل رحمہ اللہ:

حافظ محمد بن طاہر بن محمد ابو الفضل المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحلاتِ علمیہ کے دوران مجھے دو مرتبہ پیشاب کے بجائے خون آنے لگا۔[2]

امام حسن بن احمد ابو العلاء العطار رحمہ اللہ جنھوں نے بغداد، واسط اور اصبہان وغیرہ کا کئی بار سفر کیا۔ بغداد کی مسجد میں رات کو جلنے والے چراغ کے پاس کھڑے ہو کر احادیث لکھتے، کیونکہ چراغ اونچا رکھا گیا تھا۔ مسجدوں میں رہنا اور گھن لگے ہوئے غلہ کی روٹی کھانا۔[3]

امام حسن بن علی البلخی الوخشی رحمہ اللہ:

امام حسن بن علی البلخی الوخشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں عسقلان گیا تو میرا خرچ ختم ہو گیا کئی دن تک ایک لقمہ بھی نہ کھا سکا، میں نے لکھنا چاہا مگر کچھ نہ لکھ سکا۔ میں نان بھائی کی دکان پر بیٹھ جاتا تا کہ روٹی کی خوشبو سونگھ کر ہی کچھ تسکین ہو۔[4]

امام عبید بن یعیش:

امام عبید بن یعیش رحمہ اللہ جن کا شمار امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے شیوخ میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اپنے ہاتھ سے رات کو منہ میں لقمہ نہیں ڈالا، میں احادیث لکھتا تھا اور میری بہن میرے منہ میں لقمہ ڈالتی تھی۔[5]

---

[1] السیر (۱۹/ ۱۲٤) [2] التقیید (۱/ ٥٦)

[3] التقیید (۱/ ۲۹۱)، السیر (۲۱/ ٤۲) [4] التذکرۃ (۳/ ۱۱۷۳)، السیر (۱۸/ ۳٦۷)

[5] السیر (۱۱/ ٤٥۹)، تاریخ جرجان (ص: ٤۱۱)

مگر تاریخ میں بہن کی بجائے بھائی کا ذکر ہے۔

امام محمد بن فتوح الحمیدی رحمہ اللہ:

امام محمد بن فتوح الحمیدی تلمیذ الامام ابن حزم، صاحب الجمع بین الصحیحین، اندلس سے بغداد آئے۔ گرمیوں کے موسم میں رات کو ''ڈپ'' (وہ بڑا برتن جس میں کپڑے دھوتے ہیں) کو پانی سے بھر لیتے اور اس میں بیٹھ جاتے، ہاتھ باہر ہوتے اور احادیث کی کتابت کرتے اور پڑھتے۔[1]

یاد رہے کہ امام حمیدی رحمہ اللہ ۴۲۰ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔ ۴۲۵ھ میں پانچ سال کی عمر میں انھیں کندھوں پر بٹھا کر امام اصبغ بن راشد کی مجلسِ سماع میں لے جایا جاتا، وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان پر قراءت کی جاتی تھی، میں اسے سمجھتا تھا۔ ۴۲۸ھ میں آٹھ سال کی عمر میں، میں نے پہلی بار رحلاتِ علمیہ کا آغاز کیا۔ مکہ مکرمہ میں محدثہ کریمہ رحمہا اللہ المروزیہ سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ (ایضاً)

امام بخاری رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ بصرہ میں احادیث کا سماع کرتے اور لکھتے، مگر کئی روز مجلسِ سماع میں حاضر نہ ہوئے۔ عمر بن حفص الاشقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے انھیں تلاش کیا تو جس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں پہنچ گئے۔ ہم نے انھیں برہنہ پایا، ان کے پاس زادِ راہ تو کیا تن ڈھانپنے کے لیے لباس بھی نہ تھا، ہم ساتھیوں نے دراہم جمع کیے، لباس خریدا اور انھیں دیا، تب وہ ہمارے ساتھ مجلسِ سماع میں آنے لگے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ:

اسی نوعیت کا قصہ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر

---

[1] السیر (١٩/ ١٢٢)، التذکرہ (٤/ ١٢١٩) وغیرھما

[2] تاریخ بغداد (٢/ ١٣)

کیا ہے کہ جب وہ یمن میں طلبِ علم کے لیے گئے تو ان کے کپڑے چوری ہو گئے، وہ اپنے کمرے میں دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے، ان کے رفقا نے انھیں تلاش کیا تو وہ اپنے کمرے میں ملے، انھوں نے مجلسِ سماع میں عدمِ حاضری کا سبب پوچھا تو انھوں نے حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ انھوں نے کچھ دینار ضرورت کے لیے دیے تو صرف ایک دینار لیا، باقی واپس کر دیے اور اس ایک دینار کے بارے میں فرمایا: جو مجھے مجلسِ سماع کی احادیث لکھ کر دے گا، یہ دینار میں اسے پیش کروں گا، چنانچہ وہ ایک دینار بھی اجرت میں دے دیا۔[1]

یمن ہی میں جب وہ امام یحییٰ بن معین کے ہمراہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے سماع کے لیے مقیم تھے، امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے تو انھوں نے امام احمد رحمہ اللہ کو گھر بلایا اور دس دینار پیش کیے، مگر انھوں نے فرمایا: اے ابوبکر عبدالرزاق رحمہ اللہ! اگر میں لوگوں سے کچھ لیتا ہوتا تو آپ سے بھی لے لیتا۔ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ جب امام احمد رحمہ اللہ کا ذکر ہوتا تو وہ آبدیدہ ہو جاتے اور یہ واقعہ ذکر کرتے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ کے رفیقِ سفر امام یحییٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ دینار لینا نہیں چاہتے تو قرض سمجھ کر لے لو، مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے انھیں نان ونفقہ کی پیش کش کی، مگر انھوں نے اسے بھی قبول نہ کیا، ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ازار بند بنا کے فروخت کرتے ہیں اور اس پر اپنا گزارا کرتے ہیں۔[3]

---

[1] البداية (١١/ ١٦٥) ط دار ابن كثير دمشق

[2] طبقات الحنابله (١/ ٢٠٩)، مناقب الإمام أحمد بن لابن الجوزي وغيره.

[3] المنهج الأحمد لأبي اليمن العليمي (١/ ٨)

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ جس بستی میں رہتے تھے، اس میں کوئی کنواں نہ تھا، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم صبح دو میل کا سفر کرتے، وضو کرتے اور وہاں سے پانی لے کر آتے۔ [1]

امام ابونصر عبیداللہ بن سعید السجزی رحمہ اللہ:

راویِ حدیث المسلسل بالأولیہ، نے مختلف بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا، حافظ ابواسحاق الحبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ایک روز امام ابونصر رحمہ اللہ کے پاس تھا تو کسی نے دروازے پر دستک دی، میں اٹھا، دروازہ کھولا تو ایک خاتون مکان کے اندر آئی اور امام ابونصر کی خدمت میں ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی اور عرض گزار ہوئی کہ اسے آپ جہاں چاہتے ہیں، خرچ کریں، انھوں نے فرمایا: کیا مقصد؟ تو اس نے کہا: میں چاہتی ہوں کہ آپ سے نکاح کروں، گو مجھے نکاح کی ضرورت نہیں، مگر اس کی بدولت آپ کی خدمت مقصود ہے۔ مگر انھوں نے فرمایا: یہ تھیلی لے لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ میں سجستان سے طلبِ علم کی نیت سے آیا ہوں، مگر جب نکاح رچا لوں گا تو طالب علم ہونے کا نام نہیں رہے گا اور میں طلبِ علم کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ [2]

امام ابواسحاق ابراہیم بن الحسین ابن دیزل السّیفنّہ رحمہ اللہ (۲۸۱ھ):

ان کا لقب ''السیفنّہ'' تھا۔ یہ ایک مصری پرندے کا نام ہے، وہ جس درخت پر بیٹھتا، اس کے پتے کھا جاتا۔ امام ابراہیم رحمہ اللہ بھی جس شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے جب تک ان کی تمام مرویات کا سماع نہ کر لیتے کسی دوسرے شیخ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتے، بعض نے کہا کہ ان کی آستین میں کئی حدیث کے اجزا ہوتے ہیں۔ فرماتے: میری آستین میں ۵۰ جز ہیں اور ہر جز میں ایک ہزار حدیث ہے۔

---

[1] السیر وغیرہ

[2] السیر (١٧ ٦٥٦)، التذكرة (٣ ١١١٩)

محدثین کی آستینیں:

یہ بات ممکن ہے، بعض حضرات کو اجنبی محسوس ہو، لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ محدثین کرام کے دور میں بعض حضرات کتابوں کو اٹھانے اور ساتھ رکھنے کے لیے بڑی بڑی آستینیں بنواتے تھے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابو داود رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ان کے تلمیذ ابوبکر بن داستہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کی قمیص کی ایک آستین بڑی تھی جس میں وہ کتابیں رکھتے اور دوسری نارمل تھی۔ [1]

امام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد بن علی الہروی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۸۱ھ) کا جب سلطان الپ ارسلان اور اس کے وزیر نظام الملک کی موجودگی میں مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں علمائے احناف اور علمائے شافعیہ سے مناظرہ منعقد ہوا اور امام الہروی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ اگر آپ کا موقف حق ہوا تو یہ آپ کا مذہب اختیار کر لیں گے، لیکن اگر موقف ان علماء کا سچ ثابت ہوا تو آپ ان کا موقف اختیار کر لیں گے اور ان کے بارے میں آئندہ کوئی بات نہ کریں گے تو امام الہروی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں ان سے مناظرہ کروں گا جو میری آستینوں میں ہے۔ چنانچہ انھوں نے دائیں آستین سے قرآن مجید اور بائیں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم نکال کر رکھ دی تو وزیر نے ان علمائے کرام کی طرف استفہامی انداز میں دیکھا مگر وہ مناظرہ کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ [2]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے قاضی ابوعمر محمد بن یوسف الازدی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ بغداد کے قاضی اسماعیل رحمہ اللہ، امام ابراہیم بن اسحاق الحربی رحمہ اللہ سے ملاقات کے خواہش مند تھے تو امام ابراہیم رحمہ اللہ سے کہا گیا: کاش! آپ قاضی اسماعیل سے مل لیں۔ انھوں نے فرمایا: جو اپنا دربان رکھتا ہے میں اس سے ملنے کا ارادہ بھی

---

[1] التذکرۃ (۲/ ۵۹۲)، السیر (۱۳/ ۲۱۷)

[2] السیر (۱۸/ ۵۱۱)، التذکرۃ (۳/ ۱۱۸۷)

نہیں رکھتا۔ یہ بات قاضی اسماعیل کو بتلائی گئی تو انھوں نے اپنے دروازے سے کچھ دنوں کے لیے دربان کو اٹھا دیا۔ اس کا تذکرہ امام ابراہیم رحمہ اللہ سے کیا گیا کہ قاضی صاحب نے دربان اٹھا دیا ہے۔ چنانچہ جب وہ ان کے پاس گئے، قاضی ابوعمر محمد بن یوسف رحمہ اللہ سے ملاقات ہوگئی جو قاضی اسماعیل رحمہ اللہ کے پاس کھڑے تھے۔ اور وہ قاضی اسماعیل رحمہ اللہ کے کاتب تھے۔ امام ابراہیم رحمہ اللہ نے جب اپنے جوتے اتارے تو ابوعمر قاضی رحمہ اللہ نے اپنے غلام سے کہا کہ ان کے جوتے اس کپڑے میں لپیٹ دے اور ان کے جوتوں کو قاضی ابوعمر رحمہ اللہ نے اپنی آستین میں رکھ لیا۔ امام ابراہیم رحمہ اللہ اور قاضی اسماعیل رحمہ اللہ میں طویل علمی مجلس ہوئی جس پر حاضرین بڑا تعجب کر رہے تھے۔

مجلس برخواست ہوئی تو امام ابراہیم رحمہ اللہ جوتے تلاش کرنے لگے تو قاضی ابوعمر رحمہ اللہ نے اپنی آستین سے نکال کر آگے رکھ دیے تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں تمھاری عزت بڑھائے، قاضی ابوعمر رحمہ اللہ فوت ہوئے تو خواب میں کسی کو ملے، ان سے حال احوال پوچھا تو انھوں نے کہا: ابراہیم الحربی رحمہ اللہ صالح شخص کی دعا سے مجھے معاف کر دیا گیا ہے۔[1]

البتہ تاریخ بغداد میں آستین میں جوتے رکھنے کا ذکر نہیں، یہ اور اسی نوعیت کے دیگر بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کتابوں کو سنبھالنے اور زادِ راہ رکھنے کے لیے آستین بڑی رکھی جاتی تھی۔ شیخ ابو غدہ نے اس نوعیت کے اور بھی بعض واقعات ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''الملابس العربیہ الاسلامیہ فی العصر العباسی'' کے مولف دکتور صلاح حسین نے اس بارے میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔[2]

ہم بات کر رہے تھے امام ابراہیم السیفنہ کی، وہ اپنی آپ بیتی ذکر کرتے

---

[1] معجم الأدباء (١ ١٢٥)، تاريخ بغداد (٣ ٤٠٤)

[2] حاشيه صفحات من صبر العلماء (ص: ٢٤٤)

ہوئے فرماتے ہیں: میں رات کو بیٹھا لکھ رہا تھا، میں نے اتنا لکھا کہ تھک گیا، میں نے باہر نکل کے جائزہ لیا تو آسمان کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ ابھی تو رات کا اول حصہ ہے، میں پھر گھر آ گیا اور پھر لکھنے لگا، لکھتے لکھتے تھک گیا، میں نے باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا، رات کا آخری حصہ ہے، میں جو جز لکھ رہا تھا اسے مکمل کیا۔ پھر صبح کی نماز پڑھی۔ پھر ایک دکان پر گیا تو اس نے اپنے روزنامہ میں یوم السبت (ہفتہ کا دن) لکھا۔ میں نے سبحان اللہ کہا اور تاجر سے کہا: کیا آج جمعہ کا دن نہیں؟ وہ ہنس پڑا اور کہا: شاید تم نے کل جمعہ نہیں پڑھا۔ پھر میں نے غور وفکر کیا تو معلوم ہوا کہ میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل لکھتا رہا ہوں (اور مجھے اتنا وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا)۔[1]

یہ واقعہ بلاشبہ بڑا دلچسپ اور حیران کن ہے مگر حافظ شیرویہ نے اسے بلاسند ذکر کیا ہے اور انھی کے حوالے سے علامہ ذہبی نے اسے نقل کیا اور التذکرہ[2] میں مختصراً ذکر کر کے کہا ہے: ''وھذا لا یثبت'' یہ ثابت نہیں۔ ہم نے بھی اسے بطور استدلال نہیں، بلکہ بطور تنبیہ ذکر کیا ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو اپنے والد کی میراث سے دس لاکھ پچاس ہزار درہم ملے، یہ ساری رقم انھوں نے تحصیلِ علم میں صرف کر دی اور نوبت بایں جا رسید کہ جوتا پہننے کو میسر نہ تھا، ننگے پاؤں چلتے تھے۔[3]

محدث ہشام بن یوسف صنعانی رحمہ اللہ نے ایک ماہ امام یحییٰ رحمہ اللہ کو سماعِ حدیث سے روک دیا، ان کے پاس نفقہ بھی نہ تھا، یہ اس لیے کہ کیا وہ واقعی اصحاب الحدیث میں سے ہیں یا نہیں؟[4] گویا ان سے سماع کے لیے ایک ماہ کا انتظار کرنا پڑا۔

امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا طالب علم مفلس ہوگا۔ مجھے

---

[1] السیر (۱۳/ ۱۹۰) [2] التذکرۃ (۲/ ۶۰۹)

[3] تاریخ بغداد (۱۴/ ۱۷۸)، تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۴۳۵)، الکامل (۱/ ۳۰۹) وغیرہ

[4] مقدمۃ الجرح والتعدیل (۳۱۶)

اپنی والدہ کا برتن سات دینار میں فروخت کرنا پڑا۔[1] امام شعبہ رحمہ اللہ، حکم بن عتبہ رحمہ اللہ کے ہاں اٹھارہ (۱۸) ماہ رہے، حتی کہ انھیں گھر کی لکڑیاں فروخت کرنی پڑیں۔[2] امام شعبہ رحمہ اللہ نے ساری عمر حدیث کا علم حاصل کرنے اور آگے پھیلانے میں گزار دی اور ان کے خرچ اخراجات ان کے بھائی کرتے تھے۔[3] نہایت عبادت گزار اور صائم الدھر تھے جس کی بنا پر ان کے جسم کا چمڑا ہڈیوں پر خشک ہو گیا، گوشت نظر نہیں آتا تھا۔[4]

امام شعبہ رحمہ اللہ روایت کے بارے میں کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ فرماتے ہیں: جس کسی سے میں ایک روایت لیتا تو اس کے پاس ایک سے زائد مرتبہ حاضر ہو کر سماع کرتا (کہ مبادا وہ دوسری بار روایت کے الفاظ میں کوئی کمی بیشی کر دے) اور جس کسی سے دس احادیث لیتا تو میں اس کے پاس دس سے زائد مرتبہ حاضر ہوتا اور جس سے پچاس احادیث لیتا تو اس کے ہاں پچاس سے زائد مرتبہ حاضری دیتا اور جس سے ایک سو روایت لیتا، ان کے پاس سو سے زائد مرتبہ حاضر ہوتا، سوائے حیان بن ایاس البارقی کے کہ ان سے میں نے روایات سنیں، پھر ان کے ہاں گیا، مگر وہ وفات پا چکے تھے۔[5]

امام شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام الحافظ طلحہ بن مصرف سے بیس سے زائد مرتبہ یہ حدیث سنی جسے وہ "عبد الرحمٰن بن عوسجه عن البراء بن عازب" سے روایت کرتے تھے: "من منح منيحة ورق" جس میں ایک دعا "لا

---

[1] التذكرة (١ ١٩٥)، السير (٧ ٢٢٠)، الكامل (١ ٢٠٦)

[2] العلل ومعرفة الرجال (١ ٣٦٥)

[3] السير (٧ ٢٠٧)، التهذيب (٥ ٦٨٤)

[4] السير (٧ ٢٠٩)

[5] الكامل (١ ٢١٦)، شرح العلل الترمذي لابن رجب (١ ٤٣٢، ٤٣٣) وفي نسخة (ص: ١١٣)، التذكره (١ ١٩٤)

إلٰه إلا الله وحده لا شريك له" الخ کا بھی ذکر ہے۔ اگر کوئی میرے بارے میں کہے کہ انھوں نے امام طلحہ رحمہ اللہ سے اور حدیث بھی سنی ہے تو میں اسے کذاب کہوں گا۔ یعنی یہی ایک حدیث میں نے ان سے بیس سے زائد مرتبہ سنی ہے۔ [1] یہ حدیث امام شعبہ کی سند سے مسند امام احمد میں منقول ہے، جس سے آپ امام شعبہ رحمہ اللہ کے اہتمام و احتیاط کا اندازہ کر سکتے ہیں، بلکہ امام شعبہ رحمہ اللہ جس سے ایک ہی مرتبہ حدیث سنتے، اس سے روایت ہی نہیں کرتے تھے۔ [2]

امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ بھی جب تک کسی حدیث کا تین بار سماع نہ کرتے، اسے روایت نہ کرتے۔ [3]

امام ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ نصر بن باب الوراق کہتے ہیں کہ ہم امام شعبہ رحمہ اللہ کے دروازے پر بیٹھے مذاکرہ کر رہے تھے، میں نے کہا: "حدثنا إسرائيل عن أبي إسحاق عن عبد الله بن عطاء عن عقبة" امام شعبہ رحمہ اللہ باہر آئے مجھے طمانچہ مارا اور فرمایا: دیوانے کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے ابواسحاق رحمہ اللہ سے پوچھا ہے، کیا آپ نے یہ عبداللہ بن عطاء رحمہ اللہ سے سنا اور عبداللہ نے عقبہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ انھوں نے کہا: خاموش ہو جاؤ، میں نے کہا: میں خاموش نہیں رہوں گا، مجھے مسعر بن کدام نے کہا: عبداللہ بن عطا مکہ میں ہیں، ان سے پوچھ لو۔ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ گیا تو عبداللہ بن عطاء سے پوچھا، آپ نے عقبہ رضی اللہ عنہ سے حدیثِ وضو سنی ہے؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، میں نے سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ سے یہ سنی ہے۔ وہ مدینہ طیبہ میں تھے، میں وہاں گیا اور سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ سے مل کر پوچھا،

---

[1] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ١٦٤، ١٧٤)

[2] مسند إمام أحمد (٤ ٢٨٥، ٣٠٤)، مقدمة المجروحين (١ ٣١)، شرح العلل لابن رجب (ص: ١٢٤)

[3] المجروحين (١ ٣١)

آپ نے یہ حدیث حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، انھوں نے کہا: نہیں، میں نے یہ زیاد بن مخراق رحمہ اللہ سے سنی ہے، وہ بصرہ میں تھے، میں پھر بصرہ گیا، زیاد رحمہ اللہ سے ملا، میرا لباس میلا کچیلا، بدلا ہوا رنگ، بکھرے ہوئے بال، کہا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے سارا قصہ سنا دیا۔ وہ بولے: پہلے غسل کرلو، کپڑے دھولو، پھر بتلاؤں گا۔ میں نے غسل کیا، کپڑے خشک کر کے ان کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے کہا: مجھے شہر بن حوشب نے یہ حدیث بتلائی، میں نے کہا: یہ حدیث پہلے کوفی، پھر مکی، پھر مدنی، پھر بصری ہوئی، اس نے مجھے ہلاک کر دیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتی تو مجھے یہ میرے اہل و مال سے زیادہ محبوب تھی۔[1]

اس کا راوی اگرچہ نصر بن باب متروک ہے مگر یہ اس کی روایت نہیں، آپ بیتی ہے اور ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے، بلکہ امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے یہی واقعہ مختصراً ایک اور سند سے بھی ذکر کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح امام حاکم نے بھی المستدرک[2] میں اس سے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد النیسابوری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) ان کی مجلسِ سماع کا یہ عالم تھا کہ قلم دان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ حافظ ابوبکر فرماتے ہیں کہ شادی سے پہلے میں چالیس سال صرف گھٹنوں کے بل بیٹھ کر سوتا تھا، روزانہ صرف پانچ دانے کھاتا، عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتا تھا۔[3]

امام ابو حاتم محمد بن ادریس رحمہ اللہ جن کا ذکر پہلے بھی گزرا ہے، ان کے فرزند

---

[1] مقدمة المجروحين (ص: ۲۹، ۳۰)، الضعفاء للعقيلي (۳/ ۱۹۹)، الكامل (٦/ ١٦٨)، الكفاية (ص: ٤٠٠)، الرحلة (ص: ۱۵۲، ۱۵۳)، التمهيد (۱/ ۵۰، ۵۱) المحدث الفاصل (ص: ۳۱۳) وغيره.

[2] المستدرك (۱/ ۹۷)

[3] السير (۱۵/ ٦٦)، التذكرة (۳/ ۸۱۹)، تاريخ بغداد (۱۰/ ۱۲۲)

حافظ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے والدِ محترم سے سنا فرماتے تھے: میں ۲۱۴ھ میں بصرہ تھا وہاں آٹھ ماہ رہا میرا ارادہ ایک سال رہنے کا تھا۔ میرا زادِ راہ ختم ہو گیا میں ایک ایک کر کے بدن کے کپڑے فروخت کرنے لگا۔ حتی کہ کچھ باقی نہ رہا میں اپنے ساتھی کے ہمراہ مشایخ کی خدمت میں حاضر ہوتا، شام تک اسی طرح شیوخ سے سماع کرنا۔ میرا ساتھی چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ بھوک کے باوجود صرف پانی پی کر گزارہ کرتا تھا۔[1]

شیخ الاسلام امام الحسن بن احمد ابو العلاء الہمدانی رحمہ اللہ جنھوں نے بغداد اور اصبہان کا متعدد بار سفر کیا۔ ان کی کتابیں ان کی پشت پر ہوتیں۔ بغداد کی مساجد میں رات گزارتے، باجرے کی روٹی کھاتے، پھر مسجد کا چراغ مسجد میں بلند جگہ پر ہوتا تو وہ رات کو کھڑے ہو کر اس کی روشنی میں احادیثِ مبارکہ لکھتے تھے۔ روزانہ ۳۰ فرسخ پیدل سفر کرتے۔ کتابوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ امام النحو والادب موہوب بن احمد ابن الجوالیقی کی کتابیں بغداد میں فروخت ہونے کے لیے آئیں تو ایک حصے کی قیمت ساٹھ دینار بتلائی گئی۔ امام ابو العلاء رحمہ اللہ نے ساٹھ دینار میں خرید لیں، مگر رقم دینے کے لیے ساتھ دن بعد جمعرات کے روز وعدہ کیا۔ امام ابو العلاء رحمہ اللہ اپنے وطن ہمدان گئے تو گھر کے اوپر اپنا گھر فروخت کرنے کی آواز دی، تو ساٹھ دینار میں گھر فروخت کر کے بغداد آئے، چنانچہ جمعرات کے روز کتابوں کی قیمت ادا کر دی، اس بات کا علم ایک مدت بعد لوگوں کو ہوا۔ کتابوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ انھیں وفات کے بعد جنت میں دیکھا گیا کہ ان کے محل میں ہر جانب کتابیں ہی کتابیں ہیں اور وہ ان کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ انھیں کہا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے التماس کی تھی کہ میں دنیا میں کتابوں میں مشغول رہتا تھا، یہاں بھی

---

[1] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٣٦٣)

کتابیں عطا فرما دی جائیں۔[1]

عظمتِ شان کا یہ عالم تھا کہ مشکان میں جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے کہ تمام اہلِ بلد شہر سے باہر ان کا استقبال کرتے مسلمان بھی، یہودی بھی، بچے بھی۔

حافظ ابو بکر محمد بن داود رحمہ اللہ، جو حفاظ محدثین اور اولیاء میں شمار ہوتے تھے، فرماتے ہیں بصرہ میں قحط پڑا تو چالیس دن میں ایک روٹی کھاتا تھا بھوک لگتی تو بھوک مٹانے کی نیت سے سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کرتا تھا۔[2]

امام عامر شعبی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا۔ اس قدر علم آپ نے کیسے حاصل کیا؟ تو انھوں نے فرمایا:

"ينفى اغتممام والسير في البلاد، وصبر كصبر الحمار، وبكور كبكور الغراب"[3]

"غم زدہ نہ ہونے، شہروں کے سفر کرنے، گدھے کی طرح صبر کرنے، کوے کی طرح علی الصبح (حصولِ علم کے لیے) نکل جانے سے۔"

---

[1] ذيل طبقات الحنابلة (١ ٣٢٨)، السير (٢١ ٤٢) وغيره

[2] تذكره الحفاظ (٣ ٩٠٢)

[3] ابن عساكر، السير (٤ ٣٠٠)

محدثینِ کرام کی خدمات کی تحسین و قدر دانی

یہ اور اسی نوعیت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے جمع و تدوینِ حدیث کا کام کتنی مشکلات میں اور کس قدر جاں کاہی سے حضراتِ محدثین رحمہم اللہ نے سرانجام دیا۔

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسی بنا پر فرمایا ہے:

"فرسان هذا العلم الذين حفظوا على المسلمين الدين، وهدوهم إلى الصراط المستقيم، الذين آثروا قطع المفاوز القفار على التنعم في الديار، والأوطان، في طلب السنن في الأمصار، وجمعها بالوجل والأسفار والدوران في جميع الأقطار، حتى أن أحدهم لير حل في الحديث الواحد الفراسخ البعيدة، وفي الكلمة الواحدة الايام الكثيرة لئلا يدخل مضل في السنن شيئا يضل به، وإن فعل فهم الذابون عن رسول الله ﷺ ذلك الكذب، والقائمون بنصرة الدين"[1]

"اس علم کے شہسوار جنھوں نے مسلمانوں پر دین کو محفوظ کیا اور انھیں صراطِ مستقیم کی راہنمائی دی، جنھوں نے گھروں اور وطنوں کی پُر نعمت زندگی پر چٹیل میدانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں میں سفر کو ترجیح دی۔ سنن نبوی کی طلب میں شہروں کے سفر کیے اور پُرخطر حالات میں تمام

[1] المجروحين (١/ ٣٧)

قطعات زمین میں سفر کرتے اور گھومتے ہوئے ان کو جمع کیا۔ یہاں تک کہ ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے ایک حدیث اور ایک کلمہ کے حصول کے لیے کئی دنوں کا دور دراز فراسخ کا سفر کیا۔ تاکہ کوئی گمراہ گو سنن مبارکہ میں ایسی چیز نہ ملا دے جس سے وہ گمراہ کرے۔ اگر کسی نے ایسی جسارت کی تو رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں اس کذب کا انھوں نے ازالہ کیا اور وہ نصرت دین کے لیے کھڑے ہو گئے۔"

حضرات محدثین رحمہم اللہ کی انہی خدمات کا کچھ تذکرہ کرنے کے بعد بالآخر رقمطراز ہیں:

"فهذه عناية هذه الطائفة بحفظ السنن على المسلمين، وذب الكذب عن رسول رب العالمين، ولو لا هم لتغيرت الأحكام عن سننها حتى لم يكن يعرف أحد صحيحها من سقيمها والملزق بالنبي ﷺ والموضوع عليه مما روى عنه الثقات والأئمة في الدين." [1]

اس جماعت کا مسلمانوں کے لیے سنن کی حفاظت کا اور رسول رب العالمین سے منسوب جھوٹ کو دور کرنے کا یہ اہتمام ہے اگر یہ نہ ہوتے تو سنن کے احکام متغیر ہو جاتے، حتی کہ ان میں سے کوئی صحیح اور ضعیف کو نہ پہچان سکتا، جو نبی کریم ﷺ سے منسوب کر دی گئیں اور آپ کے نام پر گھڑی گئی ہیں۔ جو ائمہ دین اور ثقات نے آپ ﷺ سے روایت کی ہیں۔

بنو امیہ سے بنو عباس نے بڑے ظلم و ستم کے بعد حکومت چھینی تھی۔ یوں بنو عباس کی فضیلت اور تائید و حمایت نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا تو ان کی تائید اور

---

[1] المجروحین (۱/ ۳۳)

بنو امیہ کی مذمت میں احادیث گھڑی گئیں۔ بنوعباس کے زیرِ سایہ تجہم اور اعتزال کا فتنہ رونما ہوا۔ خبر آحاد کا انکار، صفات باری تعالیٰ اور عقائد سے متعلق خبر آحاد کا انکار، عقل پرستی کے نتیجے میں عذابِ قبر کا انکار، معجزات اور صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار۔ اسی ضمن میں فتنہ خلقِ قرآن نے سر اٹھایا جس میں کثیر تعداد بھی حکومت کے جور وستم کا نشانہ بنی اور بے شمار محدثین کو شہید کیا گیا۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہونے والے ظلم کی داستان بڑی طویل ہے اس پر آشوب دور میں حضرات محدثین رحمہم اللہ نے حفظِ حدیث کی جو خدمت سرانجام دی اور فتنہ کی راہ میں سدِ سکندری بنے رہے وہ تاریخ کا مستقل روشن باب ہے۔ ان کی انہی خدمات کے اعتراف میں ہر دور میں محدثین، فقہاء اور دیگر اہلِ علم وتقویٰ نے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

چنانچہ **امام ابوعلی حسن بن محمد الزعفرانی ۲۶۰ھ** فرماتے ہیں:

”ما علی وجه الأرض قوم أفضل من أصحاب هذه المحابر، يتبعون آثار رسول الله ﷺ ويكتبونها كي لا تندرس“[1]

”سطح زمین پر یہ سیاہی کی دواتوں والوں سے افضل کوئی قوم نہیں۔ جو آثارِ رسول اللہ ﷺ کے پیروکار اور انھیں لکھنے والے ہیں تاکہ وہ مٹ نہ جائیں۔“

امام ابوجعفر رحمہ اللہ، احمد بن سنان الواسطی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں:

”ليس في الدنيا مبتدع الا يبغض أصحاب الحديث وإذا ابتدع الرجل بدعة نزعت حلاوة الحديث من قلبه“[2]

”دنیا میں جو بدعتی ہے وہ اصحاب الحدیث سے بغض رکھتا ہے اور جب کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے تو اسکے دل سے حدیث کی حلاوت چھین لی جاتی ہے۔“

---

[1] السير (١٢ ٢٦٣)　[2] أيضاً (١٢ ٢٤٥)

امام ابوبکر ابن خزیمہ رحمہ اللہ ۳۱۱ھ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے بارے میں وہی مُوشگافی کرتے ہیں، جن کے دل اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت کر دیے ہیں، چنانچہ:

① جہمی جب ان کی ایسی احادیث سنتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہیں تو وہ ان کے بارے میں بدزبانی کرتے ہیں۔

② خارجی جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث اپنے گمراہ مذہب کے خلاف پاتے ہیں تو اس کے سوا ان کے پاس کوئی حیلہ نہیں کہ وہ ان پر معترض ہوں۔

③ قدری جب ان کی احادیث دیکھتے ہیں جن میں تقدیر کا ثبوت ہے تو وہ کہتے ہیں کہ احادیثِ ابوہریرہ حجت نہیں ہیں۔

④ جاہل فقیہ ان کی ایسی احادیث پر معترض ہوتے ہیں جو ان کے تقلیدی مذہب کے مخالف ہوتی ہیں اور جب ان کے مذہب کے موافق ہوتی ہیں تو انھیں قبول کر لیتے ہیں۔[1]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''خوب جان لو کہ اہلِ بدعت کی کچھ علامات ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ بدعت کی علامت ہے کہ وہ اہلِ اثر (یعنی محدثین) پر معترض ہوتے ہیں۔ زندیقوں کی علامت یہ ہے کہ وہ انھیں حشویہ کہتے ہیں، قدریہ کی علامت یہ ہے وہ انھیں جبریہ کہتے ہیں، جہمیہ کی علامت یہ ہے وہ انھیں مشبہہ کہتے ہیں، رافضیوں کی علامت یہ ہے وہ انھیں ناصبی کہتے ہیں۔ یہ سب ان کے تعصب اور اہلِ سنت پر غیظ وغضب کا نتیجہ ہے ان کا ایک نام کے علاوہ اور کوئی نام نہیں اور وہ نام ہے کہ وہ

[1] المستدرك للحاكم (٣/ ٥١٣) ملخصاً

اصحاب الحدیث ہیں۔‘‘[1]

امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو استقبلت من أمرى ما استدبرت ما حدثت الّا بما أجمع عليه أهل الحديث"[2]

’’اگر مجھے مستقبل کا علم ہوتا جس کی سمجھ بوجھ بعد میں ہوئی تو میں وہی کچھ بیان کرتا جس پر اہلِ حدیث کا اتفاق ہے۔‘‘

مگر اس کی سند میں ہیثم بن عدی الطائی متروک ہے۔[3]

امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۲۴۱ھ فرماتے ہیں:

"ليس قوم عندي خير من أهل الحديث"[4]

’’میرے نزدیک اہلِ حدیث سے بہتر کوئی قوم نہیں۔‘‘

نیز انھوں نے فرمایا:

"ان لم يكونوا أصحاب الحديث الأبدال فمن يكون"[5]

’’اگر اصحاب الحدیث ابدال نہیں ہیں تو اور کون ہیں۔‘‘

نیز فرمایا: ’’جو انھیں بُرا کہتا ہے وہ زندیق ہے۔‘‘[6]

امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ ۲۰۴ھ فرماتے ہیں:

"لو لا أهل المحابر لخطبت الزنادقة على المنابر"[7]

’’اگر دواتوں والے نہ ہوتے تو منبروں پر زندیق خطبہ دیتے۔‘‘

نیز فرماتے ہیں:

---

[1] غنية الطالبين (۱ ۸۰)، نیز دیکھیں: (۱ ۸۵)

[2] التذكره (۱ ۸۳)

[3] السير: ٤ ۳۱۳)

[4] شرف أصحاب الحديث (ص: ٤٨)

[5] أيضاً

[6] أيضاً

[7] السير (۱۰ ۷۰)

"إذا رأيت رجلًا من أصحاب الحديث فكأني رأيت رجلا من أصحاب النبي ﷺ، جزاهم الله خيراً، هم حفظوا لنا الأصل، فلهم علينا الفضل"[1]

''جب میں اصحاب الحدیث میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو گویا میں نبی ﷺ کے ایک صحابی کو دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بہترین جزا عطا فرمائے، انھوں نے ہمارے لیے دین کی بنیاد کو محفوظ کیا، ان کو ہم پر فضیلت حاصل ہے۔''

نیز فرماتے ہیں:

"عليكم بأصحاب الحديث، فإنهم أكثر الناس صوابا"[2]

''اصحاب الحدیث کے ساتھی بنو، وہ اکثر لوگوں میں راہِ صواب پر ہیں۔''

اسی حقیقت کا اعتراف **مولانا عبدالحی لکھنوی** رحمہ اللہ نے کھلے لفظوں میں کیا ہے:

"من نظر بنظر الانصاف وغاص في بحار الفقه والأصول، مجتنباً عن الاعتساف، يعلم علماً يقينيا ان أكثر المسائل الفرعية والاصلية التي اختلف العلماء فيها فمذهب المحدثين فيها أقوى من مذاهب غيرهم، وإني كلما أسير في شعب الاختلاف. أجد قول المحدثين فيه قريباً من الانصاف، فللّٰه درهم وعليه شكرهم، كيف لا وهم ورثة النبي ﷺ حقا ونواب شرعه صدقا، حشرنا الله في زمرتهم وأماتنا على حبهم وسيرتهم"[3]

---

[1] السير (١٠ ٦٠)، الشرف (ص: ٤٦)

[2] السير (١٠ ٧٠)

[3] إمام الكلام (ص: ٢١٦)

''جس نے انصاف کی نظر سے دیکھا اور فقہ و اصول کے دریا میں غواصی کی، بے راہ روی سے اجتناب کیا، وہ یقیناً جان جائے گا کہ اکثر فروعی اور اصولی مسائل جن میں علما نے اختلاف کیا ہے محدثین کا مذہب ان میں تمام مذاہب سے زیادہ قوی ہوتا ہے اور میں جب بھی اختلاف کی وادی میں پڑا ہوں۔ میں نے محدثین کا قول انصاف کے زیادہ قریب پایا ہے، ان کے کیا کہنے، اسی پر ان کی قدردانی ہے، کیوں نہیں جب کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سچے وارث ہیں اس کی شریعت کے سچے نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر ان کے ساتھ کرے اور ان کی محبت اور ان کے طریقے پر ہمیں موت دے۔''

امام ابوبکر بن عیاش المقری رحمہ اللہ ۱۹۴ھ فرماتے ہیں:

''أهل الحديث في كل زمان كأهل الإسلام مع أهل الاديان''[1]

''ہر دور میں اہلِ حدیث ایسے ہیں جیسے اہلِ اسلام دوسرے ادیان کے مقابلے میں ہیں۔''

امام عبداللہ بن داود الخریبی رحمہ اللہ ۲۱۳ھ فرماتے ہیں:

''سمعت من ائمتناومن فوقنا: أن أصحاب الحديث وحملة العلم هم امناء الله على دينه وحفاظ سنة نبيه (ﷺ)''[2]

''میں نے اپنے ائمہ اور اپنے بڑوں سے سنا ہے، فرماتے تھے: اصحاب الحدیث اور حاملینِ علم اللہ کے دین کے امین ہیں اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کے محافظ ہیں۔''

---

[1] قواعد التحديث، الميزان الكبرى (١ ٥٧)
[2] الشرف (ص: ٤٣)

امام سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ ۱۶۱ھ نے فرمایا:

''الملائكة حرّاس السماء، وأصحاب الحديث حرّاس الأرض''[1]

''فرشتے آسمان کے نگران ہیں اور اصحاب الحدیث زمین کے نگران ہیں۔''

امام یزید بن زُریع ۲۸۲ھ فرماتے ہیں:

''لكل دين فرسان، وفرسان هذا الدين أصحاب الأسانيد''[2]

''ہر دین کے شہسوار ہیں اور اس دینِ اسلام کے شہسوار سندیں بیان کرنے والے ہیں۔''

امام سہل بن عبداللہ التستری رحمہ اللہ ۲۸۳ھ امام ابو داود رحمہ اللہ کے پاس گئے تو انھیں کہا مجھے آپ سے ایک کام ہے، فرمایا: کیا؟ کہنے لگے: جب تک پورا کرنے کا وعدہ نہ کرو میں نہیں بتلاؤں گا۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا: بتلائیں کیا کام ہے؟ کہا: اپنی زبان منہ سے نکالیں جس سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے ہیں، چنانچہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے زبان منہ سے باہر نکالی اور انھوں نے اس کا بوسہ لیا۔[3]

بالکل اسی نوعیت کا ایک واقعہ **امام عبدالرحمان بن علی الدیبع الزبیدی** رحمہ اللہ ۹۴۴ھ میں پیش آیا، ایک روز وہ جامع زبید میں صحیح بخاری کی املا سے فارغ ہو کے اپنے تلامذہ کے ہمراہ جامع سے باہر نکلے تو راستے میں ایک دیوانے نے راستہ روک لیا اور کہا: ''أعطني لسانك هذه التي تقرأ بها حديث المصطفى عليه السلام امصها'' ''مجھے اپنی یہ زبان دیں جس سے آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

---

[1] الشرف (٤٤)، السير (٧ ٢٧٤)

[2] الشرف (ص: ٤٤)، ذم الكلام (٩٨٣)، المجروحين (١ ٢٧)

[3] وفيات الأعيان (٢ ٤٠٥)، السير (١٣ ٣٣١)، تاريخ اسلام (١٨٧)، ترجمه امام سهل رحمہ اللہ.

پڑھتے ہیں تاکہ اسے چوسوں۔'' تو حافظ الدبیع نے حیا محسوس کرتے ہوئے اسے روک دیا۔ (اب دیکھیں اس سے) انکار کے بعد انھیں لقوہ کا عارضہ پیش آ گیا تو گھر آئے تو انھوں نے چند اشعار میں اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا عطا فرما دی۔[1]

اسی قسم کا ایک واقعہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں، عبدالرزاق بن ابی نصر الطبسی فرماتے ہیں:

> ''میں نے **امام محمد بن الفضل بن احمد الفراوی** رحمہ اللہ ۵۳۰ھ (۱۷) پر سترہ مجلسوں میں صحیح مسلم کی قراءت کی، آخری روز انھوں نے فرمایا: میری تمھیں وصیت ہے کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو تم غسل میں شریک ہونا اور میری نمازِ جنازہ پڑھنا اور اپنی زبان میرے منہ میں داخل کرنا، کیونکہ تو نے اس سے بہت سی احادیثِ مبارکہ کی قراءت کی ہے۔''[1]

امام ابو حاتم محمد بن ادریس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''لم يكن في أمة من الأمم منذ خلق الله آدم أمناء يحفظون آثار الرسل الا في هذه الأمة''[3]

> ''جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے، تمام امتوں میں سے کوئی امت نہیں جس نے رسولوں کے آثار کی حفاظت کی ہو، سوائے اس امت کے۔''

امام سہل رحمہ اللہ کی یہ بات بھی دیکھیں انھوں نے اصحاب الحدیث کو دیکھا تو

---

[1] فهارس الفهارس (١ ٤١٥)

[1] طبقات الشافعيه (٦ ١٦٩)

[3] الشرف (ص: ٤٣) نیز دیکھیں: فتح المغيث (٣ ٣٣٢، ٣٣١)، الأجوبة الفاضلة (ص: ٢٣، ٢٤)

فرمایا: خوب محنت کرو تمھاری اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملاقات ہو تو قلم دوات تمھارے ساتھ ہو، ایک صاحب نے ان سے پوچھا کہ حدیث کب تک لکھنی چاہیے؟ فرمایا: موت تک اور باقی سیاہی اس کی قبر پر ڈال دی جائے۔ نیز فرمایا کہ دنیا و آخرت میں فائدہ اسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھی جائیں۔[1]

خلیفۃ المنصور ابوجعفر عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ ۱۵۸ھ جو اس وقت دنیائے اسلام کا واحد فرمانروا تھا۔ نے جو انھیں خراجِ تحسین پیش کیا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

چنانچہ جب انھیں کہا گیا کہ کیا دنیا کی کوئی لذت ایسی ہے جو آپ نے نہ پائی ہو؟ تو اس نے کہا: ہاں ایک خصلت کی لذت میں نے نہیں پائی اور وہ یہ کہ میں چبوترے پر بیٹھا ہوا ہوں اور میرے اردگرد اصحاب الحدیث ہوں، مستملی کہے: اللہ آپ پر رحمت فرمائے آپ کسے یاد کرتے ہیں؟ (یعنی کس استاد سے روایت کرتے ہیں) تو میں کہوں:

”حدثنا فلان، قال حدثنا فلان، قال حدثنا فلان عن رسول الله ﷺ“

چنانچہ اگلے روز وزراء کی اولاد کو کاغذ اور دوات دے کر بیٹھا دیا گیا، مگر منصور نے انھیں دیکھ کے کہا:

”لستم بهم، إنما هم الدنسة ثيابهم، والمتشققة أرجلهم، الطويلة شعورهم، برد الآفاق ونقلة الحديث“[2]

”تم وہ نہیں ہو، وہ تو وہ ہیں جن کا لباس میلا کچیلا، جن کے پاؤں پھٹے ہوئے، لمبے بال بکھرے ہوئے، آفاق میں گھومنے پھرنے والے اور

---

[1] السير (۱۳ ۳۳۰، ۳۳۱)

[2] المنتظم (۷ ۳۴۸)، أدب الاملاء والاستملاء للسمعاني (ص: ۱۹)، تاريخ الخلفاء (ص: ۲۶۶)، فتح المغيث (۳ ۲۵۸)، الأداب الشرعية (۱ ۵۸۷) ابن عساكر

حدیث کو نقل کرنے والے۔“

خطیب بغدادی نے یہی تمنا خلیفہ مامون ۲۱۸ھ سے بھی نقل کی ہے کہ مجھے بس اس کی چاہت ہے کہ میرے پاس اصحاب الحدیث جمع ہوں اور مستملی کہے: اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ کیا یاد رکھتے ہیں۔ [1]

قاضی یحییٰ بن اکثم رحمہ اللہ عہدہ قضاء کے علاوہ امیر اور وزیر بھی رہے، فرماتے ہیں: میرے کانوں میں اس سے میٹھا بول نہیں داخل ہوا کہ مستملی کہے:

”من ذكرت، رضي الله عنك“ [2]

”اللہ تم سے راضی ہو آپ کس شیخ کی احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔“

یہی قاضی یحییٰ کہتے ہیں:

مجھے خلیفہ ہارون رشید نے کہا: سب سے اچھا مرتبہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اس پر فائز نہیں ہیں، ہارون نے کہا: کیا کسی کو مجھ سے اچھا سمجھتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ سب سے اچھا کون ہے اور وہ ہے جو مجلس سماع میں کہتا ہے: ”حدثنا فلان عن فلان قال: قال رسول الله ﷺ“ میں نے کہا: امیر المومنین! یہ آپ سے بہتر ہیں، حالانکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے ہیں اور مسلمانوں کے خلیفہ ہیں تو ہارون رشید نے کہا: ہاں یہ مجھ سے بہتر ہیں، کیونکہ ان کا نام رسول اللہ ﷺ کے نام سے ملا ہوا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا، جب کہ ہم مر جائیں گے، فنا ہو جائیں گے اور جب تک زمانہ ہے علماء کا نام باقی رہے گا۔ [3]

---

[1] الجامع لاخلاق الراوي وآداب السامع (٢ ٥٥)، أدب الاملاء (ص: ١٩)، نیز دیکھیں: فوات الوفيات (٢ ٢٣٦)، السير (١٠ ٢٧٥)، الشرف (٩٨، ١٠١)، فتح المغيث، تاريخ بغداد (١١ ١٩٩)

[2] تهذيب (١٤ ٣٦١)

[3] الأداب الشرعية (١ ٥٨٧)، أدب الاملاء (ص: ٢٠)

بادشاہوں کی تمنا کا باعث:

ان بادشاہوں کی یہ تمنا کیوں تھی اس لیے کہ جو عزت و آبرو اور جو تعظیم و اکرام ان محدثین کرام رحمہم اللہ کا دیکھتے تھے ان کی تمنا ہوتی کہ یہ ہمیں بھی حاصل ہو۔

امام عبداللہ بن مبارک ''الرقۃ'' جو دریائے فرات کے مشرقی جانب شہر تھا۔ تشریف لے گئے اتفاقاً خلیفہ ہارون رشید بھی وہاں تھے۔ لوگ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی آمد پر ان کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ رہے تھے، حتی کہ بعض کے جوتے ٹوٹ گئے۔ کثرت اژدھام سے مٹی اڑ رہی تھی۔ خلیفہ ہارون کی بیوی محل کی کھڑکی سے یہ نظارہ دیکھ رہی تھی، اتنی کثیر تعداد میں لوگوں کو دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ تو حاضرین نے بتلایا کہ خراسان کا ایک عالم آج الرقۃ میں آیا جس کا نام عبداللہ بن مبارک ہے: اس نے کہا:

''هذا واللّٰه الملك لا ملك هارون الذي لا يجمع الناس الا بشرط واعوان''[1]

''اللہ کی قسم! یہ بادشاہ ہے ہارون بادشاہ نہیں جس کی آمد پر لوگوں کو پولیس اور ہمنواؤں کے ذریعے جمع کیا جاتا ہے۔''

خلیفہ ہارون رشید رحمہ اللہ، **امام ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر** رحمہ اللہ کی بڑی تکریم کرتا تھا۔ ایک روز امام صاحب نے خلیفہ ہارون کے ہاں کھانا تناول فرمایا تو خود خلیفہ نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا کہ ہاتھ صاف کر لیں اور کہا: اے ابو معاویہ رحمہ اللہ معلوم ہے آپ کے ہاتھوں پر پانی کون ڈال رہا ہے تو انھوں نے فرمایا: نہیں، تو خلیفہ نے کہا: وہ خود میں ہوں یہ علم کی قدر و منزلت کی بنا پر ہے۔[2]

---

[1] تاریخ بغداد (١٠ ١٥٦)، ادب الاملاء (ص: ٢٢)

[2] تاریخ بغداد (١٤ ٨)، السیر (٩ ٧٧، ٢٨٨) وغیرہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مجلس سماع میں پانچ ہزار حضرات حاضر ہوتے، تین بادشاہوں، مامون، معتصم اور واثق نے امام احمد رحمہ اللہ پر جس ظلم و جور کا ارتکاب کیا تاریخ کے اوراق میں یہ داستان محفوظ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ جہمی مولویوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "بيننا وبينكم يوم الجنائز" "ہمارے اور تمھارے درمیان جنازہ کے دن فیصلہ ہو گا۔" چنانچہ بروز جمعہ امام صاحب کا انتقال ہوا جنازہ میں شریک ہونے والے مردوں کا اندازہ آٹھ لاکھ اور خواتین کا ساٹھ ہزار بتلایا جاتا ہے۔ شیخ ابن ابی صالح القنطری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے چالیس سال حج کیا ہے جس قدر امام کے جنازہ پر لوگوں کا اجتماع تھا میں نے ایسا اجتماع کبھی نہیں دیکھا۔ لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے ہر راستے پر لوگوں کو بلایا جا رہا تھا جو وضو کرنا چاہتا ہے ادھر آ جائے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول سچا کر دیا۔ احمد بن ابی دواد جو جہمی اور قاضی القضاۃ تھا اور امام صاحب کا سخت مخالف تھا، جب فوت ہوا تو بادشاہ کے چند ساتھیوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بشر بن غیاث مریسی فوت ہوا تو اس کا جنازہ بھی بہت کم لوگوں نے پڑھا اور حارث بن اسد المحاسبی فوت ہوا تو صرف تین یا چار لوگوں نے اس کا جنازہ پڑھا۔[2]

بلکہ معتصم نے جب اپنا ارمان پورا کر کے امام صاحب کو اپنے دیوان سے نکالا تو اس وقت لوگوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ بازار بند ہو گئے اور تمام راستوں میں لوگ ہی لوگ تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ معتصم اپنی خلافت و شجاعت کے باوجود ڈر گیا

---

[1] السير (١١ ٣٣٩۔ ٣٤٠)، مناقب امام أحمد لابن الجوزی (ص: ٤١٥۔ ٤١٧)

[2] البدايه (١٠ ٣٤٢)

تھا کہ اگر امام صاحب رحمہ اللہ میرے پاس اسی حالت میں فوت ہو گئے تو بغاوت پھوٹ پڑے گی اور میں اسے سنبھال نہیں سکوں گا۔[1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ جب واپس نیساپور تشریف لائے تو ان کے استقبال کا یہ عالم تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ خراسان نے اس شان کا مظاہرہ کیا کہ وہ شان آج تک کسی حاکم کی دیکھی نہ کسی اہلِ علم کا، اہلِ شہر نے دو دو منزل، تین تین منزل سے جا کر ان کا استقبال کیا۔ ''دارالبخاریین'' میں قیام فرمایا تو لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ سارا گھر اور اس کی چھت بھی بھر گئی۔

امام ابن الاخرم فرماتے ہیں کہ نیساپور میں ان کے استقبال کے لیے آنے والے چار ہزار تو گھوڑوں پر سوار تھے، خچروں، گدھوں اور پیدل چلنے والے اس کے علاوہ تھے۔[2]

پھر جب بخارا کا قصد کیا اور اہلِ بخارا کو ان کی تشریف آوری کا علم ہوا تو سارا شہر استقبال کے لیے اُمڈ آیا، کوئی قابلِ ذکر فرد شہر میں نہ رہا۔ تین میل تک خیمے لگائے گئے اور ان پر دینار و درہم اور مٹھائیاں نثار کی گئیں۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نوجوانی کے عالم میں بصرہ تشریف لے گئے۔ یوسف بن موسیٰ مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا کہ ایک شخص نے پکارا: علم والو! محمد بن اسماعیل بخاری آئے ہیں، لوگ ان کی تعظیم کو ٹوٹ پڑے، میں بھی ان کے ساتھ تھا جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے گھیر لیا اور اہلِ بصرہ نے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے مجلس املاء قائم کریں۔ امام صاحب نے یہ بات منظور کر لی، آواز دینے والے نے پھر پکارا، علم والو! امام بخاری رحمہ اللہ نے مجلس املاء کی درخواست قبول کر

---

[1] السير (١١/ ٢٦٠) [2] السير (١٢/ ٤٣٧)

[3] السير (١٢/ ٤٥٨ ـ ٤٦٣)، مقدمه فتح الباري (ص: ٤٩٣)، تغليق التغليق (٥/ ٤٣٩)

لی۔کل فلاں مقام پر مجلس املاء منعقد ہو گی۔صبح ہوتے ہی وہاں محدثین، حفاظ، فقہاء، متکلمین پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ کئی ہزار کا مجمع ہو گیا۔تو امام صاحب نے انھیں ایسی اسانید سے احادیث املاء کروائیں جن سے اہلِ بصرہ بے خبر تھے۔[1]

صالح بن محمد البغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بغداد میں احادیث لکھوائیں میں ان کا مستملی تھا اور ان کی مجلس میں بیس ہزار سے زائد سماع کرنے والے تھے۔[2]

امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ ۲۰۶ھ بغداد میں احادیث لکھواتے تو حاضرین کی تعداد ستر (۷۰) ہزار ہوتی۔ المتوکل نے یہ نظارہ دیکھا تو پکار اُٹھا: "هذا الملك" "بادشاہ تو یہ ہے۔"[3]

مسلمۃ بن شبیب رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں ہم امام یزید بن ہارون کے ہاں تھے لوگوں کا اس قدر ازدہام تھا کہ لوگوں کے پاؤں تلے ایک بچہ کچلا گیا تو امام یزید نے فرمایا: اللہ سے ڈرو بچے کو دیکھو کیا حال ہے لوگوں نے دیکھا تو بتلایا اس کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں اور وہ اس حالت میں بھی کہہ رہا ہے: "يا أبا خالد زدنا" "اے ابو خالد! اور احادیث سنائیں۔" تو امام یزید رحمہ اللہ فرمانے لگے: "إنا لله وإنا إليه راجعون، اس بچے کو کس قدر تکلیف پہنچی مگر وہ پھر بھی مزید سماع کا متمنی ہے۔"[4]

امام یزید رحمہ اللہ کی اسی مقبولیت کا نتیجہ تھا کہ جب تک وہ زندہ رہے خلیفہ مامون کو خلقِ قرآن کے جہمی عقیدہ کے اظہار اور محدثین کرام کو ابتلا میں مبتلا کرنے کی

---

[1] مقدمه فتح الباري (٤٨٦، ٤٨٧)، السير (١٢/ ٤٠٨، ٤٣٧)

[2] الجامع للخطيب (٢/ ٥٣)، ادب الاملاء (ص: ١٧)

[3] الجامع لأخلاق الراوي للخطيب (٢/ ٥٦)، ادب الاملاء (ص: ١٦، ٢٢)

[4] الحلية (٩/ ١١٩)، الجامع لابن عبد البر (١/ ٩٨)، الفقيه والمتفقه (٢/ ٩٣)، فتح المغيث للسخاوي (٣/ ٢٧٦) وغيره

جرأت نہیں ہوئی۔ ①

بلکہ اس نے کہا:

"أخاف ان أظهرته فيرد علي فيختلف الناس وتكون فتنة" ②

"میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اس جہمی عقیدہ کا اظہار کروں تو امام یزید میری تردید کریں گے تو لوگوں میں اختلاف اور فتنہ رونما ہو جائے گا۔"

حافظ عاصم بن علی بن عاصم الواسطی رحمہ اللہ ۲۲۱ھ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد تھے، انھوں نے جب بغداد میں مجلس سماع قائم کی تو حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ انسانوں سے زائد تھا۔ ایک روز وہ جامع الرصافہ میں مجلس سماع قائم کیے ہوئے تھے، جب انھوں نے فرمایا: "حدثنا الليث بن سعد" تو لوگ سن نہ سکے آوازیں آئیں کہ دوبارہ کہیں تو چودہ بار "حدثنا الليث" کہا اور لوگوں تک آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ ان کے دو مستملی ہارون نامی تھے ان میں سے ایک ٹیڑھی کھجور پر بیٹھے لوگوں کو آگے روایات پہنچا رہے تھے۔ اس کی خبر خلیفہ معتصم تک پہنچی تو اس نے ایک آدمی کو حاضرین کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا، اس نے واپس آ کے بتلایا کہ حاضرین ایک لاکھ بیس ہزار ہیں۔ ③

امام احمد بن عبداللہ العجلی فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو ان کی مجلس میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد تھے۔ ④

---

① السير (٩ ٣٦٤، ١١ ٢٣٧)، تاريخ بغداد (١٤ ٣٤٢)

② السير (٩ ٣٦٢)، تاريخ بغداد (١ ٣٤٢)

③ تاريخ بغداد (١٢ ٢٤٨)، السير (٩ ٢٦٣)، الجامع للخطيب (٢ ٥٦)، ادب الاملاء (ص: ١٦)، الأداب الشرعية (١ ٥٨٦)

④ الثقات للعجلي (ص: ٢٤٢)، التهذيب (٦ ٣٠٤)

امام ابومسلم ابراہیم بن عبداللہ الکجی رحمہ اللہ ۲۹۲ھ یہ بصرہ میں چونے سے عمارت بناتے تھے اور مزدور سے کہتے: "ھاتوا الکج" "چونا لے آؤ" اسی وجہ سے وہ "الکجي" نسبت سے معروف ہو گئے یہ ایک کشادہ جگہ پر احادیث مبارکہ املاء کرواتے۔ سات مستملی (آگے لکھوانے والے) ہوتے لوگ کھڑے کھڑے احادیث لکھتے حاضرین مجلس کا اندازہ لگایا گیا تو چالیس ہزار سے زائد دواتیں تھیں جو لکھنے والوں کے پاس تھیں۔ دیکھنے سننے والے ان کے علاوہ تھے۔ [1]

جب انھوں نے احادیث کا درس دینا شروع کیا تھا تو شکرانے کے طور پر دس ہزار درہم صدقہ کیے تھے۔ [2]

علاوہ ازیں **امام ابراہیم بن علی** الھجیمی رحمہ اللہ کی مجلس میں تیس ہزار، امام جعفر بن محمد الفریابی رحمہ اللہ کی مجلس میں دس ہزار سے زائد۔ [3]

امام جعفر رحمہ اللہ بغداد آئے تو لوگ تیز رفتار گھوڑوں اور کشتیوں پر سفر کر کے ان کے استقبال کو پہنچے شارع المنار میں مجلسِ سماع قائم ہوئی حاضرین کا اندازہ تیس ہزار (۳۰۰۰۰) تھا اور ۳۱۶ مستملی تھے۔ [4] اور مجلس میں حاضری کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ وہ رات کو ہی اپنی اپنی جگہ پر پہنچ جاتے۔ [5] امام ابوبکر جعفر بن محمد بغداد آئے، مجلسِ سماع کے لیے ان سے کہا گیا تو حاضرین کی تعداد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) تھی۔ [6]

امام جعفر بن درستویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھنے کے لیے عصر کی نماز کے وقت آ جاتے، شب بھر بیٹھے رہتے۔ صبح مجلس املاء

---

(1) تاریخ بغداد (٦/ ١٢١، ١٢٢)، الجامع للخطیب (٢/ ٥٣)، السیر (١٣/ ٤٢٤) وغیرهم

(2) السیر وغیره

(3) الجامع (٢/ ٥٣، ٥٤)، السیر (١٤/ ٩٨) وغیره

(4) ادب الاملاء (١٨)

(5) السیر (١٤/ ١٠٠)

(6) التذکرہ (٢/ ٦٩٣) وغیره

قائم ہوتی۔ یہ اس لیے کہ کہیں کل سماع کے لیے کوئی جگہ ہی میسر نہ آئے۔[1]

عمرو بن مرزوق کی مجلس میں حاضرین دس ہزار کی تعداد میں تھے۔ (ادب الاملاء) امام مالک رحمہ اللہ کے دروازے پر اس قدر ازدحام ہوتا کہ باہم ایک دوسرے سے الجھنے لگتے۔ امام مالک رحمہ اللہ تشریف لاتے تو کوئی کسی کی طرف التفات نہ کرتا بس سروں سے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے۔[2]

امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ کی مجلس سماع میں حاضرین کا اندازہ چالیس ہزار لگایا گیا۔[3]

امام محمد بن سلیمان بغدادی رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک لاکھ سماع کے لیے حاضر ہوتے تھے۔[4]

اہلِ حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

"لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله الحديث"[5]

صحیح بخاری اور مسلم میں یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

"لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله"[6]

---

[1] ادب الاملاء للسمعاني (ص: ١١٢)، الأداب الشرعية (١ ٥٨٦)

[2] السير (٨ ١١١) [3] التهذيب للمزي (٨ ٢٦٥)، السير (١٠ ٣٣١)

[4] السير (١١ ٥٠١، ٩ ٦٤٤)

[5] صحيح البخاري (٣٦٤٠، ٧٣١١، ٧٤٥٩)، صحيح مسلم (١٩٢١)

[6] صحيح البخاري (٣٦٤١، ٧٣١٢)، صحيح مسلم (١٩٢٠)

صحیح مسلم ہی میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک طائفہ حق پر رہے گا جو ان کی مخالفت کرے گا، انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، تا آنکہ اللہ کا (قرب قیامت کا) فیصلہ آجائے۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن حوالہ، ابن عمر، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمرو، قرۃ بن ایاس، ابوہریرہ، سلمۃ بن نفیل وغیرہ رضی اللہ عنہم سے بھی معمولی اختلاف سے مروی ہے، بلکہ حافظ ابن تیمیہ، علامہ سیوطی، علامہ الزبیدی اور علامہ الکتانی رحمہم اللہ نے اسے متواتر قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی روایت ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام علی رحمہ اللہ بن المدینی سے نقل کیا ہے کہ اس طائفہ سے مراد اصحاب الحدیث ہیں۔[1]

نیز فرمایا: انھوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی نگرانی کی علم کا بچاؤ کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ہم معتزلہ، رافضیہ، جہمیہ اور اہل الرأی کے پاس انبیائے کرام علیہم السلام کی کوئی حدیث نہ پاتے۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اسی حدیث کے معنی و مفہوم کا سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”ان لم تكن هذه الطائفة المنصورة أصحاب الحديث فلا أدري من هم“[3]

اگر اس طائفہ منصورہ سے اصحاب الحدیث مراد نہیں تو معلوم نہیں اور کون ہیں۔ اس کے بعد اسی کی تائید امام حاکم رحمہ اللہ نے کی ہے اور یہی بات امام یزید بن ہارون نے فرمائی ہے۔[4]

علامہ علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(1) سنن الترمذي (٢١٩٢)
(2) الكامل (١/ ٣٠٢)، شرف أصحاب الحديث، الرحلة
(3) المعرفة للحاكم (ص: ٢)
(4) فتح الباري (١٣/ ٢٩٣)

"أهل الحديث أهل رسول الله ﷺ وانشدوا في هذا المعنى:

أهل الحديث هم أهل النبي
وإن لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا[1]

اہلِ حدیث، رسول اللہ ﷺ کے اہل ہیں۔ اسی معنی میں یہ شعر ہے۔ اہلِ حدیث اہلِ نبی (ﷺ) ہیں، اگرچہ انھوں نے آپ ﷺ کی صحبت نہیں پائی، مگر ان کی سانسوں کی صحبت پائی ہے۔

علامہ موصوف رحمہ اللہ اسی حدیث کی شرح میں امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے قول کے بعد فرماتے ہیں:

"أي المحدثون من حفاظ الحديث ورواتهم أو العاملون بالسنة المبينة للكتاب، فالمراد به أهل السنة والجماعة"[2]

"محدثین، حفاظِ حدیث اور احادیث روایت کرنے والے، یا سنت جو کتاب کا بیان ہے کی پیروی کرنے والے سو اس سے اہل السنۃ والجماعۃ مراد ہیں۔"

علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح المقدسی رحمہ اللہ الآداب الشرعية[3] میں ایک فصل کا عنوان ہے:

"أهل الحديث هم الطائفة الناجية القائمون على الحق"

اہلِ حدیث ہی ناجی طائفہ ہے جو حق پر قائم ہے اس کے تحت اسی مذکورۃ الصدر روایت کے بارے میں امام یزید بن ہارون، امام احمد، امام ابن المبارک، احمد بن سنان، امام شافعی رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس طائفہ سے مراد اہلِ حدیث ہیں۔[4]

---

[1] تزيين العبارة لتحسين الإشارة (ص: ٧٢)

[2] مرقاة (١١ /٤٧٠، ٤٧١)

[3] الآداب الشرعية (١ /٢١٠)

[4] نیز دیکھیں: شرف أصحاب الحديث (ص: ٢٦، ٢٧)

یہ حضرات کیوں نہ اس حدیث کا مصداق ہوں، جب کہ انھی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے:

«نَضَّرَ اللّٰه امرءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثا فَأَدَّاه كَمَا سمعه» الحديث

''اللہ تعالیٰ خوش باش رکھے اس آدمی کو جس نے ہم سے حدیث سنی، پھر اسے آگے بیان کر دیا جیسے اسے سنا تھا۔''

یہ حدیث جیسا کہ علامہ محمد بن جعفر کتانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (نظم المتناثره في الحديث المتواترة، ص: ٢٤، ٢٥)

الشیخ المحدث عبدالمحسن بن حماد العباد المدرس بالجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ نے اس حدیث کے تمام طرق اور الفاظ اور اس سے متعلقہ ۹۹ فوائد واحکام پر تفصیلاً بحث کی ہے، ملاحظہ ہو: ''دراسة حديث نضر اللّٰه امرءاً سمع مقالتي، رواية ودراية''

علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وقد استجاب اللّٰه دعائه فلذلك تجد أهل الحديث أحسن الناس وجهاً واجملهم هيئة وروى عن سفيان بن عيينة انه قال ما من أحد يطلب الحديث إلا وفي وجهه نضرة''[1]

''اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی ہے، اسی لیے تو اہلِ حدیث کا چہرہ تمام لوگوں سے اچھا اور ہیئت وصورت میں خوب صورت پائے گا، اور امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: جو بھی حدیث کا علم حاصل کرتا ہے اس کے چہرے پر بشاشت ہوتی ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے:

---

[1] مرقاة (١ ٢٨٨)

”یہ دعا حدیث کے شرف وفضل اور اس کے طالب علموں کے بلند درجہ کی دلیل ہے، کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خصوصی دعا انہی کے لیے کی ہے، امت میں سے کسی اور کو اس دعا میں ان کا شریک نہیں بنایا۔ اور اگر طلبِ حدیث میں اور اس کے حفظ کرنے اور آگے پہنچانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تو اس دعائے مبارک سے مستفید ہونے کی برکت ہی کافی ہے۔“ [1]

علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے امام ابن عیینہ رحمہ اللہ کا جو قول ذکر کیا ہے، خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند سے ”شرف اصحاب الحدیث“ [2] میں ذکر کیا ہے۔

اور حدیث کے طالب علم کے لیے اس سے بڑھ کے اور کیا فائدہ ہوگا کہ ایک تو آنحضرت ﷺ کی دعا کا مستحق ہوجاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ آنحضرت ﷺ پر درود وسلام کی ہر سطر دو سطر بعد توفیق مل جاتی ہے۔ اور وہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بن جاتا ہے:

((إن أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم عليّ صلاة))

”قیامت کے روز لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوں گے جو مجھ پر اکثر درود پڑھتے ہیں۔“

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إن أولى الناس برسول الله ﷺ في القيامة يكون أصحاب الحديث إذ ليس من هذه الأمة قوم أكثر صلاة عليه ﷺ منهم“ [3]

”قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب اصحاب الحدیث

---

[1] مرقاة (١ ٢٩٠)
[2] شرف أصحاب الحديث (ص: ١٩)
[3] الإحسان (٢ ١٣٣)، مرقاة (٢ ٣٤٠)

ہوں گے، کیوں کہ اس امت میں اصحاب الحدیث سے زیادہ کوئی درود پڑھنے والا نہیں۔"

یہی بات ان سے علامہ السخاوی نے القول البدیع[1] الباب الثانی کی الفصل الخامس میں، علامہ ابن العربی نے عارضۃ الاحوذی میں اور دیگر حضرات نے ذکر کی ہے۔ کئی محدثین رحمہم اللہ کو وفات کے بعد دیکھا گیا کہ وہ بڑی بہترین حالت میں ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ کس عمل کی بنا پر یہ مرتبہ حاصل ہوا، تو انھوں نے کہا کہ حدیث لکھتے ہوئے جو میں "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھتا تھا اس کی برکت سے۔"[2]

مجلسِ محدثین اور مجلسِ فقہاء کا فرق:

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے امام سفیان رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں یا حدیث بیان کر رہے ہیں یا فقہ کے غوامض پر بات کر رہے ہیں، مگر ایک اور مجلس ہے، میں وہاں جاتا ہوں تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھا جاتا۔[3] یہی قول خطیب نے ایک اور سند سے بھی ذکر کیا ہے۔[4] اور یہ دوسری مجلس امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہوتی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ قول اپنے استاد عبدان رحمہ اللہ، عبداللہ بن عثمان بن جبلۃ المروزی رحمہ اللہ سے نقل کیا جو ثقہ اور حافظ ہے۔[5] اور وہ منفرد بھی نہیں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے اسے بلا دلیل صریح جھوٹ قرار دیا ہے۔[6] اور کسی کے جھوٹا ہونے کی نشان دہی بھی نہیں کی۔ صرف اس بنا پر ابو بشر الدولابی نے اسے بواسطہ ابراہیم الجوزجانی، عبدان سے

---

[1] القول البديع (ص: ١٤٠)

[2] شرف أصحاب الحديث (ص: ١١٠، ١١١)، القول البديع (ص: ٢٥٠)

[3] التاريخ الكبير (٤ ٩٢)

[4] تاريخ بغداد (١٣ ٤٠٤)

[5] تقريب (ص: ١٨١)

[6] تانيب الخطيب (ص: ١٩٧) المكتبة الأزهر

روایت کیا اور اس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ حافظ الدولابی بجائے خود متکلم فیہ ہیں اور حنفی ہونے کے ناطے حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ جیسا کہ تاریخِ دمشق، السیر، میزان اور لسان میں ہے۔[1] پھر یہ کلام تنہا عبدان ہی ذکر نہیں کرتے، علی بن شقیق بھی ذکر کرتے ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ نے مجلسِ سماعِ حدیث نہیں بنائی:

اور یہ کوئی اجنبی بات بھی نہیں، کیوں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے امام سفیان رحمہ اللہ کی طرح سماعِ حدیث کی کوئی مجلس قائم نہیں کی تھی، فقہی احکام زیرِ بحث آتے تو ضمناً حدیث کا ذکر بھی آ جاتا، چنانچہ مولانا ابو الوفا ''کتاب الآثار'' لابي یوسف کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''إنما كان يملي فروع الفقه على تلاميذه، فإذا احتاج إلى دليل مسألة حدثهم عن شيوخه من الأحاديث المرفوعة والموقوفة وآثار التابعين بالسند المتصل تارة، وأخرى بلاغاً وتعليقاً وانقطاعاً ولم يجلس للتحديث كعادة المحدثين'' الخ[2]
>
> ''بے شک امام صاحب فقہی فروعات اپنے تلامذہ کو لکھواتے تھے، جب کسی مسئلہ میں استدلال کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے شیوخ سے مرفوع احادیث، موقوف اور آثار تابعین کبھی سند متصل سے کبھی بلاغاً اور کبھی معلقاً اور کبھی منقطعاً بیان فرماتے۔ اور انھوں نے محدثین کی طرح حدیث کی مجلس قائم نہیں کی۔''

---

[1] تاریخ دمشق (٥١/ ٣١، ١٤/ ٦٧٨)، السیر (١٤/ ٣١)، میزان (٣/ ٤٥٩)، لسان (٥/ ٤١)

[2] مقدمہ الآثار (ص: ج)

امام صاحب کے تراجم میں ان کی مجلسِ فقہ کا ذکر تو ہے مگر مجلسِ حدیث کا کوئی ذکر نہیں۔

امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد:

زیبِ داستان کے لیے جو شیخ ابو حفص کبیر رحمہ اللہ نے کہہ دیا ہے کہ امام صاحب کے مشائخِ حدیث کی تعداد چار ہزار ہے۔[1]

تو یہ محض دعویٰ ہے، علامہ شبلی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے: ''انصاف یہ ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہوسکتا۔''[2]

اس کے برعکس امام صاحب کے ایک اور دیوانے شیخ مسعود رحمہ اللہ بن شیبہ سندھی نے امام صاحب رحمہ اللہ کے فقہ و حدیث کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار تین سو بیس ذکر کی ہے۔[3] مگر یہ بھی رجماً بالغیب ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے تو اس بارے میں فرمایا ہے کہ امام صاحب کے اساتذہ کی کم تعداد ان کے کمالِ ورع وتقویٰ کی دلیل ہے کہ شیوخ کے حقوق کو پورا نہ کر سکنے کے خوف کی وجہ سے انھوں نے زیادہ شیوخ سے روایت نہیں لی، ان کے الفاظ ہیں:

''وهذا أيضا على ورعه وكمال تقواه وعلمه، فانه لم يكثر الأساتذة لئلا تستكثر الحقوق، فيخاف عجزه عن إيفائها''[4]

یہ وضاحت تو برسبیلِ تذکرہ ہوئی، اصل بات تو یہ تھی کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے محدثین کی طرح مجلسِ سماع کا اہتمام نہیں کیا، امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول اسی تناظر میں ہے۔ ''جامع المسانید'' ہو یا ''الموسوعة الحديثيه لمرويات

---

[1] المناقب للموفق (١/ ٣٨)، جامع المسانيد (١/ ٣٠)

[2] سيرة النعمان (ص: ٦٣)

[3] مقدمه كتاب التعليم (ص: ٢٠٩)

[4] الرفع والتكميل (ص: ٧٠، ٧١)

الإمام أبي حنيفة“ ہو، ان میں امام صاحب کے شیوخ کی تعداد ۳۲۸ ہے۔

آج بھی فقہ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لی جائے اور اس کا تقابل اسی حجم کی حدیث کی کتاب سے کرلیا جائے تو یہ بات نصف النہار کی طرح روشن ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت کس میں ہے۔

یہ بات تو ضمناً آ گئی ہے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ حدیث شریف کے پڑھنے پڑھانے میں جس قدر درود شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور علم کے پڑھنے میں اس کے عشرِ عشیر بھی نہیں۔ درود شریف کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے رضی اللہ عنہ کے کلمات اس پر مستزاد ہیں۔

محدثین رحمہم اللہ کا حفظ وضبط:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دینِ اسلام کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، جیسا کہ قبل ازیں ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اور اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا ہے کہ آج تک بحمد اللہ یہ محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس انتظام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو حفظ وضبط کرنے کے ساتھ ساتھ احادیثِ مبارکہ کو یاد کرنے کا بھی شوق پیدا فرمایا اور محدثین کو بے نظیر حافظے کی قوت سے نوازا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نہیں، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، اتباع التابعین اور ان کے بعد کے دور میں ایسے حفاظ پیدا فرمائے جنھوں نے احادیثِ پاک کو یاد کیا اور آگے امت تک پہنچایا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کے نام سے ان حفاظِ کرام کے حالات وخدمات کو جمع کر دیا ہے، ان کے بعد ان کے تلمیذ الحافظ ابو المحاسن الحسینی الدمشقی نے اس پر ذیل لکھا، پھر حافظ تقی الدین محمد بن فہد المکی نے اس پر ”لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ“ کے نام سے ذیل لکھا، ان کے بعد علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے طبقات الحفاظ للذہبی پر ذیل لکھا اور ”طبقات الحفاظ“ کے نام سے ”تذکرۃ الحفاظ“ کا اختصار بھی

کیا۔ ان حفاظ کے بارے میں محولہ کتب اور دیگر کتبِ تاریخ و رجال میں تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں بعض ائمہ حفاظ کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے دور میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے۔[1] حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے کسی حدیث کے بیان میں خطا کی ہو۔[2] اور یہ بات تو مسلم حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان سے آٹھ سو سے زائد حضرات نے حدیث کا سماع کیا ہے۔

مروان بن حکم جو اموی حکومت کا پہلا فرمانروا تھا، اس کے کاتب ابو الزعیزعہ کا بیان ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مجھے پردہ کے پیچھے بٹھا دیا، مروان ان سے سوال کرتا اور میں لکھتا جاتا تھا، حتی کہ "كتبت حديثاً كثيراً" میں نے بہت سی احادیث لکھیں، پھر اس کے بعد ایک سال گزر گیا تو مروان نے دوبارہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور مجھے پردہ کے پیچھے بٹھا دیا۔ چنانچہ مروان نے انھی احادیث کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا اور میں لکھی ہوئی احادیث دیکھ رہا تھا: "فما زاد ولا نقص، ولا قدم ولا أخر" "نہ انھوں نے کچھ اضافہ کیا نہ کوئی کمی کی، نہ ان کے بیان کرنے میں تقدیم و تاخیر کی۔" (من و عن سب بیان کر دیں)۔[3]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ یہ قصہ نقل کر کے لکھتے ہیں: "هكذا فليكن الحفظ"[4] حافظہ اسی طرح کا ہونا چاہیے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے انھیں تذکرۃ الحفاظ[5] اور

---

[1] السير (٢/ ٥٩٩) [2] أيضاً (٢/ ٦٢)

[3] المستدرك (٣/ ٥١٠) وصححهٗ الكنى للإمام البخاري (٣٣)

[4] السير (٢/ ٥٩٨) [5] تذكرة الحفاظ (١/ ٣٢)

طبقات القراء[1] میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

"فهو رأس في القرآن وفي السنة، وفي الفقه"[2]

"وہ قراءتِ قرآن، حدیث اور فقہ میں امام تھے۔"

یہ حفظ وضبط ان کی شب و روز لگن اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ ایک روز انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ تو میں نے چادر بچھا دی تو آپ نے دونوں ہاتھوں سے ایک لپ اس چادر پر ڈالا اور فرمایا: اسے اپنے ساتھ ملا لو، تو میں نے اسے اپنے جسم کے ساتھ ملا لیا، "ما نسيت شيئاً بعده" پھر اس روز کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔[3]

محمد بن قیس المدنی رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: جاؤ یہ مسئلہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھو، کیوں کہ ایک روز ہم تین ساتھی مسجد میں تھے اور دعا کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ہمارے ساتھ بیٹھ گئے، میں نے اور میرے دوسرے ساتھی نے دعا کی تو آپ ﷺ نے آمین کہی، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور کہا کہ اے اللہ! ان میرے دونوں ساتھیوں نے جو طلب کیا وہ میں بھی طلب کرتا ہوں اور آپ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو بھولے نہ، تو نبی کریم ﷺ نے آمین کہا۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم بھی یہی مانگتے ہیں کہ ایسا علم ملے جو بھولے نہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: دوسی غلام تم سے سبقت لے گیا ہے۔[4]

---

[1] طبقات القراء (١ ٢١)   [2] السير (٢ ٦٢٧)

[3] صحيح البخاري (١١٩)، مسلم وغيرهما

[4] السير (٢ ٦١٦)، تهذيب للمزي (١٥ ٣٤٥)، السنن الكبرى للنسائي (٥٨٣٩) والطبراني في الأوسط (١٢٥٠)، المستدرك (٣ ٥٠٨)

امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح مگر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا کہ حماد بن شعیب ضعیف ہے، حالانکہ اس کا متابع فضل بن علاء ہے اور وہ صدوق ہے، جیسا خود علامہ ذہبی نے السیر میں کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید کہا ہے [1] اور الفتح [2] میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن قیس المدنی اس میں مجہول ہے۔ واللہ أعلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حصولِ حدیث کی حرص کی گواہی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب العلم میں "باب الحرص علی الحدیث" کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! روزِ قیامت آپ کی شفاعت کی سعادت کسے حاصل ہو گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات تم سے پہلے کسی نے دریافت نہیں کی، کیوں کہ تمھیں حدیث کا علم حاصل کرنے میں حرص بہت ہے۔ [3] الحدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طلبِ حدیث میں یہی حرص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث یاد کرنے اور بیان کرنے والے تھے۔ مستشرقین اور ان کی معنوی ذریت، منکرینِ حدیث اور روافض نے ان پر جو اعتراضات کیے ہیں، شیخ الدکتور مصطفیٰ السباعی نے "السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي" میں، شیخ عبدالمنعم نے "دفاع عن ابی ہریرہ" میں، شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز نے "البرهان في تبرءة أبي هريرة من البهتان" میں اور شیخ عبدالرحمان المعلمی مرحوم نے "الأنوار الكاشفة" میں ان کے جوابات دیے ہیں اور بحث کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاهم الله أحسن الجزاء عنا وعن المسلمين.

---

[1] الإصابة (١٣/ ٤٩) [2] الفتح (١/ ٢١٥)

[3] صحيح البخاري (٩٩)

امام زہری محمد بن مسلم ابن شہاب رحمہ اللہ:

تابعین کرام میں اگرچہ بہت سے حفاظِ حدیث کا ذکر آتا ہے، جیسے: سعید بن المسیب، سالم بن عبداللہ، نافع، قاسم بن محمد بن ابی بکر، علقمۃ بن قیس، علقمۃ بن وقاص، مسروق، الاسود بن یزید، عبدالرحمان بن ابی لیلی، عروۃ بن الزبیر، الحسن البصری، ابراہیم النخعی، ابو اسحاق، سلیمان الاعمش، محمد بن سیرین، عطاء بن یسار، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، طاؤس، عامر الشعبی، سعید بن جبیر، قتادہ بن دعامۃ، محمد بن مسلم، ابوالزبیر، عمرو بن دینار، یحیٰ بن ابی کثیر، مکحول دمشقی، ابو قلابہ، عبداللہ بن زید رحمہم اللہ وغیرہم ہیں۔ مگر ان سب میں سب سے زیادہ جنھوں نے حدیث کی تدوین کی وہ امام زہری رحمہ اللہ ہیں۔ آٹھ سال امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں حاضری دی۔ خود فرماتے ہیں: طلبِ علم میں جس قدر سختیاں میں نے برداشت کیں ہیں کسی نے اس قدر تکالیف نہیں برداشت کیں، اس کی نشر و اشاعت میں جس قدر میں نے کوشش کی کسی نے نہیں کی۔ ۸۰ دن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ وہ فرماتے ہیں: مجھے کبھی کسی حدیث کے بارے میں سوائے ایک حدیث کے شک نہیں، میں نے اس کے بارے میں اپنے ساتھی سے سوال کیا تو اس نے بھی اسی طرح سنائی جیسے مجھے یاد تھی۔ میں نے کبھی شیخ سے نہیں کہا کہ حدیث ایک بار پھر پڑھیں۔ گویا پہلی بار سننے ہی سے یاد ہو جاتی تھی۔

امام زہری رحمہ اللہ کے حافظہ کا امتحان خلیفہ ہشام بن عبدالملک رحمہ اللہ نے لینا چاہا تو اس نے امام صاحب سے کہا میرے بیٹے کو کچھ احادیث لکھوا دیں، تو انھوں نے اسے چار سو احادیث لکھوا دیں، وہاں سے نکلے تو فرمایا: اے اصحاب الحدیث! تم کہاں ہو، وہ آئے تو انھیں وہی چار سو احادیث لکھوا دیں پھر ایک ماہ بعد ہشام رحمہ اللہ، امام زہری رحمہ اللہ سے ملے تو انھیں کہا وہ جو احادیث آپ نے بیٹے کو لکھوائیں تھیں وہ ضائع ہو گئیں، آپ دوبارہ لکھوا دیں، چنانچہ کاتب کو بلایا گیا تو اسے امام صاحب نے وہ

احادیث دوبارہ لکھوا دیں۔ پھر ہشام نے ان کا مقابلہ پہلے لکھوائی ہوئی احادیث سے کیا۔

"فما غادر حرفاً واحداً"[1] "تو ایک حرف کی بھی کمی نہ تھی۔"

امام زہری رحمہ اللہ حدیث بیان کرتے اگر کوئی کہہ دیتا کہ یہ حدیث دوبارہ پڑھیں تو فرماتے دوبارہ حدیث پڑھنا پتھر کو نقل کرنے سے بھی مجھ پر بھاری ہے۔[2]

تابعینِ کرام رحمہم اللہ میں امام علقمۃ بن قیس، جو سیدنا عبداللہ بن مسعود کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، فرماتے ہیں کہ جوانی میں، میں نے جو کچھ یاد کیا وہ میرے سامنے ایسے ہے، جیسے اوراق میں لکھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔[3]

امام عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ، جنھوں نے ۵۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے، فرماتے ہیں: میں نے کبھی اوراق سیاہ نہیں کیے جن نے بھی حدیث بیان کی میں نے اسے یاد کرلیا اور کبھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ استادِ محترم اسے ایک بار پھر دہرائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو احادیث بیان کرتا ہوں وہ اشعار سے کم اگرچہ ہوں تو ایک ماہ تک تمھیں اشعار سناتا رہوں۔[4]

امام قتادہ بن دِعامۃ رحمہ اللہ:

امام قتادہ بن دِعامۃ رحمہ اللہ بھی تابعینِ کرام میں عظیم حافظ تھے اور نابینے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قتادہ جو سنتے یاد ہو جاتا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ ایک ہی بار سنا تو سب یاد ہو گیا۔ ایک بار انھوں نے امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے کہا اے ابونضر! قرآن مجید پکڑیں، انھوں نے سورۃ البقرہ سنائی تو ایک حرف کی بھی غلطی نہ کی، پھر فرمایا: اے ابونضر! کیا یہ مجھے پختہ یاد ہے، انھوں نے فرمایا: ہاں، امام قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفۂ حدیث اس سے بھی ازبر ہے۔ فرمایا کرتے تھے:

---

[1] التذکرہ (۱ ۱۱۰)، التهذيب (۱۲ ۳۱۲)، المعرفة والتاريخ للفسوى (۱ ٦٤٠)

[2] المعرفة [3] السير (٤ ٥٥) [4] السير (٤ ٣٠٢)

میں نے کسی سے کبھی نہیں کہا کہ دوبارہ حدیث سنائیں۔[1]

نیز یہ بھی فرمایا: میرے کانوں نے جو سنا میں نے اسے یاد کر لیا۔ امام ابن المسیب رحمہ اللہ کے پاس وہ آٹھ دن رہے، مگر تیسرے روز ہی امام ابن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: اے اندھے! کہیں اور جا کے علم حاصل کرو، تم نے تو مجھے نچوڑ لیا ہے، نیز فرمایا: میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے جیسا کوئی اور پیدا نہیں کیا۔[2]

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ:

النضر بن مساور نے امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کیا آپ احادیث یاد کرتے ہیں؟ تو ان کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا: میں نے کبھی حدیث یاد نہیں کی، میں کتاب دیکھتا ہوں اس میں سے جسے چاہتا ہوں دل میں اتر جاتی ہے۔ امام ابن مبارک رحمہ اللہ کے ہم سبق صخر فرماتے ہیں کہ ہم مکتب میں پڑھتے تھے میں اور ابن مبارک رحمہ اللہ جا رہے تھے اور ایک خطیب صاحب تقریر کر رہے تھے، انھوں نے طویل خطبہ دیا جب وہ فارغ ہوئے تو امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا یہ سارا خطبہ مجھے یاد ہے اور ایک صاحب نے کہا آؤ سناؤ، چنانچہ انھوں نے سارا خطبہ سنا دیا۔[3]

امام ابو زرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی رحمہ اللہ:

خود امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے کان جو سنتے ہیں وہ میرے دل میں محفوظ ہو جاتا ہے اور بغداد کے بازار جب جاتا ہوں گانے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی انگلیاں کانوں میں لے لیتا ہوں کہ یہ سن کر کہیں مجھے یاد نہ ہو جائے۔[4]

امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ابو زرعہ کو چھے لاکھ احادیث یاد ہیں۔[1]

---

[1] التاريخ الكبير للإمام البخاري (٧ ١٨٦)

[2] السير (٥ ٢٦٩)، تذكره وغيره

[3] تاريخ بغداد (١٠ ١٦٥) وغيره

[4] تاريخ بغداد (١٢ ٤١)، التهذيب (٨ ٦٢٨) وغيره

[5] ايضاً

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے مراد مرفوع موقوف اور تابعین کے فتاویٰ مراد ہیں۔ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے گھر میں پچاس سال میں جو کچھ لکھا ہے محفوظ ہے اور جب سے لکھا ہے دوبارہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم مجھے معلوم ہے فلاں حدیث کس ورقہ میں کس صفحہ میں اور کس سطر میں ہے۔ [1]

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کے ہاں امام محمد بن مسلم ابن وارۃ رحمہ اللہ اور امام فضل بن عباس رحمہ اللہ المعروف فضلک الرازی الصائغ تشریف لائے ان کے مابین مذاکرہ ہونے لگا۔ امام ابن وارۃ رحمہ اللہ نے حدیث ذکر کی مگر امام فضلک الرازی رحمہ اللہ نے اس کا انکار کیا اور کہا یہ حدیث یوں نہیں ہے۔ امام ابن وارۃ نے کہا: وہ کیسے ہے؟ تو انھوں نے ایک اور حدیث ذکر کی، مگر ابن وارہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو میں نے کہا: وہی صحیح ہے۔ آؤ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ سے فیصلہ کروائیں۔ چنانچہ امام ابن وارہ رحمہ اللہ نے ابوزرعہ رحمہ اللہ سے کہا: جناب! آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے اپنے بھتیجے ابو القاسم سے کہا: مکتبہ میں جائیں پہلا، دوسرا بکس چھوڑ کے تیسرے بکس میں سے سولہ (۱۶) اجزا شمار کریں اور (۱۷) ستراں جزو لے آئیں۔ چنانچہ وہ گیا تو جزو کی کاپی لے آیا۔ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے چند اوراق ادھر ادھر کر کے کہا یہ ہے حدیث اور امام ابن وارہ رحمہ اللہ کو وہ جزو پکڑا دیا، جب انھوں نے اسے پڑھا تو اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ [2]

حافظ ابوبکر محمد بن عمر الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس امت میں امام ابوزرعہ رحمہ اللہ سے بڑا کوئی حافظ نہیں، سات لاکھ احادیث کے حافظ تھے اور ایک سو چالیس ہزار احادیثِ تفسیر و قراءات کے حافظ تھے۔ [3]

---

[1] تاریخ بغداد (۱۲/ ۴۰، ۴۱)، مقدمة الجرح والتعديل (ص: ۳۳۳)، التهذيب (۸/ ۶۲۹) وغيره

[2] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ۳۳۷)، تهذيب (۸/ ۶۲۹)

[3] التهذيب للمزي (۱۲/ ۲۲۹)

ابو العباس محمد بن جعفر الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائی ہے کہ ابو زرعہ رحمہ اللہ کو دو لاکھ احادیث یاد ہیں تو کیا وہ حانث ہوگا؟ تو امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں مجھے دو لاکھ احادیث یوں یاد ہیں، جیسے کسی کو ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ یاد ہے۔[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو مرسل قرار دیا ہے۔ (السیر: ۱۳/۶۹) تاہم دو مختلف اسانید سے پہلے گزرا ہے کہ ایک نے قسم کھائی کہ اگر امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کو ایک لاکھ احادیث یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو تین طلاق، جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اسے کہو اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی۔ آیندہ ایسی بات نہ کرے۔[2]

یہ اور اسی نوعیت کے دیگر اقوال، جنھیں خطیب بغدادی، حافظ المزی اور الذہبی رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے، سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر حفظ و ضبط کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں ایک بار تشریف لے گئے تو انھوں نے اپنے فرزند ارجمند امام عبداللہ رحمہ اللہ سے فرمایا: میں اس شیخ سے مذاکرہ کے لیے نوافل چھوڑنے پر مجبور ہوا ہوں۔[3]

ایک قول ہے کہ میں نے نوافل پر ان سے مذاکرہ کو ترجیح دی ہے۔[4] انھی کے بارے میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ مرض الموت میں تھے عیادت کے لیے امام ابو حاتم، امام محمد بن مسلم، المنذر بن شاذان اور ایک جماعت رحمہم اللہ موجود تھی، انھوں نے تلقین کے لیے حدیث: ”لقنوا موتاکم لا إله إلا الله“ کا باہم مذاکرہ کیا، امام ابوزرعہ رحمہ اللہ سے ان کے علم و فضل کی بنا پر ان سے ڈرتے اور حیا کرتے ہوئے یہ جرأت نہیں کر رہے تھے کہ انھیں کلمہ طیبہ کی تلقین کریں۔

---

[1] تاریخ بغداد (١٠ ٣٣٥)، التهذيب للمزي (١٢ ٢٢٩)

[2] تاریخ بغداد (١٠ ٣٣٤)

[3] تاریخ بغداد

[4] تهذيب للمزي (٢ ٢٢٥)

چنانچہ محمد بن مسلم بن وارہ رحمہ اللہ کو ایک ترکیب سوجھی تو کہا: "حدثنا الضحاك بن مخلد عن عبد الحميد بن جعفر عن صالح" پھر اس سے آگے نہ پڑھا تو امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرمانے لگے: "حدثنا بندار قال حدثنا أبو عاصم عن عبدالحميد بن جعفر عن صالح" اور خاموش ہو گئے۔

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ حالتِ نزاع میں تھے اور فرمایا: "حدثنا بندار قال حدثنا أبو عاصم قال حدثنا عبد الحميد بن جعفر عن صالح بن أبي عريب عن كثير بن مرة الحضرمي عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ: من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة" جوں ہی حدیث مکمل کی وہ فوت ہو گئے۔[1]

یہ تو تھے وہ حضرات جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

"كأنه خلق للحديث"[2]

"انھیں اللہ تعالیٰ نے خدمتِ حدیث کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔"

---

[1] التهذيب للمزي (١٢ ٢٣٢)، تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٣٤٢)، تاريخ بغداد (١٠ ٣٣٥)، السير (١٣ ٧٦، ٨٥)

[2] اسی قسم کا واقعہ امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے: ابراہیم بن الجراح التمیمی بتلاتے ہیں کہ میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی بیماری میں ان کے پاس عیادت کے لیے گیا ان پر غشی طاری ہوئی پھر طبیعت سنبھلی تو فرمایا: اس بارے میں کیا افضل ہے کہ حج میں رمی جمار سواری پر افضل ہے یا پیدل؟ میں نے عرض کیا آپ ہی فرمائیں، فرمایا: جس جمرہ کے بعد دعا ہے اس کو رمی پیدل افضل ہے اور جس کو رمی کے بعد دعا نہیں اس کو رمی سواری پر افضل ہے۔
الجراح فرماتے ہیں کہ میں اُٹھ کے ابھی دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ وہ وفات پا گئے اور رونے کی آواز آنے لگی۔ (فضائل أبي حنيفة لابن أبي العوام، رقم: ٧٦٥، الجواهر المضية: ٣٦/١) وغیرہ، مگر اس کا مدار احمد بن عبداللہ بن محمد بن خالد الکندی پر ہے جو منکر اور باطل روایات بیان کرتا ہے۔ (ميزان: ١١٠/١، لسان: ١٩٩/١، المغني: ٤٤/١، تنزيه الشريعة: ٢٨/١) وغیرہ۔ واللہ اعلم

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد ہیں اور دو لاکھ ضعیف احادیث یاد ہیں۔[1]

علی بن الحسین بیکندی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ہمارے ہاں تشریف لائے ہم میں سے بعض نے کہا میں نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے سنا فرماتے تھے: ستر (۷۰) ہزار احادیث میری کتاب میں ایسی ہیں کہ گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا آپ کو اس پر تعجب ہے اس زمانے میں وہ بھی ہے جو اپنی کتاب میں دو لاکھ احادیث کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس سے مراد وہ خود تھے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں سولہ سال کا تھا کہ میں نے امام عبداللہ ابن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو یاد کیا۔[3] جب کہ امام وکیع کی دس اور امام ابن مبارک کی پانچ کتابوں کا ذکر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے وراق محمد بن ابی حاتم رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے امام حاشر بن اسماعیل، نیز ایک اور ساتھی سے سنا کہ فرماتے تھے: امام بخاری رحمہ اللہ ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے پاس سماعِ حدیث کے لیے جاتے تھے، وہ نوجوان تھے اور لکھتے نہ تھے۔ یوں سولہ روز گزر گئے اور ہم انھیں کہتے تم لکھتے کیوں نہیں؟ انھوں نے فرمایا: تم بڑے اعتراض کرتے ہو، بتلاؤ اتنے روز کتنی احادیث تم نے لکھی ہیں؟ ہم نے بتلایا: پندرہ ہزار سے زائد، تو انھوں نے یہ سب زبانی ہمیں سنا دیں، حتی کہ ہم ان کے پڑھنے سے اپنا مسودہ درست کرتے تھے، پھر انھوں نے

---

[1] تاريخ بغدار (٢ ٢٥)، السير (١٢ ٤١٥) وغيره

[2] تاريخ بغداد (٢ ٢٥)، السير (١٢ ٤١٦)، هدى الساري (٤٨٨) وغيره

[3] تاريخ بغداد (٢ ٧)

فرمایا: کیا تمھارا خیال ہے کہ میں بے کار آتا جاتا ہوں اور اپنے ایام ضائع کرتا ہوں۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ ان سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔[1]

امام ابوبکر محمد بن رزق اللہ الکلو اذانی فرماتے ہیں: میں نے امام بخاری رحمہ اللہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا، وہ علما سے کتاب لیتے، ایک نظر اس پر ڈالتے تو اکثر احادیث ان کو یاد ہوتی تھیں۔[2]

امام محمد بن ازہر سجزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم بصرہ میں امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوتے، ہمارے ہمراہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی ہوتے، وہ صرف سنتے تھے، لکھتے نہیں تھے۔ میں نے بعض ساتھیوں سے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو کیا ہے، یہ لکھتے نہیں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بخارا میں جا کر زبانی لکھیں گے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ کی زندگی کا معروف واقعہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے اہلِ علم نے امام صاحب کے امتحان کی ایک ترکیب بنائی اور دس ساتھیوں کو تیار کیا اور ایک سو احادیث کی اسانید اور متون کو ادل بدل کر دیا اور ہر ایک کو دس دس بدلی ہوئی اسانید و متون دے دیے کہ باری باری ان احادیث و اسانید کو پڑھیں اور ان سے ان کے بارے میں سوال کریں۔ یہ منظر دیکھنے کے لیے اہلِ بغداد جمع ہو گئے۔ چنانچہ حسبِ پروگرام ایک شخص نے پہلی حدیث پڑھی، امام صاحب نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر اس نے دوسری حدیث پڑھی، امام صاحب نے فرمایا: میں نہیں جانتا، اسی طرح اس نے دس احادیث پڑھیں۔ امام صاحب فرماتے رہے، میں یہ نہیں جانتا۔ حاضرین میں اہلِ علم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، بعض نے کہا: امام بخاری رحمہ اللہ حقیقت سمجھ گئے ہیں۔ بعض نے کہا: امام بخاری رحمہ اللہ عاجز آ گئے

---

[1] تذکرة الحفاظ (٢ ٥٥٦)، تغليق التغليق (٥ ٣٩٠)، مقدمة الفتح (ص: ٤٨٦، ٤٨٧)، السير (١٢ ٤٠٨)، تاريخ بغداد (٢ ١٤) وغيره.

[2] السير (١٢ ٤١٦)، مقدمة الفتح (٤٨٦)

[3] الارشاد للخليلي (٣ ٩٦١)

ہیں۔ پھر دوسرے صاحب نے اسی طرح دس احادیث پڑھیں، امام صاحب رحمہ اللہ ہر بار فرماتے رہے کہ میں اسے نہیں جانتا۔

اسی طرح دس کے دس حضرات جب احادیث سنا چکے تو امام صاحب رحمہ اللہ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آپ نے پہلی حدیث اس سند سے یہ پڑھی تھی، وہ غلط تھی، اس کی صحیح سند یوں ہے۔ اسی طرح دس کی دس احادیث صحیح اسانید اور متون سے بیان کر دیں اور ان کی بیان کی ہوئی غلط اسانید بھی بیان کر دیں۔ اسی طرح دوسرے، پھر تیسرے، حتی کہ دس کے دس حضرات کی ردوبدل کی ہوئی احادیث بھی ترتیب کے ساتھ بیان کر دیں اور ان کی درست اسانید اور صحیح متون بھی بتلا دیے۔ تو تمام حاضرین نے ان کے حفظ وضبط کا اور ان کی عظمت کا اعتراف کر لیا۔[1]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ یہ واقعہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے سر جھک جاتا ہے، اس میں تعجب نہیں کہ انھوں نے غلطیوں کی درستی کر دی، بلکہ تعجب اس پر ہے کہ جو سو احادیث ردوبدل کر کے لوگوں نے بیان کی تھیں، انھیں بھی اسی ترتیب سے ایک ہی بارسن کے بیان کر دیا۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے "المقلوب" کی بحث میں یہی واقعہ فتح المغیث[2] میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یہ قصہ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور ابنِ عدی رحمہ اللہ کا فرمانا کہ یہ میں نے بہت سے اساتذہ سے سنا ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ کے شیوخ کی جہالت مضر نہیں، کیوں کہ وہ اتنی تعداد میں ہیں کہ ان سے ان کی جہالت رفع ہو جاتی ہے، پھر وہی بات کہی جو اوپر ہم حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ سے نقل کر آئے ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد (۲/ ۲۰، ۲۱)، مقدمة الفتح (٤٨٦)، السیر (۱۲/ ٤٠٩) وغیره.

[2] فتح المغیث (۱/ ۲۲۰، ۲۲۱)

بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی مسموعات میں "انتقاء البخاري من حديثه لأهل بغداد" کے جزو اول اور ثانی کے سماع کا بھی ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں امام ابن بشکوال نے فرمایا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ ان احادیث پر مشتمل ہے جنھیں اہلِ بغداد نے ردوبدل کر کے امام بخاری رحمہ اللہ پر پیش کیا تھا۔[1] اس لیے اس واقعے پر اعتراض محض مجادلہ ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ ہی نے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہمارے ساتھی علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ، حافظ المزی رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: میں نے آپ کی مرویات سے چالیس احادیث منتخب کی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان کی آپ پر قراءت کروں، چنانچہ انھوں نے پہلی حدیث پڑھی۔ حافظ المزی رحمہ اللہ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، وہ سیدھے ہو کے بیٹھ گئے، جب دوسری حدیث پڑھی تو حافظ المزی رحمہ اللہ مسکرائے اور فرمایا: میں وہ نہیں، وہ بخاری ہی تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا ہمارے نزدیک بہت بہتر تھا، اس سے کہ (امام بخاری کی طرح) ہر متن کو صحیح سند سے ذکر کرتے۔[2]

اسی نوعیت کا واقعہ سمرقند میں پیش آیا، امام احمد رحمہ اللہ بن ازہر ابو ازہر فرماتے ہیں کہ سمرقند میں چار سو حدیث کے طالب علم تھے، انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو مغالطہ دینے کے لیے سات دن یہ کوشش کی کہ اہلِ شام کی اسانید و متون کو اہلِ عراق کی اسانید سے اور اہلِ یمن کی اسانید و متون کو اہلِ حرمین شریفین کی اسانید سے خلط ملط کر دیا، مگر وہ سند و متن میں کوئی مغالطہ امام صاحب کو نہ دے سکے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ کے ورّاق محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے امام

---

[1] المعجم الفهرس (ص: ٣٢٩، رقم: ١٠٠٦)

[2] فتح المغيث (١ ٣٢٢) [3] السير (١٢ ٤١١)، مقدمة الفتح (٤٨٦)، تغليق (٥ ٤١٩)

بخاری رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کے بارے میں غور کیا تو ایک لمحہ میں ان کے تین سو شاگرد مجھے یاد آ گئے۔ [1]

امام المزی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ۲۲۸ تلامذہ کا ذکر کیا ہے، ورّاق رحمہ اللہ ہی کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نیشاپور کی جامع مسجد میں بیٹھا تھا کہ عمرو رحمہ اللہ بن زُرارۃ اور امام اسحاق رحمہ اللہ بن راہویہ والیِ نیشاپور یعقوب رحمہ اللہ بن عبداللہ کے ہاں تشریف لے گئے، انھوں نے میرا ذکرِ خیر والیِ نیشاپور سے کیا، مگر اس نے کہا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی اجنبی ہمارے پاس آئے تو ہم اسے جانے نہیں دیتے، تا آنکہ اس کے بارے میں ہمیں اچھی طرح معلوم نہ ہو (کہ یہ کون ہے اور کہاں سے ہے؟) امام صاحب رحمہ اللہ سے بعض نے کہا: ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ والیِ نیشاپور نے آپ کے بارے میں کہا ہے: تم تو نماز اچھی طرح نہیں پڑھتے، تو آپ یہاں کیسے درس کے لیے بیٹھیں گے۔ امام صاحب نے فرمایا: اگر اس قسم کی بات ہے تو میں یہاں مجلس سے اٹھنے سے پہلے صرف نماز کے بارے میں دس ہزار احادیث روایت کر دیتا ہوں۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ سے سُلیم رحمہ اللہ بن مجاہد ملے اور کہا: کیا آپ کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور جو بھی حدیث صحابہ اور تابعین سے ہے، میں ان میں اکثر کا سن پیدائش، وفات اور ان کا مسکن بھی جانتا ہوں اور جس صحابی یا تابعی کا کوئی قول وفتویٰ میں روایت کرتا ہوں تو اس کی جو بنیاد کتاب وسنت میں ہے، اسے بھی جانتا ہوں کہ یہ کس آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے۔ [3]

امام رَجا بن مُرَجّٰی رحمہ اللہ ابوعبداللہ المروزی السمرقندی حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، ایک دفعہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: جب

---

[1] السیر (۱۲ ۴۱۱)، تغلیق (۵ ۴۱۹)، مقدمة الفتح (۴۸۸)

[2] السیر (۱۲ ۴۱۲)، تغلیق (۵ ۴۱۹)، مقدمة الفتح (۴۸۷)

[3] تاریخ بغداد (۲ ۲۴، ۲۵)، السیر (۱۲ ۴۱۷، تغلیق (۵ ۴۰۵)، مقدمة الفتح (۴۸۴) وغیرہ

میرے آنے کی خبر ملی تو آپ نے کیا تیاری کی ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے کوئی تیاری نہیں کی، اور نہ کتبِ احادیث پر نظر ڈالی ہے، اگر آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھیے، چنانچہ امام رجاء بعض باتوں میں ان سے مناظرہ کرنے لگے اور اس میں بڑے مگن ہو گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: مزید اور کچھ ہے تو امام رجاء نے کہا: ہاں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: جو چاہیں، پوچھیں۔ انھوں نے ''ایوب'' کی تیرہ احادیث ذکر کیں۔ امام صاحب خاموش رہے۔ امام رجاء جب تمام احادیث ذکر کر چکے تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابھی تو بہت سی روایات باقی ہیں اور جو آپ نے ذکر کی ہیں، ان میں بھی سات یا آٹھ درست نہیں۔ پھر انھوں نے ساٹھ سے اوپر ایوب کی روایات ذکر کیں۔ ایک روایت میں دس سے اوپر احادیث کا ذکر ہے۔ پھر امام رجاء نے فرمایا: آپ کے پاس سیاہ عمامہ کے بارے میں کتنی روایات ہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: بتلائیں! آپ کتنی روایات اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں؟ پھر فرمایا: میں تو تقریباً چالیس احادیث بیان کرتا ہوں۔ یہ سن کے امام رجاء شرمندہ ہوئے اور ان کا منہ خشک ہو گیا۔[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس گفتگو کی طرف اشارہ امام رَجاء کے ترجمہ میں بھی کیا ہے۔[2]

یہی امام رَجاء فرماتے ہیں: علما پر امام بخاری رحمہ اللہ کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مردوں کو عورتوں پر ہے۔ نیز فرمایا: وہ تو زمین پر چلتی پھرتی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔[3]

یہ آخری بات ابو الطیب رحمہ اللہ حاتم بن منصور نے بھی کہی ہے۔

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر پہلے ہوا ہے، امام ابو العباس رحمہ اللہ الفضل بن العباس

---

[1] تاریخ بغداد (٢/ ٢٦)، السیر (١٢/ ٤١٣، ٤١٤، ٤١٥)

[2] السیر (١٢/ ٩٩)

[3] تاریخ بغداد (٢/ ٢٥٣)، السیر (١٢/ ٤٢٧)، مقدمة الفتح

فضلک الرازی سے کسی نے سوال کیا کہ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ افضل ہیں یا محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ؟ تو انھوں نے فرمایا: میں حلوان (عراق کی انتہائی حد پر واقع ایک بڑے شہر کا نام ہے)۔[1] سے بغداد کے سفر میں ایک منزل تک امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ رہا اور بڑی کوشش کی کہ ان پر ایسی حدیث پیش کروں جسے وہ نہ جانتے ہوں مگر مجھے اس میں کامیابی نہ ہوئی، لیکن ابو زرعہ رحمہ اللہ کے سامنے تو ان کے سر پر بالوں کے برابر احادیث پیش کرسکتا ہوں، جنھیں وہ نہ جانتے ہوں۔[2]

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کا امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ ان سے ابن لہیعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''ترکہ أبو عبد اللہ محمد بن اسماعیل'' اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی روایت نہیں لی۔ پھر ان سے محمد بن حمید کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''ترکہ أبو عبد اللّٰہ'' کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں لی، یعنی متروک کہا ہے۔[3]

ابراہیم الخواص فرماتے ہیں:

''میں نے امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کو دیکھا وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے بچے کی طرح بیٹھے ہیں اور ان سے عللِ حدیث کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔[4]

حفاظ حسین بن محمد جو عبید العجل کے لقب سے معروف تھے اور امام یحییٰ بن معین کی تلمیذ تھے، انھوں نے ہی یہ لقب انھیں دیا تھا، فرماتے ہیں: میں نے امام بخاری رحمہ اللہ جیسا کوئی نہیں دیکھا، امام مسلم رحمہ اللہ ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ پاتے۔ میں نے امام ابو زرعہ رحمہ اللہ اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ کو دیکھا وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پہلو میں

---

[1] الأنساب (٢ ٢٤٧)

[2] تاریخ بغداد (٢ ٢٣)، السیر (١٢ ٤٣٤)، التقیید لابن نقطة (١ ١٢)، مقدمة الفتح (٤٨٥)

[3] تاریخ بغداد (٢ ٢٣)، السیر (١٢ ٤٣٤)، مقدمه (٤٨٦)، تهذیب (١١ ٤٦٠) وغیره

[4] السیر (١٢ ٤٠٧)، طبقات السبکی (٢ ٢٢٢)

بیٹھے ہوئے ہیں اور بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ ایک امت تھے اور محمد بن یحییٰ ذہلی سے کئی درجہ بڑھے ہوئے تھے۔[1] مگر اس کا راوی عبداللہ بن موسیٰ ابو الحسن ضعیف ہے، غالباً اسی وجہ سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''روی'' مجہول صیغہ سے نقل کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ان کے فرزند امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں خراسان کی چار شخصیتوں پر حافظہ ختم ہے۔ ابو زرعہ الرازی، محمد بن اسماعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمان سمرقندی دارمی، الحسن بن شجاع بلخی۔[2]

اسی طرح امام محمد بن بشار بُندار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیا کے حفاظ چار ہیں: ابوزرعہ رحمہ اللہ ری میں، مسلم بن حجاج نیشاپور میں، عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی سمرقند میں اور محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ بخارا میں۔[3]

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آسمان کے نیچے حدیث کا سب سے زیادہ علم اور اسے یاد رکھنے والا امام بخاری رحمہ اللہ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔[4]

نیز امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: خراسان میں محمد بن اسماعیل جیسا کوئی نہیں۔ (تاریخ بغداد وغیرہ)

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں عراق اور خراسان میں علل حدیث کی معرفت اور اسانید و تاریخ کو جاننے والا امام بخاری سے بڑا کوئی نہیں جانتا۔[5]

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی رحمہ اللہ جن کے حفظ و ضبط کا اعتراف امام

---

[1] تاريخ بغداد (٢ ٣٠)، السير (١٢ ٤٣٦)

[2] تاريخ بغداد (٢ ٢١)، السير (١٢ ٤٢٣) وغيره

[3] تاريخ بغداد (٢ ١٦)، السير (١٢ ٤٢٣) وغيره

[4] السير (١٢ ٤٣١)، مقدمة الفتح (٤٨٥) وغيره

[5] مقدمة الفتح (ص: ٤٨٥)، تاريخ بغداد (٢ ٢٧)، تغليق (٥ ٤١١)، السير (١٢ ٤٣٢) وغيره

احمد رحمہ اللہ اور امام بُندار رحمہ اللہ نے کیا ہے، فرماتے ہیں: میں نے حرمین، حجاز، شام اور عراق کے علما کو دیکھا ہے ان میں کوئی بھی امام بخاری رحمہ اللہ سے بڑا نہیں، وہ ہم میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والے، زیادہ فقیہ اور طلبِ حدیث میں سب سے زیادہ سبقت لے جانے والے ہیں۔[1]

نیز امام دارمی رحمہ اللہ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل مجھ سے زیادہ صاحبِ بصیرت تھے مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ دار، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس کے ذریعے جو حکم فرمایا اور جن سے منع کیا اسے خوب جاننے والے تھے، جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو ان کا دل ان کی نگاہ اور کان سب اس میں مصروف ہوتے اور حرام و حلال کو جانتے تھے۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ملاقات کی تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور عرض کی: مجھے اجازت دیجیے کہ آپ کی قدم بوسی کروں۔ اے اساتذہ کے استاذ اور محدثین کے سردار حدیث اور اس کی علل کے طبیب، نیز فرمایا: آپ سے بغض وہی رکھے گا جو حاسد ہوگا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں۔[3]

حافظ محمد بن یعقوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مسلم رحمہ اللہ کو دیکھا وہ امام بخاری رحمہ اللہ سے یوں سوال کرتے تھے، جیسا بچہ سوال کرتا ہے۔[4]

امام قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ کا شمار امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی وغیرہ اعیان رحمہم اللہ کے شیوخ میں ہوتا ہے۔ ان کا فرمان ہے کہ میں نے

---

[1] تاریخ بغداد (٢ ٢٨)، تغلیق (٥ ٤١٠)، السیر (١٢ ٤٣٢) وغیرہ

[2] تغلیق (٥ ٤١٠)، مقدمة الفتح

[3] تاریخ بغداد (٢ ٢٩)، تغلیق (٥ ٤٢٩)، السیر (١٢ ٤٣٢) وغیرہ

[4] تاریخ بغداد (٢ ٢٩)، السیر (١٢ ٤٣٢) وغیرہ

فقہاء زُھاد اور عُباد سے مجلسیں کی ہیں، مگر میں نے محمد بن اسماعیل جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ اپنے زمانے میں اسی طرح تھے، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔
امام قتیبہ رحمہ اللہ سے کسی نے نشے کی حالت میں دی گئی طلاق کا مسئلہ دریافت کیا اتفاقاً امام بخاری رحمہ اللہ وہاں آئے تو انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: احمد، اسحاق اور علی بن مدینی رحمہم اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بھیج دیا ہے ان سے پوچھو۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ ان ائمہ کرام کے علم کے امین اور وارث ہیں۔

نیز امام قتیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے پاس لوگ مشرق و مغرب سے آئے ہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسا کوئی نہیں آیا۔ نیز فرمایا کہ اگر محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ صحابہ کرام کے زمانے میں ہوتے تو ایک نشانی یعنی علَم ہوتے۔[1]

حافظ حسین بن محمد مہیار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام قتیبہ رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا میں نے انھیں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے ساتھ دیکھا کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی معرفت حدیث کو تسلیم کرتے تھے۔ (السیر)

امام اسحاق بن راہویہ باوجود کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد تھے، مگر وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جوانی ہی میں فرماتے تھے:

"هو أبصر مني"[2] "وہ مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔"

امام اسحاق رحمہ اللہ منبر پر تشریف فرما تھے اور احادیث لکھوا رہے تھے۔ پہلو میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی بیٹھے تھے، امام اسحاق رحمہ اللہ نے ایک حدیث پڑھی تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا اور امام اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا: اے اصحاب الحدیث کی جماعت اس نوجوان کو دیکھو اور ان سے

---

[1] تغليق (٥/ ٤٠٢)، مقدمة الفتح (٤٨٢)، السير (١٢/ ٤٣١)، طبقات الشافعيه (٢/ ٢١٢)

[2] التغليق (٥/ ٤٠٩)، السير (١٢/ ٤٢٩)، مقدمة الفتح (٤٨٤)

احادیث اخذ کرو، اگر یہ حسن بصری رحمہ اللہ کے زمانے میں ہوتے تو وہ ان کی معرفت حدیث اور فقہ کے محتاج ہوتے۔[1]

امام اسحاق نے ایک مجلس میں حدیث پڑھی جس میں راوی عطا کیخا رانی کا نام آیا تو انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے فرمایا: اے ابوعبداللہ! یہ کیخاران کیا ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا یہ یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو وہاں بھیجا تو اس سے عطا کیخا رانی نے دو احادیث سنیں۔ امام اسحاق رحمہ اللہ فرمانے لگے: اے ابوعبداللہ! معلوم یوں ہوتا ہے کہ آپ وہاں موجود تھے۔[2]

امام محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نیشاپور میں ان کے مقام و مرتبہ کی وہ حیثیت تھی جیسے بغداد میں امام احمد رحمہ اللہ اور مدینہ طیبہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی تھی۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو سلف کے علم کے مقابلے میں اپنے علم کی حیثیت جاننا چاہتا ہے وہ امام ذہلی رحمہ اللہ کی ''علل حدیث الزہری'' دیکھ لے۔[3]

اب یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ امام احمد بن حمدون ابو حامد الاعمشی فرماتے ہیں میں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو سعید بن مروان رحمہ اللہ کے جنازے میں دیکھا امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ ان سے راویوں کے نام، کنیتیں اور علل حدیث کے بارے میں سوال کر رہے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ تیر کی طرح بڑی تیزی سے جواب دیتے جاتے ہیں، جیسا کہ وہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھ رہے ہیں۔[4] جس سے عللِ حدیث کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی وسعتِ معلومات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] مقدمہ الفتح (۴۸۳)، التغلیق (۵ ۴۰۵)، تاریخ بغداد (۲ ۲۷) وغیرہ

[2] تاریخ بغداد (۲ ۸)، مقدمة الفتح (۴۸۳)، التغلیق (۵ ۴۰۶)، الانساب (۵ ۱۲۲)

[3] السیر (۱۲ ۲۷۴، ۲۸۴)، التذکرہ (۱ ۵۳۱) وغیرہ

[4] تاریخ بغداد (۲ ۳۱)، السیر (۱۲ ۴۳۲، ۴۵۵)، تغلیق (۵ ۴۱۹)، مقدمة الفتح (۴۸۸) وغیرہ

انھی امام احمد بن حمدون رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں ایک روز نیشا پور میں امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ تشریف لائے اور انھوں نے "عبيدالله بن عمر عن ابی الزبير عن جابر بعثنا رسول الله ﷺ في سرية ومعنا أبو عبيدة فساق الحديث بطوله" کے بارے میں سوال کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے یہ لمبی روایت سنا دی۔[1]

مقصد یہ تھا کہ اس سند سے متن کا علم امام بخاری رحمہ اللہ کو ہے؟ اور اس کی سند کیا ہے، معلول ہے یا نہیں؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے جو اس کی سند پڑھی وہ تھی: "حدثنا ابن أبي أويس حدثني أخي أبو بكر عن سليمان بن بلال عن عبيد الله الخ" اس کا متن وہ مشہور حدیث ہے جو غزوۃ سیف البحر میں تین سو صحابہ کرام کو پیش آیا جن کی بھوک کا مداوہ اللہ تعالیٰ نے ساحلِ سمندر پر عنبر مچھلی کو پھینک کر کیا، جسے وہ اٹھارہ دن تک کھاتے رہے، بقیہ مدینہ طیبہ لے گئے اور وہاں رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا۔ یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ اس کے کانٹے کو کھڑا کیا گیا تو اس کے نیچے سے اونٹ پر بیٹھ کر ایک صحابی گزر گئے۔ سبحان اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت مختلف مقام پر وہب بن کیسان، عمرو بن دینار، عن جابر سے اور ایک جگہ ابن جریج عن ابی زبیر عن جابر سے ذکر کی ہے۔[2] اسی طرح مسلم نے بھی کئی واسطوں سے یہ روایت ذکر کی ہے، ان میں سے ایک سند زہیر عن ابی الزبیر عن جابر بھی ہے مگر سلیمان بن بلال عن عبیداللہ بن عمر عن ابی الزبیر کی سند سے نہیں، بلکہ مسند احمد میں بھی نہیں، البتہ ابوعوانہ میں ہے۔[3]

---

[1] تغليق (٥ ٤٢٨)، تاريخ بغداد (٢ ٢٨)، الاشاد للخليلي (٣ ٩٦٠)، السنن الأبين (١٣٨)، مقدمة الفتح (٤٨٨)

[2] صحيح البخاري (٤٣٦٢)

[3] أبو عوانه (٥ ١٥١)، نیز دیکھیں: اتحاف المهره (٣ ٤٨٦)

اس نادر سند کے متعلق امام مسلم رحمہ اللہ کا سوال دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کی معلومات کا اندازہ لگانے کے تناظر میں تھا۔

امام حافظ ابوعمرو احمد بن نصر الخفاف رحمہ اللہ نے تو کہا ہے: امام بخاری رحمہ اللہ علمِ حدیث میں، امام اسحاق، امام احمد رحمہما اللہ وغیرھما سے بیس گنا زیادہ جانتے تھے اور فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ ایسے التقی النقی العالم ہیں کہ میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ (1)

امام عبداللہ بن مُنیر المروزی رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں اور الصحیح میں ان سے روایت لی ہے اور کبار اہلُ اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام عبداللہ بن منیر کے پاس بیٹھے تھے جانے لگے تو انھوں نے فرمایا: بخاری اللہ تعالیٰ تمھیں اس امت کی زینت بنائے، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ امام فربری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن منیر کو دیکھا وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مرویات لکھتے اور فرماتے میں تو ان کا تلمیذ ہوں۔ (2)

امام ابن مُنیر رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک صاحب بخارا گئے واپس لوٹے تو انھوں نے فرمایا: کیا تم نے ابوعبداللہ بخاری رحمہ اللہ سے ملاقات کی ہے تو اس نے عرض کی جی نہیں، تو انھوں نے فرمایا: جب تم بخارا گئے اور امام بخاری رحمہ اللہ سے نہیں ملے تو تم میں کوئی خیر نہیں۔ (3)

امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی رحمہ اللہ ۲۴۷ھ نے فرمایا: خراسان سے ایک صاحب ایسے تمھارے پاس آرہے ہیں کہ خراسان میں ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں اور نہ ہی عراق میں ان سے بڑا صاحبِ علم آیا ہے تو اسحاق بن احمد فرماتے ہیں،

---

(1) تاریخ بغداد (۲ ۲۸)، السیر (۱۲ ۴۳۶، ۴۴۲)، مقدمہ (۴۸۶) وغیرہ

(2) تغلیق (۵ ۴۰۷)، مقدمة (۴۸۲)، تاریخ بغداد (۲ ۱۹، ۲۶)، السیر (۱۲ ۴۱۴، ۴۳۲) وغیرہ

(3) السیر (۱۲ ۴۲۴)

چنانچہ ہمارے پاس امام بخاری رحمہ اللہ آئے۔[1] امام احمد رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے خراسان سے ہمارے پاس محمد بن اسماعیل جیسا کوئی نہیں آیا۔[2] یہی بات عمرو بن علی الصیرفی نے کہی ہے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ کی تصانیف میں ایک "کتاب الھبة" بھی ہے اسی عنوان پر امام وکیع رحمہ اللہ اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام وکیع رحمہ اللہ کی کتاب میں دو یا تین مسند روایات ہیں اور امام ابن مبارک رحمہ اللہ کی کتاب میں پانچ کے قریب روایات ہیں جب کہ میری کتاب میں پانچ سو یا اس سے زائد احادیث ہیں۔[4] جس سے امام بخاری رحمہ اللہ کے وسعتِ حفظ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

امام اسماعیل رحمہ اللہ بن ابی اویس کا شمار امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں ہوتا ہے اور وہ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ایک روز انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے فرمایا: تم میری کتابوں کی نظر ثانی کرو، میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب آپ کا ہے اور میں عمر بھر تمھارا شکر گزار رہوں گا۔[5]

امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے امام اسماعیل رحمہ اللہ کی کتابوں سے صحیح احادیث کا انتخاب کیا تو انھوں نے بھی وہ احادیث لکھ لیں اور فخریہ فرماتے تھے کہ یہ وہ احادیث ہیں جنھیں امام بخاری رحمہ اللہ نے میری احادیث سے انتخاب کیا ہے۔[6]

امام محمد بن سَلام بیکندی رحمہ اللہ بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں، جو خراسان

---

(1) تاریخ بغداد (٢ ٢٣)، السیر (١٢ ٤٣١، ٤٣٣) وغیرہ

(2) السیر (١٢ ٤٣١) (3) السیر (١٢ ٤٢٩)

(4) السیر (١٢ ٤١٠)، مقدمة الفتح (٤٨٨)، تغلیق (٥ ٤١٨)

(5) السیر (١٢ ٤٢٩)، مقدمة الفتح (٤٨٢)، تغلیق (٥ ٤٠١)

(6) السیر (١٢ ٤١٤)، تاریخ بغداد (٢ ١٩)، مقدمة الفتح (٣٩١، ٤٨٢)، تغلیق (٥ ٤٠١) وغیرہ.

کے کبار محدثین میں شمار ہوتے تھے، جن کی مجلسِ سماع میں انسان کیا، جنات انسانوں سے زیادہ حاضر ہوتے تھے۔[1] انھوں نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ سے فرمایا کہ میری کتابیں دیکھیں ان میں جہاں غلطی ہو اس پر نشان لگا دیں، تاکہ میں انھیں بیان نہ کروں۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری ضعیف نشان زدہ احادیث پر انھوں نے لکھ دیا: "لم یرضی الفتی" "اس پر نوجوان راضی نہیں" اور جو صحیح تھیں ان پر لکھ دیا: "رضی الفتی" "اس پر نوجوان راضی ہے۔" ان کے بعض ساتھیوں نے پوچھا یہ نوجوان کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: "هو الذي ليس مثله" "وہ وہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں۔" نیز انھوں نے فرمایا کہ جب بھی میرے پاس محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ آتے ہیں میں پریشان ہو جاتا ہوں اور خوف کھاتا ہوں کہ اس کے سامنے کوئی غلطی نہ کر جاؤں۔[2]

امام ابو مصعب احمد بن ابی بکر الزہری المدنی رحمہ اللہ جو کہ موطأ امام مالک رحمہ اللہ کے راوی اور مدینہ طیبہ کے بالاتفاق فقہاء میں شمار ہوتے ہیں، فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہ اور حدیث میں زیادہ بصیرت رکھتے ہیں، ان سے کہا گیا کہ آپ نے حد سے بڑا تجاوز کیا ہے تو انھوں نے فرمایا: اگر تم امام مالک رحمہ اللہ کو پا لیتے، ان کا اور محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ کا چہرہ دیکھتے تو ضرور یہ کہتے کہ دونوں فقہ اور حدیث میں یکساں ہیں۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک ہزار اسی شیوخ سے استفادہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے کسی کے سامنے اپنے آپ کو کمتر نہیں سمجھا سوائے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کے، کسی نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول امام علی بن مدینی رحمہ اللہ سے ذکر کیا تو انھوں نے

---

[1] السير (١٥ ٦٢٨، ٦٢٩) وغيره

[2] تاريخ بغداد (٢ ٢٤)، مقدمة الفتح (٤٨٣)، تغليق (٥ ٤٠٤)

[3] تاريخ بغداد (٢ ١٩)، تغليق (٥ ٤٠١)، السير (١٢ ٤٢٠)، مقدمه الفتح (٤٨٢) وغيره

فرمایا: اس کی بات چھوڑ اس نے اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن المدینی رحمہ اللہ مجھ سے خراسان کے شیوخ کے بارے میں دریافت کرتے تھے، میں نے محمد بن سلام کا ذکر کیا تو وہ انھیں جانتے تھے اور ایک روز انھوں نے فرمایا: اے ابوعبداللہ! جس راوی کی آپ تعریف کریں وہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حافظ ابو الفضل احمد بن سلمۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے فتح بن نوح النیشا پوری نے بتلایا کہ میں امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ ان کی دائیں جانب بیٹھتے ہیں اور وہ جب حدیث بیان کرتے تو امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف دیکھتے ہیں گویا وہ ان سے ڈر رہے ہیں۔[2]

ان کے تلمیذ الوراق رحمہ اللہ بتلاتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا جن اساتذہ کرام سے میں نے جس قدر استفادہ کیا ہے، انھوں نے مجھ سے اس سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔[3]

ان چند اقوال سے قارئین کرام کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حفظ و ضبط، فقہ و بصیرت، رجال اور عللِ حدیث کی معرفت سے کس قدر نواز رکھا تھا۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ:

امام ابوعیسیٰ رحمہ اللہ محمد بن عیسیٰ الترمذی معروف حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے حفظ و ضبط کو بطورِ مثال ذکر کیا جاتا تھا۔ الترمذی کو تین طریقوں سے

---

[1] تاریخ بغداد (٢ ١٨)، السیر (١٢ ٤١١)، مقدمہ (٤٨٣)، تغلیق (٥ ٤٠٦)، تھذیب وغیرہ

[2] تاریخ بغداد (٢ ١٨)، تغلیق (٥ ٤٠٦)، السیر (١٢ ٤١١)، مقدمة الفتح (٤٨٣) وغیرہ

[3] السیر (١٢ ٤١١)، مقدمة الفتح

پڑھا گیا ہے۔ التَّرَمَذی، التِّرُمِذي، التُّرُمُذي۔ یہ دریائے جیحون کے کنارے قدیم شہر ہے۔ امام الترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ کے راستے پر جا رہا تھا تو میں نے ایک شیخ کی مرویات پر مشتمل دو اجزا لکھے، اتفاقاً میری ان سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے سماع کی التماس کی تو انھوں نے منظور کر لی، میں سمجھتا تھا کہ ان کی احادیث کے دو اجزا میرے پاس ہیں، میں نے وہ اجزا اٹھائے تو وہ سفید کاغذ تھے میں بہت پریشان ہوا، چنانچہ شیخ اپنے حفظ سے احادیث پڑھنے لگے، پھر انھوں نے میری طرف دیکھا میرے ہاتھ میں سفید کاغذ تھے تو انھوں نے فرمایا: تمھیں حیا نہیں آتی؟ میں نے حقیقتِ حال ان سے بیان کر دی اور عرض کی کہ آپ نے جس قدر احادیث پڑھی ہیں وہ سب مجھے یاد ہیں۔ انھوں نے کہا: سناؤ، تو میں نے وہ تمام احادیث سنا دیں، مگر انھیں یقین نہ آیا اور فرمایا یہ تو یہاں آنے سے پہلے ہی تم نے یاد کر لی ہوں گی، میں نے عرض کی: نہیں، آپ ان کے علاوہ احادیث سنائیں، تو انھوں نے چالیس غریب احادیث پڑھیں اور فرمایا: یہ سناؤ، تو میں نے وہ اول سے آخر تک سب کی سب سنا دیں اور ایک حرف میں بھی غلطی نہ کی تو انھوں نے فرمایا: میں نے تم جیسا کوئی نہیں دیکھا۔[1]

امام ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ:

امام ابو الحسن بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ نے بالکل بچپن میں علم کا آغاز کیا۔ امام ابوالفتح رحمہ اللہ محمد بن احمد ابن ابی الفوارس فرماتے ہیں ہم امام بغوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، دارقطنی رحمہ اللہ بچے تھے۔ ہمارے پیچھے ہوتے ان کے ہاتھ میں روٹی ہوتی جس پر سالن لگا ہوا ہوتا تھا۔ ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ خطیب بغدادی وغیرہ

[1] التقیید لابن نقطه (١ ٩٥، ٩٦)، تذكرة الحفاظ (٢ ٦٣٥)، السير (١٣ ٢٧٣)، تهذيب (١٢ ١٩٨)

نے ذکر کیا ہے: امام دارقطنی رحمہ اللہ ابتدا میں امام اسماعیل الصفار رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ امام اسماعیل رحمہ اللہ احادیث لکھوا رہے ہیں اور یہ ایک اور جزو نقل کر رہے ہیں، حاضرین میں سے ایک نے کہا: تمھارا سماع صحیح نہیں تم تو کچھ اور نقل کر رہے ہو۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: املاء میں میرا فہم، تمھارے فہم سے مختلف ہے۔ بتلاؤ شیخ نے جو احادیث لکھوائیں ہیں تمھیں کتنی یاد ہیں۔ اس نے کہا: مجھے تو یاد نہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: اٹھارہ احادیث لکھوائی ہیں، پھر انھوں نے ایک ایک کر کے سب احادیث سنا دیں تو سب لوگ حیران رہ گئے۔[1]

امام دارقطنی رحمہ اللہ کی کتاب العلل کے مرتب کرنے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے امام البرقانی رحمہ اللہ سے کہا کہ کیا امام دارقطنی رحمہ اللہ تمھیں عللِ حدیث زبانی لکھواتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، پھر اس کی تفصیل بیان کی کہ ابو منصور بن الکرخی رحمہ اللہ ایک مسند معلل لکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اصل مسودہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کو دیا تو انھوں نے معلل احادیث پر نشان لگا دیے۔ ابو منصور رحمہ اللہ نے وہ مسودہ کاتبوں کو دیا کہ نشان زدہ احادیث کو لکھ دیں، پھر میں نے جب امام دارقطنی رحمہ اللہ کی ان پر تعلیقات لکھنے کا ارادہ کیا تو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کاتبوں کے لکھے ہوئے مجموعہ پر ایک نظر ڈالی، پھر مجھے زبانی ان پر کلام لکھوائی، مثلاً فرماتے: ''حدیث الأعمش عن أبي وائل عن عبد اللہ بن مسعود'' کی فلاں حدیث فلاں اور فلاں اس کی روایت پر متفق ہیں اور فلاں نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے۔ یوں اس حدیث کے متعلق جو کچھ ہوتا سب ذکر کرتے اور میں ان کا کلام ایک علاحدہ ورق پر لکھتا جاتا، میں ان سے کہتا احادیث پر کلام لکھوانے سے پہلے آپ احادیث کیوں نہیں دیکھتے؟ تو انھوں نے فرمایا: جو میرے حفظ میں ہے وہ

---

[1] تاریخ بغداد (۱۲/ ۳٦)، السیر (۱٦/ ٤۵۳)، التذکرہ (۳/ ۹۹۲) وغیرہ

سب میری نظر میں ہے۔[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہی واقعہ مختصراً ذکر کر کے لکھا ہے کہ "العلل" امام دارقطنی رحمہ اللہ نے زبانی لکھوائی ہے، یہ بڑا اعظیم الشان واقعہ ہے۔ جس سے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ حافظ تھے۔[2] اور تذکرۃ الحفاظ[3] میں فرمایا ہے کہ اگر تم اس یکتا امام کا کمال معلوم کرنا چاہتے ہو تو ان کی علل کا مطالعہ کرو جس سے تمھارے ہوش اڑ جائیں گے، اس سے تمھیں بہت تعجب لاحق ہوگا۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کے پاس ابو الحسین البیضاوی رحمہ اللہ آئے اور احادیث لکھوانے کی التماس کی تو انھوں نے بیس اسانید سے یہ حدیث بیان کی: "نعم الشئ الهدية امام الحاجة" "یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے،[4] محدثین ایسی روایات معرفت کے لیے بھی لکھتے تھے۔" وہ چلے گئے پھر جب آئے تو کچھ تحفتاً لے کر آئے تو انھوں نے اسے زبانی حدیث: "إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه" سترہ اسانید سے لکھوائی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ یہ واقعہ لکھ کر لکھتے ہیں یہ قصہ صحیح ہے۔ جو امام دارقطنی رحمہ اللہ کی وسعت حفظ کی دلیل ہے۔[5]

امام حاکم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ جیسا کوئی اور دیکھا ہے تو انھوں نے کہا: میں کیا انھوں نے خود بھی اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ قاضی ابو الطیب طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے ہاں حاضر تھا ان پر مَسِّ ذَکر کے بارے میں احادیث کا مجموعہ جو انھوں نے جمع کیا تھا پڑھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اگر امام احمد رحمہ اللہ بھی ہوتے تو ان احادیث سے استفادہ کرتے۔[6]

---

[1] تاريخ بغداد (١٢ ٣٧) [2] السير (١٦ ٤٥٥)

[3] تذكرة الحفاظ (٣ ٩٩٣) [4] الضعيفة (٧٥٤)

[5] السير (١٦ ٤٥٦)، اللآلئ المصنوعة (٢ ٢٩٩)، المقاصد الحسنة (رقم: ٥١)

[6] تاريخ بغداد (١٢ ١٨)، السير (١٦ ٤٥٣، ٤٥٤) وغيره

ابو الفتح رحمہ اللہ ابن ابی الفوارس نے ان سے ایک حدیث کی علت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اس کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے ابو الفتح! میرے علاوہ مشرق و مغرب میں کوئی نہیں جو یہ تفصیل بتلائے۔ ایک رات مجلس میں بسیار خوروں کے بارے میں بات چلی تو انھوں نے اس سے متعلقہ حکایات و نادر واقعات اس قدر سنائے کہ رات کا اکثر حصہ بیت گیا۔

امام البرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر حافظ ابو مسلم رحمہ اللہ عبدالرحمان بن محمد ابن مہران کے سامنے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی تعریف کرتا تھا۔ انھوں نے فرمایا: تم امام دارقطنی رحمہ اللہ کے حفظ کے بارے میں بڑا مبالغہ کرتے ہو، جاؤ ان سے "الرضراض عن ابن مسعود" کی حدیث کے بارے میں سوال کرو، چنانچہ میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے ہاں حاضر ہوا اور اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔ تو انھوں نے فرمایا: یہ تمھارا سوال نہیں تمھیں کسی نے سکھلایا ہے، میں نے کہا جی ہاں، فرمایا: کس نے یہ مسئلہ تمھارے سامنے رکھا ہے؟ میں نے عرض کی: میں ان کا نام نہیں بتلا سکتا۔ انھوں نے فرمایا؛ نام بتلاؤ گے تو میں بتلاؤں گا۔ چنانچہ میں نے نام بتلا دیا تو انھوں نے الرضراض کی حدیث اور اس بارے میں جو اختلاف تھا مجھے لکھوا دیا۔[1] الرضراض بن اسعد کی روایت کے بارے میں شائقین امام دارقطنی رحمہ اللہ کی العلل[2] ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو بکر احمد بن محمد بن ہانی الاثرم رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مشہور تلمیذ رشید ہیں اور کبار حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ امام یحییٰ بن معین اور یحییٰ بن ایوب المقبری رحمہما اللہ فرماتے تھے کہ اس کا باپ یا ماں جنی ہے۔ خراسان سے دو شیخ حج کے

---

[1] تاریخ بغداد (١٢ ٣٨)

[2] العلل (٥ ٢٣٥، ٢٣٦، رقم: ٨٤٥)

لیے حاضر ہوئے ایک صاحب ایک طرف بیٹھ گئے اور احادیث لکھوانے لگے اور لکھنے والوں کی کثیر تعداد تھی، اور دوسری جانب بیٹھ کر احادیث املا کرانے لگے اور امام الاثرم ان دنوں کے مابین بیٹھ گئے اور دونوں شیوخ جو لکھوا رہے تھے یہ دونوں کی احادیث لکھ رہے ہیں۔ ابراہیم الاصبہانی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ امام ابو زرعہ سے بھی بڑے حافظ تھے۔[1]

ایک صاحب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں مجھے کوئی نماز کی ایسی احادیث لکھ دے جو امام ابن ابی شیبہ کی کتاب میں نہیں ہیں، اس شخص کو کہا گیا ایسا تو ابوبکر الاثرم ہی کر سکتے ہیں تو اس نے ان کو اوراق دیے تو امام الاثرم رحمہ اللہ نے چھے سو اوراق میں نماز سے متعلقہ ایسی احادیث لکھ دیں جو امام ابن ابی شیبہ کی کتاب میں نہ تھیں۔[2]

یاد رہے کہ ابن ابی شیبہ کی المصنف کی کتاب الصلاۃ میں (۲۳۹۳) سے (۸۹۵۸) تک یعنی (۶۶۶۷) احادیث و آثار ہیں۔

حافظ ابو بکر محمد بن قاسم ابن الانباری رحمہ اللہ مشہور محدث، لغوی و نحوی امام تھے، ان کا شمار بھی ان حضرات میں ہوتا ہے جو حفظ و ضبط میں مشہور تھے۔ تین لاکھ اشعار جن سے قرآن مجید کے معانی کی وضاحت ہوتی ہے وہ انھیں یاد تھے اور ہمیشہ زبانی لکھواتے تھے اور لغت کے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ورق زبانی لکھوائے۔ خود ان کا بیان ہے میرے پاس لکھے ہوئے (۱۳) تیرہ صندوق ہیں جو سب کے سب یاد ہیں، جو چالیس جلدوں میں سماتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک سو بیس تفاسیر بھی مع سند یاد تھیں۔[3]

امام ابن الانباری رحمہ اللہ ایک ہفتہ میں دس ہزار ورق پڑھ لیتے تھے۔[4]

---

[1] التذكره (٢ ٥٧١)، السير (١٢ ٦٢٦)

[2] السير (١٢ ٦٢٥)، طبقات حنابله (١ ٧٣)

[3] السير (١٥ ٢٧٥)، تذكرة (٣ ٨٤٣) وغيرهما

[4] صيط الخاطر (ص: ١٤٢، فصل: ١٢١)

امام عثمان بن سعید الدانی المقرئ رحمہ اللہ ایک سو بیس کتابوں کے مصنف تھے اور حدیث، قراءت، تفسیر اور اس کے معانی و مفاہیم کے امام تھے۔ خود ان کا بیان ہے جو چیز میں نے دیکھی اسے لکھا اور جو لکھا وہ سب یاد اور ایسا یاد ہے کہ پھر کبھی نہیں بھولا۔[1]

حافظ ابو علی الحسین بن محمد بن احمد الماسرجسی رحمہ اللہ کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بالکثرت احادیث لکھنے کی وجہ سے اپنے زمانے کے سفینہ تھے۔ انھوں نے ایک عظیم مسند لکھی جو ایک ہزار تین سو اجزا پر مشتمل تھی اور ان کی یہ مسند اسلام میں لکھی گئی مسانید میں سب سے بڑی مسند تھی امام زہری رحمہ اللہ کی مرویات جمع کیں جو امام الذہلی کی ''الزہریات'' سے بڑی تھی۔ انھوں نے مسند ابی بکر الصدیق جمع کی جسے کاتبوں نے ساٹھ سے زائد اجزا میں قلم بند کیا۔ احادیث انھیں پانی کی طرح یاد تھیں۔[2]

یہ چند حفاظِ حدیث کے حفظ وضبط کی داستانیں ہیں ان کی زندگیاں علمِ حدیث کے لیے وقف تھیں۔ امام محمد رحمہ اللہ بن احمد ابو الحسن ابن رزقویہ، جو خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے پہلے استاد ہیں، فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم! دنیا سے محبت کسی کسب وتجارت کے لیے نہیں، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں اللہ کا ذکر کروں اور تم پر احادیثِ مبارکہ کی قراءت کروں۔[3]

امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو امام شعبہ، سفیان ثوری، مالک، حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ کی احادیث جمع نہیں کرتا وہ حدیث میں مفلس ہے، یعنی وہ حفاظِ حدیث کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ یہ قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: بلا ریب جو ان پانچ محدثین کی تمام احادیث لکھتا ہے اور ان کی علل کا

---

[1] التذکرة (۳/ ۱۱۲۱) وغیرہ [2] التذکرة (۳/ ۹۵۶)، السیر

[3] تاریخ بغداد (۱/ ۳۵۲)، السیر (۱۷/ ۲۵۹) وغیرہ

فہم اسے حاصل ہے وہ نصف احادیث بلکہ اس سے زیادہ کا علم حاصل کر لیتا ہے۔ اور جو صرف امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی احادیث کا تتبع کرتا ہے اور ان کی اسانید کو جمع کرتا اور ان میں سے صحیح وضعیف کی وضاحت کرتا ہے تو وہ مسند دس جلدوں پر مشتمل ہو گی۔[1] اس سے اندازہ کیجیے کہ حفاظِ حدیث کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔

احادیث کی تعداد:

یہ جو حضرات محدثین رحمہم اللہ کے تراجم میں ہے کہ فلاں کو چار یا پانچ لاکھ احادیث یاد تھیں، فلاں کو چھے لاکھ احادیث یاد تھیں۔ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا تأثر ہے کہ انھیں چھے لاکھ احادیث یاد تھیں۔[2] اور امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔[3] مگر خود امام احمد رحمہ اللہ کا بیان اس سے مختلف ہے، جیسا کہ آیندہ آرہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے "الصحیح" کو چھے لاکھ احادیث سے مرتب کیا ہے، اس تعداد سے متون نہیں بلکہ ان کی اسانید مراد ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام مسلم رحمہ اللہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ جب امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حدثنا قتيبة، وأخبرنا ابن رمح" تو یہ دو حدیثیں شمار ہوتی ہیں، اگرچہ ان کے الفاظ میں اتفاق ہو یا اختلاف ہو۔[4]

یہی بات حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول کو کہ میں نے اس مسند کا سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے انتخاب کیا ہے۔[5] ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر کہا جائے کہ یہ سات لاکھ احادیث کہاں ہیں؟ تو اس

---

[1] السير (١٣/ ٣٢٣) [2] تهذيب (٨/ ٦٢٨)

[3] تاريخ بغداد (٦/ ١٠٠)، تهذيب (١/ ١٩١) [4] السير (١٢/ ٥٦٦)

[5] السير (١١/ ١٨٧)، خصائص المسند طبعة الاستاذ أحمد شاكر (ص: ٢١)

کا جواب یہ ہے اس سے متون نہیں طرق مراد ہیں۔[1]

یہی بات انھوں نے صید الخاطر میں کہی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے صرف احادیث مراد نہیں، بلکہ احادیث مکررہ کے علاوہ اقاویل صحابہ و تابعین بھی مراد ہیں۔[2] ورنہ صحیح مرفوع متون تو دس ہزار تک نہیں پہنچتے۔ یہی بات امام بیہقی نے کہی ہے۔[3]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ نے امام ابراہیم بن سعید الجوہری رحمہ اللہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان سے عبداللہ بن جعفر بن برقان رحمہ اللہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ مسند ابی بکر سے (۲۳ واں) تیئیسواں جزو نکال کر لاؤ، میں نے عرض کی: یہ کیا؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تو پچاس احادیث بھی صحیح مروی نہیں ہیں، یہ ان کی مسند کے (۲۳ ویں) تیئیسویں جزو کے کیا معنی؟ تو انھوں نے فرمایا:

"كل حديث لا يكون عندي من مئة وجه فانا فيه يتيم"[4]

"جو حدیث میرے پاس ایک سو اسانید سے نہ ہو تو میں اس کے بارے میں اپنے آپ کو یتیم سمجھتا ہوں۔"

اسی طرح حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی جوامع السیر میں جو رسالہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات پر مشتمل اور حافظ ابن جوزی نے "تلقيح فهوم أهل العصر"[5] میں جو ان مرویات کا ذکر ہے وہ مسند امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ سے ماخوذ ہیں اور ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات ۵۳۷۴، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ۲۶۳۰

---

[1] تلقيح فهوم أهل العصر (ص: ۱۸٤) ط هند [2] السير (۱۱ ۱۸۷)

[3] تاريخ دمشق (۳۸ ۲۰)، تهذيب (۸ ٦۲۸)، النكت للزركشي (ص: ٦٤)

[4] تاريخ بغداد (٦ ۹٤)، السير (۱۲ ۱٥۰)، تذكرة الحفاظ (۲ ٥۱٦)

[5] تلقيح فهوم أهل العصر (ص: ۱۸٤)

مرویات کا ذکر ہے، مگر یہاں بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کے متون نہیں بلکہ اسانید مراد ہیں، جنھیں امام بقی بن مخلد نے اپنی اسانید سے روایت کیا ہے۔ امام بقی کی المسند تو مفقود ہے، البتہ مسند امام احمد رحمہ اللہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات بتکرار تقریباً ۳۹۰۰ ہیں اور اگر تکرار کو حذف کیا جائے تو یہ تعداد اس سے بھی کم رہ جاتی ہے۔

یہی نوعیت دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کی ہے۔ یوں مرفوع متون کے اعتبار سے احادیث کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے۔ ہمارے سامنے کنز العمال ہے جو مرفوع و موقوف روایات کا سب سے بڑا مجموعہ ہے اور اس میں متعدد احادیث مکرر بھی ہیں، جس میں کل ۴۶۶۲۴ احادیث ہیں۔ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے:

"انه لوجمع الصحيح والمحال الموضوع وكل منقول عن رسول الله ﷺ ما بلغ خمسين الفاً"[1]

اگر صحیح احادیث اور بے بنیاد موضوع روایات اور جو تمام رسول اللہ ﷺ سے منقول روایات کو جمع کیا جائے تو وہ پچاس ہزار کو نہیں پہنچتی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تدریب الراوی (ج۱) میں نقل کیا اور یہ کلام دراصل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ہے۔ جسے النكت الوفية بما في شرح الألفية[2] میں حافظ البقاعی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے:

"الأحاديث الصحاح التي بين أظهرنا بل وغير الصحاح لو تتبعت من المسانيد والجوامع والسنن والاجزاء وغيرهما لما بلغت مائة الف بلا تكرار بل ولا خمسين الفاً"[3]

صحیح احادیث جو ہمارے سامنے ہیں بلکہ غیر صحیح، اگر مسانید، جوامع، سنن، اجزاء حدیثیہ وغیرہ سے تلاش کی جائیں تو وہ بلاتکرار ایک لاکھ تو کجا پچاس ہزار کی تعداد

---

(1) صيد الخاطر (۲۰۲ فصل: ۱۷۵)

(2) النكت الوفية بما في شرح الألفية (۱ ۱۲۹)

(3) تدريب الراوي (ج۱ ۱۰۰)، صيد الخاطر (ص: ۲۰۲، فصل: ۱۷۵)

کو بھی نہیں پہنچتیں۔ ماضی قریب میں مرحوم دکتور محمد عبداللہ الاعظمی المعروف بالضیاء نے "الجامع الكامل في الحديث الصحيح الشامل" میں ۱۶۵۴۶ صحیح احادیث ذکر کی ہیں۔

بہرحال بتلانا یہ مقصود تھا کہ حضرات محدثین کے تراجم میں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر میں احادیث کی جو تعداد منقول ہے وہ متون کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اسانید کے لحاظ سے ہے اور بعض نے اس میں صحابہ کرام و تابعین عظام کی موقوف مرویات کو بھی شامل کیا ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو لم نكتب الحديث من ثلاثين وجها ما عقلناه"[1]

"اگر ہم حدیث تیس (۳۰) اسانید سے نہ لکھیں تو ہم اس کی صحت وضعف کے بارے میں سمجھ نہیں سکتے۔"

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں مکررات شامل ہیں تم دیکھتے نہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ جب ہم حدیث پچاس سندوں سے نہ لکھیں تو ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔[2]

متاخرین کا حفظ وضبط:

حضراتِ محدثین کے حفظ وضبط کی یہ داستانیں محض قصے اور کہانیاں نہیں، ان کے بعد کے ادوار میں بھی محدثین کے حفظ وضبط کا یہی عالم تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں ۱۱۷۶ حفاظ کا ذکر کیا ہے اور ضمناً بہت سے محدثین واہلِ علم کے اسماء

---

[1] التاريخ لابن معين (٤ ٢٧١)، المجروحين (١ ٣٣)

[2] السير (١١ ٨٤، ٨٥)

پر اکتفا کیا ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اپنے دور تک کے حفاظ کا ذکر کیا، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

امام ابو محمد عبدالعظیم منذری رحمہ اللہ ۶۵۶ھ نے الترغیب والترہیب جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، بتمام وکمال اپنے حفظ ہی سے املاء کروائی تھی، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں انھوں نے ذکر کیا ہے، بلکہ مختصر ابو داود اور کتاب الخلافیات بھی املاء کروائی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب الاذکار کی تخریج کی جو نتائج الافکار کے نام سے مطبوع ہے، اس کا خطی نسخہ حضرت سید محبّ اللہ شاہ راشدی پیر آف جھنڈا کے مکتبہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ سب زبانی املا کروائی ہے۔ جس میں ہر حدیث اپنی سند سے بیان کی ہے اور ساتھ یہ بھی وضاحت ہے کہ یہ حدیث کس کس کتاب میں ہے اور صحت وضعف میں اس کی پوزیشن کیا ہے۔ یہی نوعیت امام عثمان بن عمر ابن الحاجب رحمہ اللہ کی "المختصر في أصول الفقه" کی تخریج کی ہے جو "موافقة الخبر الخبر في تخريج احاديث المختصر" کے نام سے دو جلدوں میں مطبوع ہے۔ "تغليق التغليق على صحيح بخاري" میں معلق روایات کی تخریج عموماً اپنی سندِ متصل سے کرتے ہیں۔

اسی طرح "الإمتاع بالاربعين المتبانية، الأحاديث العشرة الاختيارية" بھی املائی مجلس کا نتیجہ ہیں۔ احادیث کے یوں املا کا طریقہ زمانہ محدثین رحمہم اللہ سے جاری و ساری رہا ہے۔ امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ کے بارے میں امام محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی سب زبانی لکھواتے تھے۔ عبیداللہ بن عمر القواریری کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھے زبانی بیس ہزار احادیث لکھوائیں۔[1]

[1] تاريخ بغداد (١٠/ ٢٤٧)، التذكرة (١/ ٣٣١)، السير (٩/ ١٩٥)

اسی طرح امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے بھی اپنی مسند زبانی املا کراوئی اور دوبارہ زبانی اس کی دہرائی بھی کی۔[1]

یوں یہ احادیث لکھوانے کا طریقہ محدثین سے لے کر قرناً بعد قرنٍ حافظ سخاوی رحمہ اللہ بلکہ ان کے بعد بھی رہا ہے جو ان کے حفظ و ضبط کی بیّن دلیل ہے۔ یہ حفظ و ضبط اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطاء ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس میں سے وافر حصہ اسے عطا فرما دیتا ہے۔

مولانا قاضی عبیداللہ المدراسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۳۴۶ھ) صحاح ستہ کا زبانی درس دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا سید عبدالحی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"يدرس الصحاح الستة عن ظهر قلب في آخر عمره"[2]

مولانا مفتی ابوالبقا جون پوری کے بارے میں قیصر روم نے شیخ ابوالبقا عبداللہ بن حسین العکبری (المتوفی: ۶۱۶ھ) کی تصنیف اعراب القرآن (جو دس جلدوں پر مشتمل ہے) بادشاہِ ہند شاہ جہاں کی خدمت میں ارسال کی۔ بُعد مسافت کی وجہ سے اس کتاب کے کچھ اوراق پھٹ گئے تھے۔ شاہ جہاں نے یہ کتاب مفتی ابوالبقا کے پاس بھیجی، تاکہ وہ اسے درست کر دیں، چھے ماہ گزر گئے مگر کتاب واپس شاہی کتب خانے میں نہ پہنچی۔ اب بادشاہ نے مفتی صاحب سے واپسی کا تقاضا کیا۔ مفتی صاحب ممدوح نے اپنے کتب خانے میں کتاب تلاش کی تو نہ ملی۔ لیکن جب کتاب ان کے پاس پہنچی تھی تو وہ اسے پڑھ چکے تھے، انھوں نے اللہ کا نام لے کر قلم پکڑا اور اپنی قوتِ حافظہ سے پوری کتاب لکھ کر بادشاہ کو بھجوا دی۔[3]

---

[1] تاريخ بغداد (٦ ٣٥٤)　[2] نزهة الخواطر (٨ ٣٠١)

[3] فقہائے ہند جلد چہارم، حصہ اول (ص: ۵۰)، طبع اول بحوالہ تجلی نور (ص: ۶۴)، تاریخ شیراز ہند جون پور (۲۷)، فقہائے ہند (۴/۴۵) ط دار النوادر

شیخ محدث حسین بن محسن الیمانی (المتوفی: ۱۳۲۷ھ) جو آخر عمر میں بھوپال تشریف لے آئے تھے کے بارے میں مولانا علی میاں ابو الحسن الندوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ انھیں پوری فتح الباری شرح صحیح بخاری حفظ تھی۔ [1]

مولانا ندوی رحمہ اللہ نے ہی لکھا ہے کہ ۱۹۷۶ء میں میری ملاقات شیخ عبدالرحمان المغربی سے ہوئی جو صحیح مسلم کے حافظ تھے۔ [2]

۲۰۰۲ء میں اس فقیر کو شیخنا استاذ مولانا عبداللہ امجد اور الاستاذ الحافظ عبدالمنان نور پوری رحمہما اللہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں ایک روز ناشتہ شیخ عاصم قریوتی حفظہ اللہ کے ہاں تھا تو وہاں شیخ یحییٰ بھی مدعو تھے، جن کے بارے میں بتلایا گیا کہ انھیں مسند امام احمد رحمہ اللہ حفظ ہے۔

شیخ بدر الدین المراکشی الدمشقی رحمہ اللہ صحاح ستہ کے حافظ تھے۔ ایک مرتبہ بعض نے ائمہ محدثین رحمہم اللہ کے حفظ پر شک کیا کہ اس قدر احادیث انھیں کیسے یاد ہو سکتی تھیں۔ تو شیخ بدر الدین رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک مجلس منعقد کرو اور مجھے جس قدر احادیث یاد ہیں مجھ سے سنو لیکن شرط یہ ہے جب تک وہ ساری حدیثیں جو مجھے حفظ ہیں نہ سنا لوں تم مجلس کو جاری رکھو گے اور تم میں سے کوئی نہیں بھاگے گا۔ انھوں نے یہ شرط تسلیم کر لی، مجلس منعقد ہوئی، سامعین میں سے جو خواندہ تھے ان کے سامنے صحیح بخاری کے نسخے رکھ دیے گئے اور شیخ نے صحیح بخاری سنانا شرع کی اور آخر تک سنا دی، درمیان میں لوگ کہتے رہے کہ ہم مان گئے ہم اپنا اعتراض واپس لیتے ہیں، لیکن شیخ نے فرمایا: تم عہد کر چکے ہو، اس لیے تمھیں اب وہ احادیث سننا پڑیں گی، جو مجھے یاد ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم لائی گئی اور وہ بھی مکمل سنا دی۔ سامعین نے بزور اعتراف کیا اور مجلس ختم کرنے کی درخواست کی، لیکن شیخ نے فرمایا اپنے عہد پر قائم رہو۔ پھر فرمایا: اب

---

[1] پرانے چراغ (۱/ ۱۸۶، ۲۱۰) [2] ایضاً (۲/ ۳۳۷)

لاؤ ابو داود، پھر ترمذی، پھر ابن ماجہ، پھر سنن نسائی۔ الغرض تمام صحاح ستہ زبانی سنا دیں۔ ترک فخر کرتے تھے کہ ہماری قوم میں ایسا بزرگ ہوا ہے جو صحاح ستہ کا حافظ ہے۔ حضرت مولانا قاضی یوسف حسین خانپوری رحمہ اللہ، تلمیذ رشید شیخ الکل میاں سید نذیر حسین، حضرت سید عبداللہ غزنوی وغیرہم، نے شیخ بدر الدین سے اجازہ حاصل کیا۔[1]

مولانا سید شاہ احمد حسین رحمہ اللہ، یہ مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کے معاصر تھے، قوتِ حفظ کا یہ عالم تھا کہ بیک نشست پانچ پانچ، چھ چھ متصدی (کاتب) مختلف موضوعات کو قلم بند کرتے جاتے تھے۔ اور سبھی کو بلا دقت مسلسل مضمون لکھواتے جاتے تھے۔[2]

بالکل یہی کیفیت حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے حفظ و ضبط اور ذہن کے حد درجہ سریع الانتقال کی تھی کہ پانچ آدمیوں کو بٹھاتے مختلف مضامین لکھواتے اور کسی کا قلم رکتا نہ تھا۔[3]

حضرت مولانا حافظ محمد رمضان پشاوری، جو حضرت سید نذیر حسین محدث دہلوی اور حضرت سید عبداللہ غزنوی رحمہما اللہ کے شاگرد تھے اور نابینا تھے، وہ صحاح ستہ کے حافظ تھے، ایک بار مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ بطورِ آزمایش بحیثیت طالب علم حافظ صاحب کے پاس تشریف لائے اور صحیح بخاری پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، پڑھنا شروع کیا تو عمداً ایک راوی کا نام حذف کر دیا۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اصلاح کی، دوسری بار، تیسری بار، اسی طرح کوئی غلطی کی، حافظ صاحب نے ہر بار اصلاح کی اور آخری بار فرمایا: اندھا تو میں ہوں تم تو اندھے نہیں۔ اس کے بعد ان کا تعارف ہوا حافظہ کا یہ عالم تھا کہ دوبار کوئی کتاب

---

[1] معارف اعظم گڑھ (۳۷ ۳۶۶، نمبر ۵) مئی ۱۹۳۶ء

[2] مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تذکرہ علمائے خانپور ضلع ہزارہ (ص: ۲۱۲، ۲۱۳)

[2] تذکرۃ شہید (ص: ۳۱۰) بحوالہ ارواحِ ثلاثہ

سنتے تو ان کو حرف بحرف یاد ہو جاتی۔[1]

حضرت سید نواب صدیق حسن خاں امیر بھوپال کی خدمتِ حدیث کا دائرہ نہایت وسیع ہے، مگر وہ ہمارا موضوع نہیں۔ خدمتِ حدیث کا جذبۂ صادقہ کا یہی نتیجہ تھا کہ انھوں نے حفظِ کتبِ حدیث کا اعلان فرمایا اور صحیح بخاری کے حفظ پر اس دور میں ایک ہزار روپے اور بلوغ المرام کے حفظ پر ایک سو روپیہ انعام مقرر کیا۔ جن حضرات نے اس سعادت میں حصہ لیا ان میں سے دو کے نام ہی معلوم ہو سکے: ایک مولانا حکیم عبدالوہاب نابینا دہلوی اور دوسرے مولانا عبدالتواب غزنوی علی گڑھی جنھوں نے صحیح بخاری کو یاد کیا۔ مولانا عبدالتواب غزنوی رحمہ اللہ نے انعام کے علاوہ اختتام تک تیس (۳۰) روپیہ ماہوار وظیفہ بھی پایا۔[2]

استاذ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی جو حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، جن کے تلامذہ نے پنجاب کو علمِ حدیث کا گہوارہ بنا دیا۔ اسی بنا پر ان کا لقب استاذِ پنجاب مشہور ہوا۔ محدث شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ کے حوالے سے مولانا سید عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "كانه هو حافظ الصحاح في هذا العصر" گویا وہ اس زمانے میں صحاح ستہ کے حافظ تھے۔[2]

مولانا ابو الخیر حسنی لکھنوی رحمہ اللہ کو مکمل موطا امام مالک اور صحیح بخاری کا ایک حصہ یاد تھا۔ کسی مسئلے سے متعلق مسلسل احادیث مع اسناد سناتے تھے۔[4]

اسی طرح ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے حفظ و ضبط

---

[1] الشیخ عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ (ص: ۱۵۶) مولف مولانا بدر الزماں نیپالی حفظہ اللہ، بحوالہ الاعتصام لاہور جنوری، فروری ۱۹۷۷ء

[2] تراجم علمائے حدیث (ص: ۲۴۷)

[3] نزهة الخواطر (۳۱۲/۸)

[4] تراجم علمائے حدیث ہند (ص: ۴۳۰)، پرانے چراغ (۳۳۸/۲)

کا یہ عالم تھا کہ روز نامہ اخبار نہیں پڑھتے تھے، کیونکہ جو پڑھتے وہ حفظ ہو جاتا اور دینی کتب کے مطالعہ میں خلل کا باعث بنتا۔ پادری عبدالحق نے ''اِثبات التثلیث'' لکھی تو اس کا جواب انھوں نے ''اِثبات التوحید في ابطال التثلیث'' کے نام سے لکھا۔ اس کا مسودہ کاتب سے گم ہوگیا۔ حضرت مرحوم نے کچھ عرصہ بعد اس بارے میں استفسار کیا تو انھیں بتلا گیا کہ اس کا تو مسودہ کاتب سے گم ہو گیا۔ مگر حضرت نے اس پر کسی ملال کا اظہار نہ فرمایا، چند دن بعد دوبارہ لکھ کے دے دیا۔ اتفاقاً گم شدہ مسودہ بھی مل گیا۔ دونوں کا تقابل کیا گیا تو دونوں کو یکساں پایا گیا۔ یہ ساری داستان شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے اثبات التوحید کے دیباچہ میں لکھی ہے۔ جن ایام میں آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیتے تھے۔ حرم نبوی میں تشریف فرما تھے کہ چند روایات کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا یہ جامع ترمذی میں ہیں۔ بعض عرب شیوخ جو مجلس میں تشریف فرما تھے انھوں نے اس کا انکار کیا، چنانچہ آپ نے حرم مدنی کے مکتبہ سے جامع ترمذی سے وہ روایات دکھلا دیں تو مفسر قرآن علامہ محمد امین شنقیطی صاحب اضوء البیان نے فرمایا:

''ما رأیت أعلم علی وجه الأرض من هذا الشیخ''

''میں نے روئے زمین پر اس شیخ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔''

یہ اور اسی نوعیت کی متعدد شہادتیں ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے محدث گوندلوی نمبر میں موجود ہیں جو جنوری ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔

حفظ و ضبط کی یہی صورت عظیم محدث سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا علامہ سید محمد انور کشمیری کی تھی مگر عجیب بات ہے کہ انھیں قرآن مجید کے حفظ کی سعادت حاصل نہ تھی۔ یہ فقیر تو اسے بھی قرآن مجید کے اعجازات میں سے سمجھتا ہے۔ اسی طرح مولانا محمد بن یوسف سورتی سامرودی بھی حفظ و ضبط اور لغت و ادب

میں مشہور تھے، حتی کہ کہا گیا ہے کہ انھیں دو لاکھ کے لگ بھگ عربی اشعار یاد تھے۔ [1]

مولانا عبدالعزیز میمنی جب ان کے قبر کے پاس سے گزرتے تو فرماتے:

"هذا قبر جبل العلم" "یہ قبر علم کے پہاڑ کی ہے۔"

اسی طرح علامہ میمنی کے متعلق ہے کہ انھیں ایک لاکھ اشعار یاد تھے۔ حافظ محمد حسین نابینا تھے۔ قلعہ میہاں سنگھ گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی رحمہ اللہ جن دنوں چینیاں والی مسجد لاہور میں خطیب تھے یہ حافظ صاحب وہاں موذن تھے اور صحاح ستہ کے حافظ تھے۔ [2]

آج بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پاک و ہند کے بہت سے حضرات ہیں جنھیں صحیح بخاری اور بلوغ المرام حفظ ہے، بلکہ اہل عرب میں وہ بھی ہیں جنھیں صحاح ستہ یاد ہے۔ میڈیا پر تو ایک نابینا نوجوان کا امتحان نقل ہوا ہے، جسے صحاح ستہ ہی نہیں مسند امام احمد، معاجم طبرانی، بیہقی وغیرہ سب یاد ہیں۔

۱۹۸۷ء میں شیخ یحییٰ بن عبدالعزیز الیحییٰ نے سعودی عرب کے شہر بریدہ میں حفظِ حدیث کا باقاعدہ منصوبہ بنایا جس میں "الجمع بين الصحيحين" سے حفظ کا آغاز کیا، جس میں اسانید اور مکررات حذف کر دیے جاتے۔ دوسرے مرحلے میں سنن ابی داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، الموطأ، الدارمی، مسند احمد، ابن خزیمۃ، ابن حبان، الحاکم وغیرہ کتب کی زوائد کا اضافہ کیا گیا۔

۲۰۱۱ء میں "الجمع بين الصحيحين" مکمل یاد کرنے والے حفاظ کی تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی۔ تیسرے مرحلے میں حفظ شدہ حدیث کی تفہیم ہے۔ یہ سلسلہ بریدہ کے علاوہ حرمین شریفین میں بھی جاری وساری ہے۔

---

[1] الاعتصام (ج: ۷۷، نمبر ۱۷)

[2] تاریخی مساجد لاہور (ص: ۹۰)

اس لیے حفظ و ضبط کا یہ سلسلہ محض قصے کہانیاں نہیں، ایک حقیقت ہے جس کا اعتراف محدثین کرام کے دور میں بھی رہا اور اب بھی ہے اور یہ سب توفیقات دینِ اسلام کی حفاظت کا نتیجہ ہیں۔

صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی لکھی جاتیں:

پیشِ نظر رہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ احادیث کی تحقیق و تنقیح کے لیے صحیح احادیث ہی نہیں لکھتے تھے۔ بلکہ ضعیف اور موضوع روایات بھی لکھتے تھے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے جب دیکھا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، معمر عن ابان بن ابی عیاش عن انس سے مروی صحیفہ لکھ رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: آپ یہ صحیفہ لکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں یہ تو من گھڑت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آپ ابان پر جرح کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے اس کی احادیث بھی لکھتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں میں انھیں لکھتا ہوں، انھیں یاد رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ یہ من گھڑت ہیں، یہ اس لیے کہ کوئی (کذاب) ایسا نہ ہو جو ابان کی روایات کو ثابت بُنانی کی روایات بنا کر روایت کرے۔[1]

امام یحییٰ رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

”كتبنا عن الكذابين وسجرنا به التنور، وأخرجنا به خبزاً نضيحاً“[2]

”ہم جھوٹوں کی روایات لکھتے ہیں، اس سے ہم تنور کو گرم کرتے ہیں اور اس سے پکی روٹیاں نکال لیتے ہیں۔“

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، امام عفان بن مسلم رحمہ اللہ کے پاس گئے کہ امام حماد رحمہ اللہ بن سلمۃ کی کتب کا ان سے سماع کریں، انھوں نے کہا: کیا کسی سے ان کا

---

[1] الارشاد للخليلي (١ ١٧٨، ١٧٩)، المجروحين (١ ٣١)، التهذيب (١ ٢٦٧)

[2] تاريخ بغداد (١٤ ١٨٤)، السير (١١ ٨٣) وغيره

سماع نہیں کیا؟ کہا: ہاں سترہ افراد کے واسطہ سے سماع کر چکا ہوں، امام عفان رحمہ اللہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں تمھیں یہ بیان نہیں کروں گا۔ بصرہ جاؤ۔ وہاں موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی رحمہ اللہ سے سماع کرو، فرمایا: آپ کی مرضی، وہ بصرہ میں حافظ موسیٰ بن اسماعیل رحمہ اللہ سے ملے تو انھوں نے فرمایا: آپ نے ان کتابوں کا کسی سے سماع نہیں کیا؟ امام یحییٰ رحمہ اللہ نے کہا: میں نے ان کا سترہ حضرات سے سماع کیا ہے آپ اٹھارھویں ہیں، انھوں نے فرمایا: مجھ سے سماع کر کے کیا کریں گے؟ کہا حماد بن سلمۃ رحمہ اللہ غلطی کرتے ہیں میرا ارادہ ہے کہ میں فرق کروں کہ غلطی ان سے ہے یا کسی اور سے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے شاگرد جب ایک بات پر متفق ہیں تو سمجھ لیتا ہوں کہ غلطی حماد رحمہ اللہ سے ہے اور اگر سب شاگرد ان سے روایت پر متفق ہیں، لیکن کوئی اور ان کے خلاف روایت کرتا ہے تو سمجھتا ہوں کہ غلطی حماد رحمہ اللہ کی نہیں اس راوی سے ہے۔[1]

اس لیے محدثین کرام رحمہم اللہ احادیث کی صحت وضعف اور ان کی علل کو معلوم کرنے کے لیے ایک ایک حدیث کی متعدد اسانید کی تلاش میں رہتے تھے۔ جس سے ان کی شب و روز کی محنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

محدثین کا اخلاص اور فیاضی:

آج بلکہ ماضی قدیم سے باقاعدہ جامعات و مدارس قائم ہیں اور حصولِ علم کے لیے طالب علم وہاں جا کے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین رحمہم اللہ کے دور میں یوں نہ تھا بلکہ جہاں کہیں کوئی فروکش تھا حصولِ علم کے لیے ہزاروں میل کا پرآشوب سفر طے کر کے وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، جیسا کہ چند واقعات پہلے ہم نقل کر آئے ہیں، وہ اس سفر میں اپنے خرچ کا خود انتظام کرتے، خرچ ختم ہو جاتا تو درختوں کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھا کے گزارا

---

[1] المجروحین (١/ ٣٢)

کرتے۔ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرتے۔ بلکہ حدیث کی تعلیم وتعلم میں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہوتی تو خود خرچ کرتے۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ عظیم محدث، فقیہ تھے۔ امام حسن بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ کے تلامذہ کی ایک جماعت جمع تھی، باہم کہنے لگے: آؤ ہم امام ابن مبارک رحمہ اللہ کے خصائل شمار کریں، چنانچہ انھوں نے کہا وہ علم، فقہ، ادب، نحو، لغہ، شعر، فصاحت، سخاوت، الزہد، ورع، انصاف، قیام اللیل، عبادت، حج، عمرہ، جہاد، بہادری، گھڑ سواری، مضبوط بدن، لایعنی کلام سے اجتناب کرنے والے تھے، حتی کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جتنے فضائل تھے ان میں کوئی فضیلت ایسی نہیں جس سے امام ابن مبارک رحمہ اللہ متصف نہ ہوں۔ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کے ہمراہ جہاد کرنے کے۔[1]

یہی امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اتنے اوصاف کے باوصف تاجر بھی تھے اور اپنی تجارت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لو لا خمسة ما اتجرت السفيانان وفضيل بن عياض وابن السماك وابن علية"[2]

"اگر سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض، محمد بن صبیح، ابن السماک، اسماعیل اور ابن علیہ نہ ہوں تو میں تجارت نہ کروں۔"

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے فرمایا:

"لو لاك وأصحابك ما اتجرت، وكان ينفق على الفقراء في كل سنة مائة ألف درهم"[3]

---

[1] تهذيب (٢٢٠، ٢٢١)

[2] تاريخ بغداد (٦ ٢٣٥)، طبقات الحنابلة (١ ١٠١، ١٠٠) وغيره

[3] تاريخ بغداد (١٠ ١٥٨)، السير (٨ ٣٨٦)

اگر آپ اور آپ کے ساتھی نہ ہوں تو میں تجارت نہ کروں، وہ ہر سال فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔“

ایک بار امام ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کی خدمت میں چار ہزار درہم بجھوائے۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ”الرّقۃ“ آتے جاتے تھے وہاں ایک نوجوان ان سے حدیث کا سماع کرتا اور وہ اس کی ضروریات کو پورا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ الرّقہ تشریف لے گئے تو وہ نوجوان نہ ملا، اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جیل میں بند ہے، اس لیے کہ وہ دس ہزار درہم کا مقروض ہے۔ وہ قرض دینے والے کے پاس پہنچے، اسے دس ہزار درہم دے دیے اور اس سے حلف لیا کہ وہ زندگی میں اس کا کسی سے ذکر نہیں کرے گا۔ چنانچہ قرض دینے والے کے کہنے پر اس نوجوان کو چھوڑ دیا گیا۔ قید خانہ سے باہر آ کے معلوم ہوا کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ تشریف لائے تھے اور چلے گئے وہ نوجوان ان کے پیچھے چل نکلا۔ الرّقہ سے دو مرحلوں پر انھیں جا ملا۔ امام صاحب نے فرمایا: اے نوجوان! تم کہاں تھے میں نے الرّقہ میں تمھیں نہیں دیکھا۔ تو اس نے عرض کیا: جناب! میں قرض کی وجہ سے قید میں تھا۔ فرمایا: تمھیں رہائی کیسے ملی؟ تو اس نے کہا کہ کسی شخص نے میرا قرض ادا کر دیا، مجھے معلوم نہیں وہ کون تھا؟ امام صاحب نے الحمد للہ کہا اور اس شخص نے وعدے کے مطابق ان کی وفات کے بعد اس حقیقت کا اظہار کیا۔[1]

موسم حج پر امام ابن مبارک رحمہ اللہ اپنے اہل مَرو کے ساتھیوں سے ملتے تو وہ بھی ان کے ہمراہ حج کرنے کا اظہار کرتے تو فرماتے: ٹھیک ہے اپنا زادِ سفر جمع کروا دو۔ امام صاحب ان کا خرچ لے کر ایک مقفل صندوق میں رکھ دیتے، پھر مَرو سے بغداد اور بغداد سے مدینہ طیبہ پہنچتے اور اپنی گرہ سے انھیں خوب کھلاتے پلاتے۔ مدینہ طیبہ

---

[1] تاریخ بغداد (١٠ ١٥٩)، السیر (٨ ٣٨٦، ٣٨٧)

میں ہر ساتھی سے فرماتے آپ کے اہلِ خانہ نے مدینہ طیبہ سے کیا لانے کا کہا تھا تو وہ بتلاتے کہ فلاں اور فلاں چیز لے کر جانا ہے۔ پھر مکہ مکرمہ پہنچتے تو ساتھیوں سے پوچھتے آپ کے اہل و عیال نے مکہ مکرمہ سے کیا کچھ لانے کا کہا تھا۔ وہ سب بتلا دیتے تو آپ وہ تمام اشیاء مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے خرید لیتے۔ حج سے فراغت کے بعد اپنے وطن مَرْو پہنچتے۔ تین دن کے بعد بڑی دعوت کرتے اور سفر کے تمام ساتھیوں کو مدعو کرتے، جب وہ کھا پی لیتے تو امام ابن مبارک رحمہ اللہ صندوق لے آتے اور ہر ایک نے جو رقم جمع کروائی ہوتی تھی اس کے نام کی تھیلی اسے دیتے جاتے۔[1]

یہ عالم تھا ان کی فیاضی کا خطیب بغدادی رحمہ اللہ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے علاوہ بھی بعض واقعات ذکر کیے ہیں۔

امام عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ، امام سفیان بن عیینۃ سے تعاون کرتے تھے۔[2]

محدثین کرام میں سے جنھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا تھا ان کی فیاضی کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے استاد امام ربیعہ الرأی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے اپنے تلامذہ اور ضرورت مند رفقاء پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے تھے اور کہا جاتا تھا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے بڑے سخی امام ربیعۃ رحمہ اللہ ہیں۔[3]

فقیہ عراق امام حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں روزانہ پچاس آدمیوں کے افطار کا انتظام کرتے اور جب عید الفطر ہوتی تو انھیں لباس بھی دیتے۔ بسطام رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے جاتے دن بھر ان کے پاس رہتے اور جاتے ہوئے ان کے وسادہ کے نیچے بہت سے درہم رکھ جاتے۔

---

[1] تاریخ بغداد، السیر (٨/ ٣٨٦)　[2] السیر (٩/ ٢٢٩)

[3] السیر (٦/ ٩٠، ٩٢)، التذکرۃ (١/ ١٥٧)

داود الطائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام حماد رحمہ اللہ کھانا کھلانے میں اور درہم و دینار تقسیم کرنے میں بڑی سخی تھے۔[1]

امام حفص بن غیاث رحمہ اللہ جو امام احمد، اسحاق، علی بن مدینی اور ابن معین رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علم کے استاد تھے ان کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ فرماتے کہ جو میرے ہمراہ کھانا نہیں کھائے گا میں اسے حدیث بیان نہیں کروں گا۔ اور جب دعوتِ عام دیتے تو کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔ ابوجعفر المسندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اہلِ عرب کے بڑے سخی تھے۔[2]

امام ابوعلی رحمہ اللہ الحسن بن عرفۃ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے بتلایا کہ میں شام میں احادیث لکھتا تھا ایک ساتھی سے عاریتاً قلم لیا مجھے واپس کرنا یاد نہ رہا وہاں سے فارغ ہو کر اپنے وطن ''مرو'' میں پہنچ گیا۔ سامان میں ساتھی کا قلم دیکھا تو پھر شام روانہ ہو گیا اور ساتھی سے مل کر انھیں ان کا قلم واپس کیا۔[3]

امام ابن مبارک رحمہ اللہ جب کتاب الزہد والرقاق پڑھتے تو یوں حالت ہوتی جیسے گائے کی ذبح کے وقت ہوتی ہے۔ محدثین کرام انھیں امیر المومنین، امام المسلمین، سید العلماء، شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ ترجمہ نگاروں نے ان کے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کے بڑے سبق آموز واقعات لکھے ہیں۔ اپنے تمام تر فضائل و مناقب کے باوجود انکساری کا یہ عالم تھا کہ فرماتے:

''أحب الصالحين ولست منهم، وأبغض الطالحين وأنا شر منهم''

''میں صالحین سے محبت کرتا ہوں، میں ان میں سے نہیں۔ میں خراب لوگوں سے بغض رکھتا ہوں اور میں ان میں سے زیادہ بُرا ہوں۔''

---

[1] السير (٥ ٢٣٨)　[2] التذكرة (١ ٢٩٨)، السير (٩ ٢٦)

[3] تاريخ بغداد (١٠ ١٦٧)

امام محمد رحمہ اللہ بن سلام بیکندی جن کا شمار امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں ہوتا ہے اور ان سے حدیث کا سماع انسان ہی نہیں جن بھی کرتے تھے، بلکہ ان کی تعداد انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ فرماتے ہیں: میں نے حصولِ علم کے لیے چالیس ہزار خرچ کیے ہیں اور اس کی نشر و اشاعت میں بھی چالیس ہزار خرچ کیے ہیں۔ کاش جو حصولِ علم میں خرچ کیے وہ بھی اس کی اشاعت میں خرچ کرتا۔[1]

امام حجاج بن شاعر، امام ابوعلی الوخشی، امام بخاری وغیرہ رحمہم اللہ کے کچھ واقعات محدثین کے اسفارِ علمیہ کے ضمن میں نقل ہوئے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ بصرہ میں آدام بن ابی ایاس رحمہ اللہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ زادِ راہ ختم ہو گیا تو گھاس کھانی پڑی۔ تیسرے روز ایک اجنبی شخص آیا اس نے انھیں دیناروں کی تھیلی دی، ہر ماہ طلبِ علم کے لیے پانچ سو درہم خرچ کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئے تو ان کا پیشاب اطباء کو تشخیص کے لیے دکھایا گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو عیسائی راہبوں کے پیشاب کی طرح ہے جو سالن استعمال نہیں کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اطباء کی تصدیق کی اور فرمایا کہ چالیس سال سے میں نے سالن نہیں کھایا۔ اطباء سے اس کا علاج پوچھا تو انھوں نے کہا کہ انھیں سالن کھلائیں، یہی ان کا علاج ہے۔ امام صاحب اس پر راضی نہ ہوئے، مشائخ اور اہلِ علم کے اصرار سے روٹی کے ساتھ سُکر یعنی چینی کھانے لگے۔ بہت کم کھانا کھاتے اور اکثر طلبائے علم پر خرچ کرتے تھے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ کا شمار عباد محدثین میں ہوتا ہے۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے انھیں الطبقات الکبریٰ،[3] جس کا دوسرا نام "لواقح الأنوار في طبقات الأخیار" میں

---

[1] السير (١٠/ ٦٣٠)، تهذيب للمزي (١٦/ ٣٤٤)

[2] تغليق التعليق (٥/ ٣٩٨)، مقدمة فتح الباري (ص: ٤٨١)

[3] الطبقات الكبرىٰ (ص: ٩٢)

ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان کا شمار اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: جب سے مجھے علم ہوا ہے کہ غیبت کرنا حرام ہے، میں نے اس وقت سے کسی کی غیبت نہیں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ رمضان المبارک میں قرآن مجید کا بڑا اہتمام فرماتے، لوگوں کے ساتھ قیام میں قراءت لمبی نہ کرتے۔ ایک رکعت میں بیس آیات تلاوت فرماتے اور پورے مہینے میں ایک قرآن ختم کرتے۔ پھر نصف شب سے سحری کے وقت تک نوافل پڑھتے اور تین دن میں ایک قرآن ختم کرتے۔ علاوہ ازیں دن کو افطار تک ایک قرآن ختم کرتے۔ یوں رمضان المبارک میں اکتالیس بار قرآن مجید ختم کرتے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس شیخ ابوحفص احمد بن حفص رحمہ اللہ نے کچھ مال بھیجا، بعض تاجروں نے شام کو آکر وہ مال پانچ ہزار نفع دے کر خریدنا چاہا، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ تشریف لے جائیں، صبح بات کریں گے۔ صبح ہوئی تو اور تاجر آئے تو انھوں نے وہ مال دس ہزار نفع پر خریدنے کی بات کی، مگر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رات کو تاجر آئے تھے۔ میں نے ان کے چلے جانے پر انھیں مال دینے کی نیت کر لی تھی، اس لیے میں نیت کو بدلنا نہیں چاہتا۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید کا بیان ہے کہ ان کے بعض دوستوں نے انھیں باغ میں بلایا، ظہر کی نماز کے بعد امام صاحب رحمہ اللہ نفل پڑھنے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو ایک ساتھی سے فرمایا: میری قمیص کے نیچے دیکھو کیا ہے؟ چنانچہ دیکھا کہ ایک بھڑ ہے جس نے کمر پر سولہ یا سترہ بار ڈنک مارا ہے اور کمر متورم ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ جب پہلی بار بھڑ نے ڈنک مارا تھا تو نماز توڑ دیتے۔ فرمایا: میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، پسند کیا کہ اسے مکمل کر لوں۔[3] اسی قسم کا ایک اور واقعہ بکر بن منیر رحمہ اللہ

---

[1] تاريخ بغداد (٢ ١٢)، تغليق (٥ ٣٩٩)، السير (١٢ ٤٣٩) وغيره.

[2] تغليق (٥ ٣٩٥)، تاريخ بغداد (٢ ١١) وغيره.

[3] تاريخ بغداد (٢ ١٢، ١٣)، السير (١٢ ٤٤٢)، مقدمة فتح الباري (٤٨٦) وغيره.

بھی بیان کرتے ہیں۔[1]

یہ اور اسی قسم کے دیگر متعدد واقعات امام صاحب رحمہ اللہ کے اخلاص اور عبودیت کی بیّن دلیل ہے۔

امام محمد بن جریر طبری، امام محمد بن خزیمہ، امام محمد بن نصر مروزی اور امام محمد بن ہارون الرویانی رحمہم اللہ مصر میں دورانِ تعلیم اکٹھے تھے، ایک کمرے میں رہتے تھے۔ چاروں کے پاس جو زادِ راہ تھا، ختم ہو گیا، فاقوں کی نوبت آ گئی تو چاروں نے لاچار ہو کر کسی کو سوال کرنے اور طلب کرنے کے لیے بھیجنے پر مجبور کیا۔ قرعہ ڈالا گیا کہ کس کو مانگنے کے لیے بھیجا جائے تو قرعہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے نام نکلا۔ انھوں نے فرمایا: ٹھہرو! مجھے نمازِ نفل پڑھ لینے دو، چنانچہ وہ نماز میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تو والیِ مصر کا بھیجا ہوا ہیجڑا لالٹین لیے ہوئے دروازے پر دستک دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا: تم میں سے محمد بن نصر کون ہے؟ تو اسے بتلایا گیا کہ فلاں ہے تو اس نے تھیلی سے پچاس دینار نکال کر انھیں دے دیے۔ پھر کہا: محمد بن جریر کون ہیں؟ تو انھیں بھی پچاس دینار دیے۔ اسی طرح محمد بن ہارون الرویانی کو اور محمد بن خزیمہ کو پچاس پچاس دینار دیے اور کہا کہ امیر قیلولہ کر رہا تھا تو اسے خواب میں کہا گیا کہ چار محمد نامی افراد بھوکے ہیں اور تمھیں ان کی کوئی فکر نہیں، اس نے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جب یہ ختم ہو جائیں تو کسی کو میرے پاس بھیج دینا۔[2]

یہ ان کے اخلاص اور صدقِ نیت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی مدد فرمائی جس کا تصور بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہ تھا۔ امام ہِشام الدستوائی (یہ "دستواء" کے بنے ہوئے کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اسی لیے الدستوائی کے لقب

---

[1] تاريخ بغداد (٢ ١٢)، السير (١٢ ٤٤١) وغيره.

[2] تاريخ بغداد (٢ ١٦٥)، السير (١٤ ٢٧١، ٥٠٧)، معجم الأدباء (١٨ ٤٦، ٤٧)، التقييد لمعرفة الرواة والسنن والمسانيد لابن نقطة (١ ١٢١)

سے مشہور ہوئے) بصرہ کے عظیم محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ امام شعبہ، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمان بن مہدی، یزید بن ہارون اور وکیع رحمہم اللہ جیسے اعیان ان کے حلقہ تلمذ میں شمار ہوتے ہیں۔ کثرتِ بُکا سے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ فرماتے تھے: کاش! حدیث کی خدمت سے ہم بس نجات پا جائیں، نہ ہمیں اور کچھ ملے اور نہ ہم پر کوئی بوجھ ہو۔ امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب امام ہشام یہ کہتے ہیں تو ہمارا کیا حال ہو گا؟! گھر میں چراغ بجھ جاتا تو بستر پر کروٹ بدلتے تو بے قرار ہو جاتے اور فرماتے: مجھے قبر کے اندھیرے کی بڑی فکر ہے۔ نیز فرماتے ہیں:

"والله ما أستطيع ان أقول: إني ذهبت يوماً قط اطلب الحديث أريد به وجه الله عزوجل"[1]

"اللہ کی قسم! میں یہ کہنے کی سکت نہیں رکھتا کہ یہ، کیوں: میں ایک دن بھی طلبِ حدیث کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نکلا ہوں۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کا یہ قول ذکر کر کے فرماتے: اللہ کی قسم! میں بھی ایسا ہی ہوں، میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا، سلف صالحین اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرتے تھے تو وہ ایسے امام بنے جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے علم رضائے الٰہی کی نیت سے حاصل نہیں کیا مگر علم نے انھیں اخلاص کی راہ پر لگا دیا، بعض وہ ہیں جنھوں نے دنیا کے حاصل کرنے کی فاسد نیت سے علم حاصل کیا، تاکہ لوگ انھیں عالم کہیں، لوگوں کا ان کی طرف رجوع رہے۔ حکومتی مناصب حاصل ہوں، یہ لوگ نورِ علم سے محروم ہیں۔ عالم وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ بعض وہ بھی ہیں جنھوں نے علم سے حیلے نکالے، رخصتوں کا فتویٰ دیا، شاذ روایات بیان کیں، حتی کہ بعض نے حدیث گھڑنے کی جراَت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ چاک کر دیا۔ (ملخصاً)

---

[1] السير (٧ / ١٥٢)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میرا علم حاصل کریں، مگر میری طرف اسے منسوب نہ کریں اور نہ میری تعریف کریں۔[1]

امام یحییٰ بن معین کے باپ معین سرکاری ملازم تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے ایک لاکھ پچاس ہزار درہم ورثہ چھوڑا جو انھوں نے بتمام وکمال علمِ حدیث کی طلب میں خرچ کیا، حتی کہ جوتا خریدنے کے لیے بھی کچھ نہ بچا۔[2]

امام محمد بن اسلم الطّوسی الکندی کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے انھیں ''شیخ الاسلام، الامام، الحافظ الربانی'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے، بے حد زاہد، عبادت گزار اور متبعِ سنت تھے: ''يحتج بحديث النبي ﷺ في كل مسألة'' ''ہر مسئلے کے حل کے لیے نبی کریم ﷺ کی حدیث سے استدلال کرتے۔'' فرماتے: میں حدیث لکھتا ہوں، مگر لوگ امام ابو حنیفہ کی رائے اور فتویٰ لکھتے ہیں ان کے نزدیک میرا طریقہ درست نہیں، مگر میرے نزدیک ان کا طریقہ درست نہیں۔ انھیں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ہم پلہ قرار دیا گیا۔ احمد بن نصر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عمر رحمہ اللہ بن عبدالعزیز کے بعد ان جیسے محمد بن اسلم رحمہ اللہ تھے، محمد بن رافع نے فرمایا کہ میں تو انھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مانند سمجھتا ہوں۔ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ فرماتے کہ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں وہاں نفل نماز پڑھوں جہاں کراماً کاتبین بھی نہ دیکھ پائیں، لیکن کیا کروں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ گھر میں روتے مگر جب گھر سے نکلتے تو چہرہ دھو کے سرمہ لگا کے نکلتے، ریا اور نمائش سے بچنے کا یہ عالم تھا کہ ان کے تلمیذ فرماتے ہیں: میں بیس سال سے زیادہ عرصہ ان کی خدمت میں رہا میں نے سوائے جمعہ کے روز انھیں نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا رات کو انھوں نے وفات پائی اور

---

[1] السير (١٠ ٢٩، ٥٥)

[2] تهذيب (١٤ ٦٠٥)، السير (١١ ٧٧)، تاريخ بغداد (١٤ ١٨٤)

ساتھی سے کہا وفات کے بعد جلد میرے غسل وکفن دفن کا اہتمام کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ چنانچہ صبح کی اذان ہو رہی تھی کہ وہ جنازہ گاہ میں تھے نہ کسی کو جنازے کے لیے بلایا گیا نہ کسی کو پیغام بھیجا گیا مگر اس وقت اتنے لوگ آئے کہ کسی جنازے میں اتنے نہ تھے صبح کی نماز کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اور بعض نے تو کہا کہ ان کا جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد گیارہ لاکھ تھی۔ مگر حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ تعداد ممکن نہیں بالخصوص جب کہ ان کی وفات رات کو ہوئی اور صبح کی نماز کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امیر طاہر نے جنازہ پڑھایا اور امام اسحاق بن راہویہ کے پہلو میں دفن کیا۔[1]

امام طوسی رحمہ اللہ کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہرت سے کس قدر بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ رات بھر قیام اللیل کرتے، صبح ہوتی تو بلند آواز سے بولتے گویا وہ ابھی بیدار ہوئے ہیں، ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی جاتی تو اس قدر روتے کہ تلامذہ کہتے ہیں ہمیں ان پر رحم آتا تھا، مگر لوگوں کے سامنے بہت مسکراتے اور ہنستے۔ فرماتے تھے جو شہرت کو پسند کرتا ہے وہ کبھی سچا نہیں ہوتا۔[2]

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: اپنے آپ کو شہرت سے بچاؤ، ،میں جس کسی کے پاس گیا ہوں اس نے مجھے شہرت سے بچنے کا فرمایا ہے۔[3]

امام بشر بن حارث الحافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شہرت کو پسند کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا

---

(1) السير (١٢ ١٩٥، ٢٠٦)، حلية الأولياء (٩ ٢٣٨، ٢٥٤)، التذكره (٢ ٥٣٢)، تاريخ اسلام للذهبي وفيات (٢٤١، ٢٥٠، ص: ٤٠٩) وغيره

(2) المعرفة للفسوى (٢ ٢٦٨)، السير (٦ ١٧، ٢٠)

(3) السير (٧ ٢٦٠)

ہے اور اس کا دین نہیں رہتا اور جو شہرت کو پسند کرتا ہے وہ آخرت کی مٹھاس نہیں پاتا۔[1]

اسی نوعیت کے بہت سے اقوال سلف سے **حضرت بریدہ بن الحصیب** رحمہ اللہ فتح خیبر میں سرخ لباس پہنے ہوئے تھے، فرماتے ہیں: جب سے اسلام لایا ہوں میں نے شہرت سے بُرا عمل نہیں پایا۔[2] یعنی سرخ لباس کو انھوں نے شہرت کا لباس سمجھا۔

امام طلحہ بن مصرف الکوفی رحمہ اللہ عظیم محدث اور سید القراء تھے، ایک جگہ قراء کوفہ جمع ہوئے تو تمام کا اس پر اتفاق تھا کہ اہلِ کوفہ کے بڑے قاری امام طلحہ رحمہ اللہ ہیں، جب انھیں یہ بات پہنچی تو وہ امام سلیمان الاعمش رحمہ اللہ کے پاس قراءت سیکھنے کے لیے چلے گئے، تاکہ یہ تاثر زائل کریں میں بڑا قاری نہیں امام اعمش رحمہ اللہ بڑے قاری ہیں۔[3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ زہد، ورع اور اتباعِ سنت میں مشہور ہیں، حتی کہ فرمایا:

"ما كتبت حديثاً إلا قد عملت به حتى مربي أن النبي ﷺ احتجم وأعطي أبا طيبة ديناراً فاحتجمت وأعطيت الحجام ديناراً"[4]

کوئی حدیث میں نے ایسی نہیں لکھی جس پر میں نے عمل نہ کیا ہو، حتی کہ جب میں نے پڑھا کہ نبی کریم ﷺ نے سینگی لگوائی اور سینگی لگانے والے کو ایک دینار دیا تو میں نے بھی سینگی لگوائی اور حجام کو ایک دینار دیا۔ سینگی لگانے والے کو ایک دینار دینے کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔[5]

---

[1] التواضع والخمول موسوعة امام ابن أبي الدنيا (٣ ٥٥١)

[2] السير (٢ ٤٧٠)

[3] معرفة الثقات للعجلي (ص: ٢٣٥)، التهذيب (٦ ٢٤١)

[4] الجامع للخطيب (١ ١٤٤)، السير (١١ ٢١٣، ٢٩٦)، مناقب، امام أحمد (ص: ١٧٩) وغيره

[5] طبراني أوسط (٨ ٤٠٧، ٧٨٣٠)، الكبير (١٩٣٤، ١١ ٣٣٨)، والبزار (٤٨١٣)، وضياء في المختارة (١١ ٣١٤)، وابن أبي الدنيا في مكارم الأخلاق (٤٠٢)، أخبار اصبهان (١ ٢٩٥) وإسناده صحيح، ورواه أبي داود (١٧٢) في المراسيل، وابن أبي شيبة (١١ ٢١٣٨٧)، أيضاً مرسلًا، وإسناده حسن.

امام صاحب رحمہ اللہ بیماری کے آخری ایام میں تھے کہ جمعہ کے روز ان کا انتقال ہوا۔ جمعرات کو بیماری نے شدت پکڑی ان کے صاحبزادے نے نماز کے لیے وضو کروایا تو فرمایا: انگلیوں کا خلال کرو۔[1]

اندازہ کیجیے اس حال میں بھی سنت کی پیروی کا کیسا اہتمام تھا۔ امام صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا حال ہے؟ فرمایا: اس کا دن کیسے گزرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ فرائض ادا کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ ہے کہ میری سنت کی پیروی کرو، فرشتے مطالبہ کرتے ہیں عمل صحیح کرو، جب کہ نفس خواہش کی پیروی چاہتا ہے اور ابلیس بے حیائی چاہتا ہے، ملک الموت روح قبض کرنے کی تیاری میں ہے اور اہل وعیال نان ونفقہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔[2] مغرب وعشاء کے مابین نوافل پڑھتے، عشاء کے بعد تھوڑی دیر کے لیے آرام فرماتے، پھر بیدار ہوتے تو نوافل پڑھتے آہستہ قراءت کرتے، اور بہت دعا مانگتے اور بہت سے لوگوں کا نام لے لے کر ان کے لیے دعا کرتے۔[3]

امام داود بن ابی ہند رحمہ اللہ عظیم محدث اور بصرہ کے مفتی تھے۔ بازار سے گھر تشریف لے جاتے تو دل میں ٹھان لیتے کہ فلاں جگہ تک میں اللہ کا ذکر کروں گا اور جب وہاں پہنچتے تو اپنے آپ پر لازم کر لیتے کہ فلاں جگہ تک پہنچتے ہوئے اللہ کا ذکر کروں گا۔ اسی حالت میں وہ گھر پہنچتے۔ ابن ابی عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انھوں نے چالیس سال روزہ رکھا مگر اہلِ خانہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ ریشمی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ گھر سے کھانا لے کر نکلتے مگر راستے میں اسے صدقہ کر دیتے شام کو واپس آتے تو اہلِ خانہ کے ساتھ کھانا کھا لیتے۔[4]

---

[1] السیر (١١/ ٣٣٧)، مناقب الامام أحمد لابن الجوزي.

[2] السیر (١١/ ٢٢٧) [3] السیر (١١/ ٢٢٣)

[4] التذكرة (١/ ١٤٧)، السیر (٦/ ٣٧٨)

سید التابعین امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تیس سال میں جب بھی موذن نے اذان کہی تو میں مسجد میں ہوتا ہوں۔[1] نیز فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میں نے باجماعت نماز ادا کی ہے۔[2] ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: پچاس سال سے میری تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور پہلی صف میں ہونے کی وجہ سے میں نے پچاس سال کسی نمازی کی گردن نہیں دیکھی، چالیس حج کی سعادت پائی۔[3]

مدینہ طیبہ کے دوسرے عالم وفقیہ، **امام عروہ بن زبیر** رحمہ اللہ کے ایک پاؤں کو ایسی بیماری لاحق ہوئی جو اسے کھائے جا رہی تھی۔ طبیب نے پاؤں کاٹ دینے کو ہی علاج قرار دیا کہ اگر کاٹا نہ گیا تو بیمار اوپر پنڈلی حتی کہ ران کو بھی کھا جائے گی تو انھوں نے کاٹنے کی اجازت دے دی، طبیب نے کہا: ہم آپ کو ایسی دوائی دیتے ہیں جس کے پینے کے بعد درد کا احساس نہیں ہوگا تو انھوں نے اسے پسند نہ فرمایا: اور کہا میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی ایسی چیز پی جائے جو عقل کو زائل کر دے۔ چنانچہ آری سے ان کی بائیں ٹانگ کاٹ دی گئی، مگر انھوں نے آہ و بکا نہ کی اور نہ ان کے چہرے کے تیور بدلے اور کسی بھی معمول میں کمی نہ آئی قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت کا جو پہلے سے معمول تھا بدستور جاری رہا۔ روزانہ قرآن پاک کا چوتھائی حصہ قرآن پاک دیکھ کر تلاوت کرتے اور اسی قدر رات کے قیام میں تلاوت فرماتے۔[4]

امام ابو یزید ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کا شمار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: اے ابو یزید! اگر تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو تم سے محبت کرتے۔ ان کے تلمیذ امام ابراہیم النخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیس سال سے میں نے ان سے اچھی باتیں سنی کوئی بات ایسی

---

[1] المصنف لابن أبي شيبة (٣٥٤٢)
[2] الحلية (٢/ ١٦٢)، السير (٤/ ٢٢١)
[3] وفيات الاعيان (٢/ ٢٦٢)
[4] السير (٤/ ٤٢٩، ٤٣٠)، الحلية (٢/ ١٧٩)

نہیں سنی، جس پر حرف گیری ہو۔ امام ربیع رحمہ اللہ بیماری میں مبتلا ہوئے چل نہیں سکتے ہیں۔ اس حال میں بھی وہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں نماز جماعت سے پڑھتے، انھیں کہا جاتا کہ آپ معذور ہیں اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں تو فرماتے میں حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کی آواز سنتا ہوں جو یہ سنے وہ جماعت سے نماز پڑھے، اگرچہ گھسیٹتا ہوا یا سرین کے بل چل کے آئے۔[1]

امام سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ کا شمار بھی بصرہ کے تابعین میں ہوتا ہے۔ یہ صائم الدھر تھے۔ چالیس سال تک جامع بصرہ کے امام رہے اور عموماً عشاء اور صبح کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھتے، حماد بن سلمۃ رحمہ اللہ کا بیان ہے انھوں نے بیس سال اپنا پہلو زمین پر نہیں لگایا، راتیں مختلف مساجد میں نوافل پڑھتے گزرتیں، سجدہ اتنا لمبا کرتے کہ ایک سجدہ میں ستر بار تسبیحات کہنے کا اندازہ لگایا گیا۔[2]

امیر المومنین امام شعبہ بن الحجاج بصری رحمہ اللہ کی ساری زندگی حدیث پاک کی تعلیم وتعلم میں گزری، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے جرح وتعدیل کا علم امام عبدالرحمان بن مہدی اور امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہما اللہ نے انہی سے حاصل کیا۔ امام شعبہ رحمہ اللہ صائم الدھر تھے۔ بدن کی جلد خشک اور سیاہ نظر آتی، حتی کہ نیچے گوشت دکھائی نہ دیتا۔ نمازِ نفل میں رکوع وسجود اتنے طویل ہوتے کہ دیکھنے والے خیال کرتے کہ وہ بھول گئے ہیں۔ یہی حالت بین السجدتین قعدہ کی تھی۔ بے حد سادہ لباس پہنتے اور ہر سائل کی ممکن مدد کرتے، امام سلیمان بن موسیٰ روتے ہوئے ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: میرا گدھا مر گیا اور میں نماز جمعہ نہیں پڑھ سکا میرے پاس کوئی پونجی بھی نہیں۔ امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ گدھا کتنے میں خریدا تھا؟ بتلایا گیا کہ تین دینار

---

(1) ابن أبي شيبه (٣٥٣٩)، السير (٤ ٢٥٨، ٢٦٠)

(2) التذكره (١ ١٥١)، السير (٦ ١٩٦، ١٩٧)

میں، امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے پاس یہ تین دینار ہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں یہ تم لے لو۔ امام شعبہ رحمہ اللہ کی ساری زندگی طلبِ حدیث میں گزری، ان کے دو بھائی بشار رحمہ اللہ اور حماد رحمہ اللہ ان کی ضروریات کے کفیل تھے۔ امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے: اے اصحاب الحدیث بازار میں کام کاج کرو میں اپنے بھائیوں پر بوجھ بنا ہوا ہوں، میں نے ایک درہم بھی اپنی کمائی سے حاصل نہیں کیا۔ میں نے والدہ کا ایک برتن سات دینار میں فروخت کر کے طلبِ حدیث میں لگا دیے۔[1]

شیخ الاسلام امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ، حفظِ حدیث، ورع وتقویٰ، فقہ اور معرفتِ آثار میں مسلّم امام تھے۔ ان کے تلمیذ رشید امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ امام ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے پاس جو بھی حدیث پہنچی ہے میں نے اس پر عمل کیا ہے، اگرچہ ایک بار ہی ہو۔ قیامت کے خوف سے انھیں پیشاب کے بجائے خون آنے لگ جاتا۔ ایک بار عشاء کی نماز کے بعد وضو کا ارادہ کیا تو انھیں برتن میں پانی لا کے دیا گیا، انھوں نے دائیں ہاتھ سے برتن کو پکڑا اور بایاں ہاتھ رخسار پر رکھا اور فکرِ آخرت سے رونے لگے ساری رات اسی طرح بیٹھے اور روتے ہوئے گزر گئی۔

امام عطاء الخفاف فرماتے ہیں: میں جب بھی ان سے ملا ہوں انھیں روتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا نام لوح محفوظ میں بدبختوں میں لکھا ہوا نہ ہو۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کی تعریف مجھے بیان کی گئی میں نے اسے اس تعریف سے کمتر پایا۔ سوائے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے، فرماتے تھے: زہد دو طرح کا ہے: ایک زہد فرض اور دوسرا نفل۔ فرض زہد یہ ہے کہ فخر،

---

[1] تاریخ بغداد (۹ ۲۵۵، ۲٦٦)، السیر (۷ ۲۰۳، ۲۲۷)، التذکرۃ (۱ ۱۹۳)، تہذیب للمزي (۸ ۳٤٤، ۳٥٦) وغیرہ

تکبر، علو، ریا و دکھلاوا اور لوگوں کے ہاں اچھا بننے کو چھوڑ دے اور نفل زہد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال عطا فرمایا ہے اسے چھوڑ دے (اسے کم سے کم تر استعمال کرے)۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابوجعفر المنصور نے حج بیت اللہ کے لیے ۱۵۸ھ میں مکہ مکرمہ حاضری کا عزم کیا تو اس نے مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا کہ اگر تم سفیان ثوری رحمہ اللہ کو دیکھو تو اسے سولی دے دو۔ چنانچہ بڑھئیوں نے حرم سے باہر سولی بنا دی اور امام سفیان رحمہ اللہ کی تلاش ہونے لگی۔ ادھر امام سفیان رحمہ اللہ یوں لیٹے ہوئے تھے کہ ان کا سر حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی گود میں اور پاؤں امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی گود میں تھے۔ انھیں عرض کی گئی کہ اے ابوعبداللہ! دشمنوں کو خوشی کا موقع نہ دیں، چنانچہ وہ اٹھے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر کہا: اگر یہاں ابوجعفر آ گیا تو میرا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں (اللہ، اللہ) چنانچہ ابوجعفر بیت اللہ میں داخل ہونے پہلے راستے ہی میں فوت ہو گیا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو جب اس کے فوت ہونے کی اطلاع دی وہ بالکل خاموش رہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ کرامت ثابت ہے۔

امام سفیان رحمہ اللہ ابوجعفر منصور کو اس کے جور وظلم پر ملامت کرتے اور اس کی عیش وعشرت پر نکیر کرتے کہ مہاجرین و انصار کی خدمات کے نتیجے میں آج تم اس مقام پر سرفراز ہو، ان کی اولاد بھوک سے مر رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ان کا کل خرچ پندرہ دینار تھا وہ درخت کے نیچے بیٹھتے تھے مگر تمھارا کیا حال ہے؟ ان کی ایسی تنقید پر وہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے درپے آزار تھا۔ امام سفیان رحمہ اللہ روپوش ہو گئے بصرہ تشریف لے گئے اور ایک باغ میں ملازمت اختیار کر لی۔ ٹیکس وصول کرنے والا وہاں آیا اور انھیں پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ امام سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا: کوفہ کے، اس نے کہا: کیا کوفہ کی رطب کھجور میٹھی ہے یا بصرہ کی؟ امام سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بصرہ کی رطب کھائی نہیں۔ اس نے کہا: کتنا

جھوٹ بولتے ہو، نیک اور گناہ گار سب بصرہ کی رطب کھاتے ہیں۔ وہ ٹیکس وصول کرنے والا باغ کے ایک مزدور سے ملا اور ساری بات کہہ دی تو اس نے کہا: اٹھو اگر ہوسکتا ہے تو اسے پکڑو تو نے جو بات کی ہے اگر وہ سچی ہے تو وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ہی ہو سکتے ہیں، انھیں پکڑ لو امیر ابو جعفر خوش ہوں گے اور تمھیں ان کا تقرب حاصل ہو گا۔ وہ پلٹا مگر امام سفیان رحمہ اللہ وہاں سے جا چکے تھے۔[1]

امام سفیان رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جو حدیث مجھے ملی ہے میں نے اس پر عمل کیا اگر چہ ایک بار ہی ہو۔[2] امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام سفیان نے علم و ورع کی بدولت لوگوں پر حکومت کی ہے۔[3]

امام منصور بن زاذان رحمہ اللہ کے شب و روز عبادت اور قرآن مجید کی تلاوت میں گزرتے۔ امام ہشیم فرماتے ہیں کہ اگر انھیں کہا جائے کہ ملک الموت دروازے پر ہے تو وہ اپنے معمولات میں کوئی اضافہ نہیں کر پائیں گے۔ صبح کی نماز پڑھ کے وہ طلوع شمس تک تسبیح و تحمید پڑھتے، طلوع شمس کے بعد زوال تک نوافل پڑھتے پھر نماز ظہر پڑھتے، اس کے بعد عصر تک نوافل پڑھتے، عصر کے بعد مغرب تک ذکر و اذکار میں مصروف رہتے پھر مغرب کے بعد بھی اور عشاء پڑھ کے گھر تشریف لے جاتے عشاء کے بعد طلباء ان سے احادیث مبارکہ لکھتے۔ فوت ہوئے تو ان کے جنازے میں اہلِ اسلام کے علاوہ، یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی شریک ہوئے۔[4]

امام حماد بن سلمۃ رحمہ اللہ کے بارے میں یہی بات امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمائی ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ تم کل فوت ہو جاؤ گے تو وہ اپنے اعمال حسنہ

---

[1] السیر (۲۵۹/۷) مزید ان کے احوال کے لیے ملاحظہ ہوں: السیر (۷ ۲۲۹، ۲۷۹)، حلیة الأولیاء (۳۵۶/۶، ۷، ۱٤٤)، تاریخ بغداد (۱۹۱/۹، ۱۷٤)، وفیات الاعیان (۳۸٦/۲، ۳۹۱)

[2] (۲٤۲/۷) [3] السیر (۲٤۰/۷)

[4] الجامع للخطیب (۵۸/۲)، السیر (٤٤۲/۵)، الحلیة (۵۷/۳) وغیرہ۔

میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر پائیں گے۔[1]

امام ابو زید محمد بن احمد المروزی رحمہ اللہ جو امام دارقطنی رحمہ اللہ کے استاد اور امام فربری کے واسطہ سے صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ امام ابوبکر بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نیشاپور سے مکہ مکرمہ تک سفر میں ان کے ہمراہ تھا، میں نہیں جانتا کہ اس سفر میں کراماً کاتبین نے ان کی کوئی خطا لکھی ہو۔[2] ابتدائی زندگی نہایت فاقہ کشی میں گزری اور حال یہ تھا کہ سردیوں میں شدید سردی سے بچنے کے لیے کوئی جبہ خریدنے کی پوزیشن میں نہ تھے اور اپنے احوال سے کسی کو آگاہ بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ وہی ہیں جو فرماتے ہیں میں حرمِ مکہ میں سویا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا۔ آپ نے فرمایا: اے ابو زید! تم کب تک امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب پڑھتے رہو گے۔ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی کتاب کون سی ہے فرمایا: جامع محمد بن اسماعیل البخاری۔[3]

امام عبداللہ بن عون بصری رحمہ اللہ جو امام سفیان ثوری، شعبہ، عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ خارجہ رحمہ اللہ بن مصعب فرماتے ہیں میں چوبیس، سال ایک قول میں ہے: بیس سال ان کی صحبت میں رہا ہوں میں نہیں جانتا کہ اس عرصہ میں کراماً کاتبین نے ان کی کوئی غلطی لکھی ہو، یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک صاحب کو جانتا ہوں جو بیس سال سے اس کوشش میں ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عون کے دن کی طرح گزاروں مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا۔[4]

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ امام سفیان ثوری، شعبہ، (جو ان کے استاد بھی ہیں) عبدالرحمان بن مہدی، ابن ابی شیبہ،

---

[1] تھذیب (٣ ٥٣٣)
[2] السیر (١٦ ٣١٤)، تاریخ بغداد (١ ٣١٤)، وفیات (٤ ٢٠٨)
[3] السیر (٦ ٣١٤، ٣١٥)
[4] السیر (٦ ٣٦٦)، التھذیب (٧ ١٣٢)

احمد بن حنبل، علی بن مدینی اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ جیسے اعیان کے وہ شیخ ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کے شاگرد امام محمد بن بشار بندار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرا بیس سال سے زیادہ عرصہ امام یحییٰ رحمہ اللہ کے پاس آنا جانا رہا ہے میرا گمان ہے اس عرصہ میں شاید ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی کی ہو۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس سال سے زوال شمس سے پہلے وہ مسجد میں ہوتے تھے امام ابن معین رحمہ اللہ اور عمر بن علی الفلاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ رحمہ اللہ ہر رات قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ رقتِ قلب کا یہ عالم تھا کہ قرآن مجید میں قیامت یا عذاب کا ذکر سنتے تو بے ہوش ہو جاتے۔[1]

امام یحییٰ بن سعید کے معاصر امام عبدالرحمان بن مہدی تھے۔ بعض نے انھیں امام یحییٰ رحمہ اللہ اور امام وکیع رحمہ اللہ سے بھی اتقن قرار دیا ہے۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے مابین قسم اٹھاؤں تو کہوں گا کہ میں نے عبدالرحمان رحمہ اللہ بن مہدی سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ ہمیشہ زبانی احادیث لکھواتے۔ ہر رات میں نصف قرآن مجید کی تلاوت کرتے، ان کی بیٹی کا نکاح ہوا، اس کی شب زفاف کو صبح اٹھے اذان دی پھر بیٹی کے دروازے پر گئے اور لونڈی سے کہا: جاؤ بیٹی اور اس کے خاوند کو اٹھاؤ کہ نماز پڑھیں۔ عورتوں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے، میاں بیوی تب اٹھے جب جماعت ہو گئی تو انھوں نے انھیں ایک دوسری مسجد میں بھجوا دیا (جہاں جماعت ہونی تھی)۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امورِ خیر میں ہمارے اسلاف اسی طرح حریص تھے۔[2]

امام عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ موطا اور دیگر متعدد کتب کے مصنف

---

[1] السیر (۹ ۱۷۸، ۱۸٤) وغیرہ

[2] السیر (۹ ۲۰٤، ۱۹۸)

اور مشہور محدث ہیں۔ انھوں نے نذر مانی کہ جب بھی غیبت کا ارتکاب کروں گا ایک روزہ رکھوں گا، یوں جب کبھی کسی کی غیبت ہو جاتی روزہ رکھتے مگر غیبت نہ چھوٹی تو انھوں نے قصد کر لیا کہ آیندہ اگر غیبت ہوئی تو ایک درہم صدقہ کروں گا۔ اب درہم خرچ کرنا مشکل ہو گیا تو غیبت چھوٹ گئی۔ [1]

انھوں نے اپنا سال تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا چار ماہ جہاد میں، چار ماہ مصر میں تعلیم دینے میں اور چار ماہ حج کے لیے، یوں انھوں نے ۳۷ حج کیے۔ ان کی ایک کتاب "أهوال يوم القيامة" کے نام سے تھی جب اس کی قراءت تلمیذ نے کی تو بے ہوش ہو کر گر گئے اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام ابو عاصم الضحاک بن مخلد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا اور معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ [3]

خود امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی حال تھا۔ فرماتے تھے جب سے میں نے پڑھا ہے کہ غیبت حرام ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ [4]

امام ابراہیم بن میمون الصائغ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کا بڑا اہتمام تھا اس بارے میں امام ابن معین رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ وہ ہتھورا بلند کرتے، اسی اثنا میں اذان سن لیتے تو ہتھوڑا رکھ دیتے۔ [5]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے اسلام قبول کیا ہے نماز کی اقامت کے وقت میں باوضو ہوتا۔ نماز کا وقت ہونے سے پہلے میں اس کا شوق رکھتا تھا۔ [6]

---

(1) ترتيب المدارك (٢ ٤٣١)، السير (٩ ٢٢٨)
(2) الانتقاء (٤٩)، السير (٩ ٢٢٦)
(3) التاريخ الكبير (٤ ٣٦)، السير (٩ ٤٢٨)
(4) مقدمه فتح الباري (ص: ٤٨٠)
(5) التهذيب (١ ٤٤٧)، إكمال تهذيب الكمال (١ ٣٠٤)
(6) السير (٣ ١٦٤)

امام ربیعۃ بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں چالیس سال سے جب میں نمازِ ظہر کی اذان ہوتی تو مسجد میں ہوتا تھا الا یہ کہ بیمار ہوں یا سفر میں ہوں۔[1]

امام سعید بن عبدالعزیز دمشقی رحمہ اللہ جب بھی باجماعت نماز رہ جاتی تو روتے، نماز پڑھتے تو ان کے آنسو جائے نماز پر گرتے اور فرماتے کہ جب نماز پڑھتا ہوں تو جہنم گویا میرے سامنے ہوتی ہے، رات بھر نوافل پڑھتے مگر جب نمازِ فجر کا وقت ہوتا تو نیا وضو بنا کے مسجد جاتے (تاکہ شب بیداری راز ہی رہے)۔[2]

قاضی محمد بن سماعۃ جو قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد شیبانی رحمہ اللہ کے تلمیذ ہیں، فرماتے ہیں: چالیس سال سے میری تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، البتہ جس روز والدہ کا انتقال ہوا تو اس روز نماز باجماعت نہ پڑھ سکا تو میں نے اس کا ازالہ ۲۵ نوافل پڑھ کر کیا۔ پھر سوئے تو خواب میں سنتے ہیں کہ انھیں کہا جا رہا ہے اے محمد! تم نے ۲۵ نوافل تو پڑھ لیے لیکن "كيف لك بتأمين الملائكة؟"[3] "تمھیں فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے کا اجر کیسے ملے گا؟" روزانہ دو سو رکعت نفل ادا کرتے۔[4]

بشر بن الحسن البصری رحمہ اللہ ثقہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں، ان کا لقب الصفی تھا ابوبکر رحمہ اللہ بن صدقۃ فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ انھوں نے مسجد بصرہ میں پچاس سال صفِ اول میں نمازیں پڑھی ہیں۔[5]

امام عبید بن عمیر مکی رحمہ اللہ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے جب وہ وعظ و نصیحت کرتے تو ان کی مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے جاتے۔ امام عجلی رحمہ اللہ نے ان کا ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت بے حد خوبصورت تھی ایک روز اس نے شیشے میں اپنا خوبصورت چہرہ دیکھ کر خاوند سے کہا: کیا

---

[1] السير (٥/ ٢٤٠)
[2] السير (٨/ ٣٤)، التذكرة (١/ ٢١٩)
[3] تاريخ بغداد (٥/ ٣٤٣)، التهذيب (١١/ ٦٠١)، تهذيب للمزي (١٦/ ٣٣٢)
[4] أيضاً
[5] التهذيب (٢/ ٢٦٥)، المعجم الاوسط (رقم: ١٣٩٦)

خیال ہے کیا جو یہ چہرہ دیکھے گا وہ فتنہ میں مبتلا نہیں ہوگا؟ خاوند نے کہا: ہاں۔ عبید بن عمیر فتنہ میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ عورت نے کہا: مجھے اجازت دیں میں ان کا امتحان لیتی ہوں، خاوند نے اجازت دے دی۔

چنانچہ وہ ان کی خدمت میں فتویٰ پوچھنے کے بہانے حاضر ہوئی اور حرم پاک کے ایک طرف ان سے بات کی اور کہنے لگی میں آپ کی محبت میں گرفتار ہوں میرے بارے میں غور وفکر کرو۔ انھوں نے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر تم نے سچ سچ جواب دیا تو تیرے بارے میں غور کروں گا۔ اس نے کہا: آپ جو بھی پوچھیں گے میں آپ سے سچی بات کروں گی۔

انھوں نے فرمایا: بتلاؤ اگر ملک الموت تیری روح قبض کرنے کے لیے آئے تو کیا تمھیں پسند ہے کہ میں تیری حاجت پوری کروں؟ تو اس نے کہا: ہائے اللہ! بالکل نہیں، انھوں نے فرمایا: تم نے سچ کہا: پھر کہا کیا جب تمھیں تیری قبر میں رکھا جائے اور فرشتے تم سے سوال کرنے کے لیے تمھیں بٹھا دیں کیا تو پسند کرے گی کہ اس حال میں میں تیری ضرورت پوری کروں؟ اس نے کہا: ہائے اللہ بالکل نہیں، انھوں نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ پھر فرمایا: اچھا یہ بتاؤ جب لوگوں کو قیامت کے روز نامۂ اعمال دیا جائے گا تمھیں معلوم نہیں کہ تمھیں نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں میں، کیا تو چاہتی ہے کہ اس حالت میں میں تیری خواہش پوری کروں؟ اس نے کہا: ہائے اللہ! بالکل نہیں۔ انھوں نے فرمایا: تو نے سچ کہا: اسی طرح انھوں نے پل صراط پر سے گزرنے، وزن اعمال کے موقع پر اور اللہ تعالیٰ کے حضور سوال و جواب کے وقت یہی بات فرمائی کہ تم پسند کرتی ہو کہ ان مواقع پر میں تیری حاجت پوری کروں؟ تو اس نے کہا: بالکل نہیں تو انھوں نے فرمایا: تم نے سچ کہا: اے اللہ کی بندی اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ نے تجھے بہت سے انعامات واحسانات سے نواز رکھا ہے۔

وہ عورت اٹھی اور خاوند کے پاس پہنچی، اس نے کہا تم پر کیا گزری تو اس نے کہا: تم اور میں سب باطل پر ہیں وہ نماز، روزہ اور عبادت میں مصروف ہو گئی اس کا خاوند کہتا تھا عبید بن عمیر نے میری بیوی کو خراب کر دیا ہر شب شبِ عروس ہوتی تھی انھوں نے اسے راہبہ بنا دیا ہے۔[1]

امام علی بن حمشاد رحمہ اللہ کے بارے میں ابوبکر رحمہ اللہ بن اسحاق فرماتے ہیں میں سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہا ہوں میں نہیں جانتا ہے کہ کراماً کاتبین نے ان کی کوئی غلطی لکھی ہو۔[2]

امام یوسف بن یحییٰ البویطی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید ہیں۔ نہایت ذاکر و شاکر تھے، ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے ہونٹ ہمیشہ حرکت کرتے رہتے تھے۔ حکمرانوں نے خلقِ قرآن کی مخالفت میں ان سے یہ سلوک کیا کہ مصر سے عراق تک انھیں خچر پر بیٹھایا ان کی گردن میں زنجیریں، پاؤں بندھے ہوئے زنجیروں سے ایک اینٹ جس کا وزن چالیس رطل تھا۔ بندھی ہوئی اسی حالت میں قید خانہ میں وفات پائی کہ ان کے ہاتھ ان کی گردن سے زنجیروں سے بندھے ہوئے اور فرماتے تھے اللہ نے مخلوق کو ''کُنْ'' کہہ کر پیدا کیا اگر ''کُنْ''، مخلوق ہے تو مخلوق نے مخلوق کو پیدا کیا خالق کون ہے؟[3]

امام ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز وہ تیار ہو کے قید خانہ کے دروازے پر آجاتے تو داروغہ کہتا: واپس جاؤ تو وہ کہتے: اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے تیری دعوت دینے والے کی دعوت قبول کی مگر انھوں نے مجھے روک دیا ہے۔[4]

---

[1] الثقات للعجلی (ص: ٣٢٢)

[2] السیر (١٥ ٣٩٩)، المنتظم (٦ ٣٦٤)

[3] تاریخ بغداد (١٤ ٣٠٢)، وفیات (٧ ٦٢)، السیر (١٢ ٥٩) [4] تهذیب (١٤ ٩٤٨)

امام احمد بن اسماعیل قزوینی رحمہ اللہ کے بارے میں متعدد حضرات کا بیان ہے کہ ان کی زبان بھی ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھی۔[1]

امام ابوعثمان سعید بن اسماعیل الحیری رحمہ اللہ نے ایک رات ایک چادر اوپر اور ایک تہبند باندھ کے نماز پڑھائی، ابوعمرو رحمہ اللہ محمد بن ابی جعفر بن حمدان فرماتے ہیں کہ میں نے باپ سے عرض کی کہ کیا انھوں نے احرام باندھا ہوا ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھائی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ انھوں نے مجھ سے مستخرج علی مسلم کا سماع کیا ہے۔ یہ جب کسی سنت کو معلوم کرتے ہیں رات دن میں اس پر کسی نہ کسی وقت عمل کرتے ہیں، انھوں نے مجھ سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے دو چادروں میں نماز پڑھی تو انھوں نے پسند کیا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اس پر عمل ہو جائے۔[2]

امام ابوجعفر احمد بن حمدان نیساپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں **امام ابوعبداللہ المروزی** رحمہ اللہ کی مجلس میں تھا نماز ظہر کا وقت ہوا تو میں مسجد سے باہر وضو کے لیے نکلا تو انھوں نے فرمایا: میرا تیرے بارے میں یہ گمان نہ تھا، نماز کا وقت ہو اور تم بے وضو ہو۔[3]

انھوں نے صحیح مسلم پر مستخرج لکھا ہے جب وہ صحیح مسلم (۱۷۳۳) کی اس حدیث پر پہنچے: "محمد رحمہ اللہ بن عباد عن سفیان: یسرا ولا تعسرا" تو ان کے پاس کسی سند سے یہ روایت بواسطہ محمد بن عباد نہ تھی، انھیں بتلایا گیا کہ امام ابویعلی الموصلی رحمہ اللہ، محمد رحمہ اللہ بن حبان سے بیان کرتے ہیں تو وہ اس سند کے لیے نیساپور سے موصل امام ابویعلیٰ کے پاس گئے اور ان سے اس کا سماع کیا۔[4] اسی طرح بڑھاپے میں انھوں نے جرجان کا سفر عمران بن موسیٰ سے ایک حدیث کے سماع کے لیے کیا۔[5]

---

[1] التقیید لابن نقطه (۱/ ۱۳۷)

[2] السیر (۱٤/ ٦٣)، فتح المغیث للسخاوي (۳/ ۲۸۵)، آداب طالب الحدیث، الجامع للخطیب (۱/ ۱٤٥)

[3] الجامع (۱/ ۱٤۳)، فتح المغیث (۳/ ۲۸۵)

[4] السیر (۱٦/ ۳۰۰)

[5] أیضاً

ابو عصمة عاصم بن عصام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے امام احمد رحمہ اللہ کے ساتھ گزاری، انھوں نے پانی میرے پاس رکھ دیا نماز فجر کے وقت انھوں نے دیکھا کہ پانی تو بدستور پڑا ہے تو انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! طلب علم کے لیے آدمی نکلے اور رات میں وہ کوئی نفل نہ پڑھے۔[1]

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کا شمار ائمہ محدثین میں ہوتا ہے۔ نماز پڑھتے بھڑ ان کی پیشانی یا کان پر بیٹھ جاتی خون بہنے لگتا، مگر حرکت تک نہ کرتے۔ امام ابن الاخرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے نماز میں خشوع خضوع پر تعجب کرتے تھے۔ والیِ خراسان سالانہ ایک ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجتے، اتنا ہی ان کے بھائی اور اسی قدر اہلِ خراسان ان کی خدمت میں پیش کرتے، مگر وہ سارا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے، انھیں کہا گیا کہ کچھ تو اپنے نائب کے لیے رکھ لیتے تو فرمایا: سبحان اللہ میں مصر میں رہا ہوں اور سال بھر میں کھانے پینے، کپڑے، کاغذ اور سیاہی کا کل خرچ ۱۲ درہم ہوتا تھا۔[2]

علم وعمل میں اسوہ

یہی وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد علم وعمل میں امت کے لیے نمونہ تھے۔ وہ حضرات نہیں جن کے اقوال کو شطحیات کہہ کے دفاع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ بن سیرین جن کا شمار تابعین عظام میں ہوتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ ان سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے:

”کانوا یتعلمون الهدی كما یتعلمون العلم قال: وبعث ابن سیرین فنظر کیف هدی القاسم وحاله“[3]

کبار تابعین عظام زندگی گزارنے کا طریقہ سلیقہ سیکھتے تھے جیسے وہ علم سیکھتے

---

[1] الجامع (۱/ ۱۴۳)، السیر (۱۱/ ۲۹۸)، فتح المغیث (۳/ ۲۸۴)

[2] السیر (۱۴/ ۳۶، ۳۷)

[3] جامع للخطیب (۱/ ۷۹، رقم: ۹)

تھے، امام ابن سیرین نے (اپنے تلامذہ کو) بھیجا کہ وہ دیکھیں امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ کا طریقہ اور احوال معلوم کریں۔ امام قاسم رحمہ اللہ نے اپنی پھوپھی جان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی اور ان سے تفقہ حاصل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے فیض یاب ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے فقہائے سبعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک صاحب نے ان سے پوچھا آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ؟ تو انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ہر ایک کو اس بارے میں جو علم ہوگا وہ بتلا دے گا۔ اس نے دوسری بار یہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! آپ سالم کے پاس جائیں ان سے پوچھ لیں۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں انھوں نے یہ پسند نہ کیا کہ میں کہوں کہ میں سالم رحمہ اللہ سے زیادہ عالم ہوں، اور یہ بھی نہ فرمایا کہ سالم رحمہ اللہ مجھ سے زیادہ عالم ہیں اور یوں یہ جھوٹ ہوتا۔ قاسم رحمہ اللہ، سالم رحمہ اللہ سے بڑے عالم تھے۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ ایک سال حج نہ کر سکے تو انھوں نے حج کے لیے جانے والوں سے فرمایا: کہ حج میں امام قاسم رحمہ اللہ کا طریقہ ان کا لباس ان کا اٹھنا بیٹھنا دیکھتے رہنا اور مجھے بتلانا، چنانچہ انھوں نے واپس آ کے بتلایا تو وہ ان کی اقتدا کرتے تھے۔[1]

حبیب بن الشہید الازدی رحمہ اللہ اپنے فرزند ارجمند ابراہیم رحمہ اللہ سے فرماتے:

”یا بني إیت الفقهاء والعلماء، وتعلم منهم، وخذ من أدبهم وأخلاقهم وهديهم، فإن ذلك أحب إلي من كثير من الحديث“[2]

”اے میرے بیٹے! فقہاء اور علماء کے پاس جاؤ ان سے علم حاصل کرو،

---

[1] السیر (٥/ ٥٦، ٥٧)، تهذیب (١٠/ ٧٣٩)

[2] جامع للخطیب (١/ ٨٠)

اور ان سے ان کا ادب، ان کا اخلاق اور طریقۂ زندگی سیکھو، یہ میرے نزدیک بکثرت احادیث جاننے سے زیادہ محبوب ہے۔''

اندازہ کیجیے کہ باکثرت احادیث معلوم کرنے سے مشائخ سے ادب و اخلاق کا جاننا، ان کے نزدیک کتنا محبوب تھا۔

یہی بات خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے امام مخلد بن الحسین رحمہ اللہ سے نقل کی ہے کہ انھوں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے فرمایا کہ ہمیں زیادہ احادیث کی نسبت زیادہ ادب سیکھنے کی ضرورت ہے۔ امام مخلد رحمہ اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے عقل مند، ثقہ اور صالح انسان تھے۔

امام حاکم رحمہ اللہ اپنے شیخ امام ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن عبداللہ العنبری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''علم بلا أدب كنار بلا حطب، وأدب بلا علم كروح بلا جسم''[1]

علم بغیر ادب کے ایسے ہے جیسے بغیر لکڑیوں کے آگ ہے (کہ وہ کب تک جلے گی) اور ادب بغیر علم کے ایسے ہے جیسے روح جسم کے بغیر ہو۔''

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے:

''كان الناس يكتبون قيامه وقعوده ولباسه، وكل شئ يقول ويفعل''[2]

''لوگ ان کا اٹھنا، ان کا بیٹھنا، ان کا لباس اور جو وہ فرماتے اور کرتے تھے سب لکھتے ہیں۔''

الحسین بن اسماعیل اپنے باپ سے ذکر کرتے ہیں کہ **امام احمد** کی مجلس میں

---

[1] جامع للخطيب أدب الاملاء (ص: ۲)

[2] تاريخ بغداد (۱۱ ٤٦٢)، السير

احادیث لکھنے والوں کی تعداد تقریباً پانچ ہزار پانچ سو تھی۔ اس کے علاوہ دیگر حضراتِ ان سے ادب و اخلاق سیکھنے والے تھے۔ ابوبکر بن المطوعی رحمہ اللہ کا فرماتے ہیں، میرا امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں بارہ سال آنا جانا رہا وہ المسند اپنی اولاد پر پڑھتے تھے مگر میں نے ان سے ایک حدیث بھی نہیں لکھی میں صرف ان کا طریقہ و عمل اور اخلاق سیکھتا تھا۔[1]

عباس بن عبدالعظیم العنبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں تھا کہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ اپنی سواری پر سوار ہو کے انھیں ملنے کے لیے تشریف لائے، مسئلہ الشہادہ کے بارے میں بات چلی تو گفتگو میں دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، حتی کہ مجھے خوف ہوا کہیں یہ مناظرہ دونوں کے مابین جفاء کا باعث نہ بن جائے۔ امام احمد الشہادۃ (یعنی جنت کی گواہی کے قائل تھے جب کہ امام علی رحمہ اللہ انکار کرتے تھے۔

جب امام علی رحمہ اللہ جانے لگے تو امام احمد نے آگے بڑھ کے ان کی سواری کا رکاب پکڑ لیا۔[2]

یونس الصدفی فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے بڑا عقل مند کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک دن ایک مسئلہ میں میرا ان سے مناظرہ ہوا، جب ہم مجلس مناظرہ سے جانے لگے تو وہ مجھے ملے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے ابوموسیٰ!

"ألا يستقيم ان نكون إخوانا وإن لم نتفق في مسئلة"[3]

''کیا یہ درست نہیں کہ ہم بھائی بھائی بنے رہیں، اگرچہ ہم اس مسئلہ میں متفق نہیں ہیں۔''

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی کمال عقل کی دلیل ہے، ورنہ مناظرہ کرنے والے ایک دوسرے سے اختلاف ہی کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ

---

[1] السیر (١١ ٣١٦) [2] جامع لابن عبد البر (٢ ١٠٧)

[3] السیر (١٠ ١٦)

ابتدائی زندگی میں ساتھیوں سے ہنسی مذاق کر لیتے تھے، فرماتے ہیں جب مدینہ طیبہ امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے رعب اور علمی جلالت کی وجہ سے میں اس قدر مرغوب ہوا کہ ان کی مجلس میں ورق بڑی آہستگی سے پلٹتا کہ کہیں وہ ورق پلٹنے کی آواز نہ سن لیں۔ [1]

حسین بن منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں، امام یحییٰ رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ ایک مریض کی عیادت کے لیے گئے، جب اس کے دروازے پر پہنچے تو امام اسحاق رحمہ اللہ پیچھے ہو گئے اور امام یحییٰ رحمہ اللہ سے کہا: آگے چلیں، مگر امام یحییٰ رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں آپ آگے چلیں، مگر امام اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ مجھ سے بڑے ہیں، امام یحییٰ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں میں آپ سے عمر میں بڑا ہوں مگر علم میں آپ بڑے ہیں، چنانچہ امام اسحاق رحمہ اللہ آگے چلے۔ [2]

امام ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب لوگ کسی سے حدیث کا سماع کرتے تو وہ اس کی نماز، اس کا نمایاں طرزِ عمل اور اس کی شکل وصورت کو دیکھتے پھر اس سے حدیث لیتے، امام اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگ اپنے مشائخ سے ہر چیز سیکھتے تھے، حتی کہ ان کا لباس اور ان کے جوتوں کے بارے میں بھی (کہ وہ کیسا ہے اور کیسے پہنتے ہیں)۔

امام ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو ادب سے لاپرواہی کرتا ہے اسے سنن سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے اور جو سنن سے بے پروائی کرتا ہے اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملتی ہے اور جو فرائض سے لاپرواہی کرتا ہے اسے معرفت سے محرومی کی سزا ملتی ہے۔ [3]

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے

---

[1] مناقب الشافعي (٢ ١٤٤)
[2] ادب الاملاء (ص: ١٢٠)
[3] ذم الكلام (١٠٢٢)

ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: بصرہ جا رہا ہوں، عرض کی کہ وہاں کون ہیں؟ فرمایا: عبداللہ بن عون ہیں۔ میں ان سے ان کے اخلاق و آداب سیکھوں گا۔ (آگے بڑھنے سے پہلے ذرا دیکھیں امام عبداللہ بن عون رحمہ اللہ وہ ہیں جن کے بارے میں خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس چوبیس سال رہا ہوں (بعض روایات میں ہے ۲۰ سال اور بعض میں ۱۲ سال ہے) میں نہیں جانتا کہ فرشتوں نے اس کا کوئی گناہ لکھا ہو۔ مجلس میں بیٹھتے تو خاموش رہتے اور فرماتے لوگوں کا ذکر بیماری اور اللہ کا ذکر دوا ہے۔ بلال ابن ابی بردہ کے جور و ظلم پر مجلس میں ساتھی ان پر لعن طعن کر رہے تھے، ان سے اس بارے میں کہا گیا تو فرمایا: دو قسم کے بول ہیں جو میرے نامۂ اعمال میں نکلیں گے: ایک لا إلہ إلا اللہ اور دوسرا یہ کہ اس نے فلاں پر لعنت کی۔ قرآن مجید کی روزانہ ایک منزل تلاوت فرماتے، ہمیشہ صوم داودی رکھتے۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو بیس سال سے اس کوشش میں ہے کہ میں ایک دن اس طرح گزاروں جیسے امام عبداللہ بن عون زندگی گزارتے ہیں۔

ایک روز والدہ نے آواز دی تو ان کے جواب میں ان کی آواز والدہ کی آواز سے اونچی ہوگئی تو اس پر انھوں نے دو غلام آزاد کیے، اللہ کی راہ میں رومیوں کے مقابلے میں جہاد کرتے، ان کے پاس ان کی محبوب اونٹنی تھی جس پر بیٹھ کر حج اور جہاد کے لیے جاتے، ایک روز غلام سے کہا: اسے پانی پلاؤ تو اس نے اس کے چہرے پر مارا تو اونٹنی کی آنکھ ضائع ہوگئی لوگوں نے کہا: آج ابن عون رحمہ اللہ کا پتا چلے گا۔ غلام اونٹنی واپس لے کر آیا اونٹنی کی آنکھ دیکھی تو فرمایا: کیا چہرے کے علاوہ مارنے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں تھی، جاؤ چلے جاؤ اور فرمایا: گواہ رہو میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے۔ امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اپنی آنکھوں سے ابن عون رحمہ اللہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ [1]

---

[1] السیر (٦/ ٣٦٤۔ ٣٧٥)

امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم آدمی کے پاس محض علم کے لیے نہیں بلکہ اس لیے جاتے ہیں کہ اس سے زندگی گزارنے کا طریقہ سلیقہ اور راہنمائی حاصل کریں۔ امام یحیٰ رحمہ اللہ بن سعید القطان فرماتے ہیں: ہمارے مشائخ کسی کے پاس علم سماع کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ دیکھنے کے لیے کہ ان کی زندگی کا طریقہ سلیقہ کیا ہے۔ امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے بیٹے سے سنا فرماتے تھے کہ میں نے اپنے والد کی کتابوں میں چھ اجزا پر مشتمل امام احمد رحمہ اللہ کے اقوال اور اخلاق لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔ امام عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی طرح مشائخ کے اخلاق و عادات لکھتے تھے۔[1]

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا میں چاہتا ہوں کہ مکہ مکرمہ کا سفر آپ کے ہمراہ کروں مگر مجھے ڈر آتا ہے کہ میں آپ کو پریشان نہ کردوں یا میں خود پریشان ہو جاؤں جب میں نے انھیں الوداع کہا: تو عرض کی: مجھے کوئی نصیحت کریں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: "الزم التقویٰ قلبك، واجعل الآخرة امامك" کہ تقویٰ کو اپنے دل میں لازم کرلو اور آخرت کو اپنے سامنے رکھو۔[1]

امام شیخ الاسلام ابوبکر احمد بن اسحاق الصبغی نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے امام مالک رحمہ اللہ نے لیا، امام مالک رحمہ اللہ سے یحیٰ بن یحیٰ التیمی نے لیا، ان سے امام محمد بن نصر المروزی نے لیا اور ان سے امام ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الثقفی نے لیا۔[3]

یہی بات کچھ تفصیل ہے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے کہ امام ابوبکر ابن اسحاق جب امام ابوعلی الثقفی کی عقل کا ذکر کرتے تو

---

(1) الأدب الشرعية (١/٥٩٤)، لشمس الدين المقدسی رحمہ اللہ ط جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت

(2) أیضا (١/٦٣٩) (3) السیر (١٥/٢٨١)

فرماتے ہیں: ان کی عقل صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ماخوذ ہے یہ اس لیے کہ انھوں نے سمرقند میں چار سال امام محمد رحمہ اللہ بن نصر المروزی سے شمائل و خصائل سیکھے، اور امام مروزی نے کئی سال امام یحییٰ رحمہ اللہ بن یحییٰ نیساپوری کی خدمت میں رہ کر عقل اور شمائل سیکھے۔ اور خراسان میں ان سے بڑا عقل مند کوئی نہ تھا۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ نے یہ شمائل امام مالک رحمہ اللہ کے پاس سماع سے فارغ ہونے کے بعد سال بھر گزار کر سیکھے اور انھوں نے یہ عقل اور شمائل تابعین رضی اللہ عنہم سے حاصل کیے اور امام مالک رحمہ اللہ کے دور میں سب کا اتفاق ہے کہ ان سے بڑا صاحبِ عقل اور کوئی نہ تھا۔[1]

امام عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مالک رحمہ اللہ سے علم سے زیادہ ادب سیکھا ہے۔[2] قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ہی ذکر کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میری والدہ میرے سر پر پگڑی باندھتی اور فرماتی:

"إذهب إلى ربيعة فتعلم من أدبه قبل علمه"[3]

"امام ربیعہ رحمہ اللہ کے پاس جاؤ تو علم سے پہلے ان سے ادب و آداب سیکھو۔"

امام علقمہ رحمہ اللہ بن قیس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انھی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، حتی کہ رباح ابو المثنی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تم علقمہ رحمہ اللہ کو دیکھ لو پھر اگر تم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھ سکے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ علقمہ سب سے زیادہ ان کے خصائل و عادات میں مشابہت رکھتے تھے، پھر اگر تم ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو دیکھ لو، اگر تم علقمہ رحمہ اللہ کو نہ دیکھ سکو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ ابراہیم رحمہ اللہ سب سے زیادہ علقمہ رحمہ اللہ کے پرتو اور ابراہیم کا پرتو امام منصور رحمہ اللہ، اور منصور رحمہ اللہ کے پرتو سفیان ثوری رحمہ اللہ تھے۔[4] اور سفیان رحمہ اللہ کے امام وکیع پرتو

---

[1] ترتيب المدارك (١/ ١١٧)، السير (١٤/ ٣٥)

[2] أيضاً، جامع بيان العلم (١/ ١٢٧) [3] أيضاً [4] السير (٤/ ٥٥)

تھے۔ امام وکیع رحمہ اللہ کے پر تو امام احمد رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ پر تو امام ابو داود السجستانی تھے۔[1] مگر امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن اسلم کندی طوسی رحمہ اللہ، امام وکیع رحمہ اللہ سے زہد، ورعہ اور اتباع سنت میں بڑھے ہوئے تھے۔ محمد بن قاسم فرماتے ہیں کہ مجھے امام احمد بن نصر رحمہ اللہ نے خط لکھا کہ امام محمد بن اسلم کے حالات لکھ کر مجھے بھیج دو، کیونکہ وہ اسلام کے رکن تھے۔[2] محمد بن رافع فرماتے ہیں: میں تو انھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا سمجھتا ہوں۔[3]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ڈھال، میانہ روی، اچھی عادات و اخلاق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مشابہ تھے۔[4] کیوں نہ ہوتے جب کہ وہی صاحب النعلین والسواك والوساوة تھے، اور ان کے تلامذہ ان سے یہ سب کچھ سیکھتے تھے، انھوں نے ہی فرمایا ہے:

"اعلموا أن حسن الهدى في آخر الزمان خير من بعض العمل"[5]

خوب جان لو کہ آخری زمانے میں اچھے طریقے کا اہتمام بعض نیک اعمال سے بہتر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ایسی بات محض رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات و اخلاق اور طور طریقے میں رنگے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔[6]

امام لیث بن سعد رحمہ اللہ اصحاب الحدیث سے فرماتے تھے:

"تعلموا الحلم قبل العلم"[7] "علم سے پہلے حلم سیکھو۔"

---

[1] السير (١٢ ١٩٦، ١٣ ٢١٦)
[2] السير (١٢ ١٩٨)
[3] السير (١٢ ١٩٦)
[4] صحيح البخاري (٦٠٩٧)
[5] الادب المفرد، فتح الباري (١٠ ٥٠١)
[6] تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري (١٠ ٥١٠، ٥١١)
[7] جامع بيان العلم (١ ١٢٧)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے علماء کے واقعات وقصص اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا مجھے بہت سی فقہ سے زیادہ محبوب ہے۔ ''لأنها آداب القوم واخلاقهم'' کیوں یہ آداب واخلاق پر مشتمل ہوتی ہیں۔[1]

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مسروق بن الاجدع رحمہ اللہ کے پاس ان سے ان کا طریقہ عمل اور اسلوب زندگی سیکھنے کے لیے جاتے تھے۔[2]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد! یوں نہ کریں، تو انھوں نے فرمایا: ہمیں علماء اور اپنے سے بڑوں سے اسی طرح حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا: ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہے۔[3]

حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کا جنازہ پڑھانے کے لیے آئے تھے، جنازے کے بعد واپسی پر کسی نے گھوڑا پیش کیا کہ اس پر سوار ہو کر تشریف لے جائیں اسی روز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رکاب کو تھاما تھا۔ جامع لابن عبدالبر[4] خطیب بغدادی نے الجامع میں اس نوعیت کے شیخ اور شاگرد سے متعلقہ آداب ذکر کیے ہیں۔[5]

امام ابوعبداللہ رحمہ اللہ **محمد بن ابراہیم البوشنجی العبدی** کے بارے میں شیخ ابوزکریا العنبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ۲۸۹ھ میں شیخ حسین بن محمد القبانی رحمہ اللہ کے

---

[1] أیضاً، اعلان بالتوبیخ [2] جامع لابن عبد البر (۱ ۱۲۷)

[3] تاریخ دمشق (۱۹ ۳۲۶)، المعرفة والتاريخ (۱ ٤٨٤)، طبراني (٥ ١١٣، ٤٧٤٦)، الجامع للخطیب (رقم: ۳۰۷، ۳۰۸)، الفقیه والمتفقه (ص: ٥١٩، رقم: ٨٥٤)

[4] جامع لابن عبد البر (۱ ۱۲۸)

[5] **نیز دیکھیں:** الجامع لابن عبد البر (۱۲۵/۱، ۱۳۱) **اور امام بدر الدین ابن جماعۃ کی** تذکرة السامع والمتكلم فی أدب العالم والمتعلم، **حافظ ابن قیم کی** المدارج السالکین (۳۹۳/۲-٤١١)

جنازہ میں تھا۔ نمازِ جنازہ امام ابو عبداللہ رحمہ اللہ نے پڑھائی واپس ہوئے تو میں نے انھیں سواری پیش کی، امام ابو عمرو الخفاف رحمہ اللہ نے سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے رکاب تھامی ہوئی تھی اور امام الجارودی رحمہ اللہ اور ابراہیم رحمہ اللہ بن ابی طالب سواری کے کپڑے برابر کر رہے تھے اور چپ چاپ جا رہے تھے کوئی بھی بات نہیں کر رہا تھا۔[1]

اب یہ بھی دیکھیں کہ جس روز امام ابو عبداللہ البوشنجی رحمہ اللہ فوت ہوئے ان کی نمازِ جنازہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے پڑھائی، ان سے کسی نے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: جب تک انھیں لحد میں نہ اتار دیا جائے میں فتویٰ نہیں دوں گا۔[2] یہی امام عبداللہ فرمایا کرتے تھے جو علم اور فقہ بغیر ادب کے حاصل کرتا ہے وہ بے شک اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے کی جسارت کرتا۔[3]

امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ المروزی رحمہ اللہ العبدان حج کے لیے نکلے نیساپور پہنچے تو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے پاس جو فتوے آتے وہ امام عبدان رحمہ اللہ کے پاس بھیج دیتے اور فرماتے: جب تک شہر میں میرے استاد ہیں میں فتویٰ نہیں دوں گا۔[4]

امام ابو عبید قاسم بن سلاّم رحمہ اللہ اپنے شیوخ کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ ان کے دروازے پر حاضر ہو کر دستک دے کر یا سلام کر کے اندر آنے کی اجازت طلب نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کا انتظار کرتے اور صبر کا مظاہرہ کرتے اور فرماتے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا لحاظ کرتا ہوں: ﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ [الحجرات: ٥][5] ''اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان

---

(1) المعرفة للحاكم (ص: ٧٩)، تهذيب (١١ ٢٤١)

(2) تهذيب (١١ ٢٤٢) (3) ايضاً، السير (١٣ ٥٨٦) (4) الانساب (٤ ١٢٩)

(5) سوالات السلمي للدارقطني (ص: ٢٦٩)، المدخل للبيهقي (٢ ٨١٢)

کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔“

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں امام عروہ رحمہ اللہ کے دروازے پر آتا وہاں بیٹھ جاتا ان کے اکرام میں گھر میں داخل نہ ہوتا اور واپس آجاتا۔

ایک بار امام ابو یعقوب اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ اور امام یحییٰ رحمہ اللہ بن یحییٰ بن بکر تیمی (جو امام اسحاق اور امام بخاری وغیرہما کے استاد تھے) اکٹھے نیساپور کے بازار میں جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ لوگ اس قدر تھے کہ بازار تنگ پڑ گیا تو امام یحییٰ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”تقدم يا أبا يعقوب“ اے ابو یعقوب آگے چلیں، آگے ہو لیں تو انھوں نے فرمایا: ”لو لا ان مخالفتك عندي أعظم من تقدمي، ما تقدمت“ اگر میرے آگے چلنے سے آپ کے حکم کی مخالفت میرے نزدیک بہت بھاری بات نہ ہوتی، تو میں آگے نہ چلتا۔ یعنی بس آپ کے حکم کی تعمیل میں آگے چلتا ہوں، کیونکہ آپ کے حکم کی مخالفت ممکن نہیں۔ یہ ہے مشایخ کا ادب واحترام، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا خراسان میں امام یحییٰ رحمہ اللہ کے بعد ان جیسے صرف امام اسحاق رحمہ اللہ ہیں، ان کے بعد محمد الذہلی رحمہ اللہ ہیں، ان کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ ہیں، ان کے بعد محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ ہیں ان کے بعد امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ ہیں۔ ان کے بعد ابو حامد ابن الشرقی رحمہ اللہ ہیں اور ان کے بعد ابو بکر الصبغی رحمہ اللہ ہیں۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ بیماری کی وجہ سے لیٹے ہوئے تھے کہ امام ابراہیم بن طہمان ہروی کا ذکر ہوا تو امام احمد رحمہ اللہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: صلحاء کا ذکر ہو تو لیٹنا درست نہیں۔[2]

امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے امام ابن عیینہ رحمہ اللہ کی موجودگی میں مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ہمیں منع کیا گیا ہے کہ اکابر کی موجودگی میں کلام کریں۔[3]

---

[1] السیر (١٠ ٥١٩)
[2] التذکرة (١ ٢١٣) وغیرہ
[3] السیر (٩ ٤٢٠)

ابو عبداللہ المصیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوبکر رحمہ اللہ بن عیاش مکہ مکرمہ میں تھے کہ امام ابن عیینہ رحمہ اللہ ان کے ہاں تشریف لائے تو ابوبکر رحمہ اللہ نے ان کا اور ان کے اہل و عیال کا حال پوچھا، اسی دوران میں ایک صاحب نے امام ابن عیینہ رحمہ اللہ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: جب تک یہ شیخ تشریف فرما ہیں مجھ سے نہ پوچھو۔[1]

حسن رحمہ اللہ بن علی خلال فرماتے ہیں ہم امام معتمر رحمہ اللہ بن سلیمان سے احادیث کا سماع کر رہے تھے کہ امام عبداللہ رحمہ اللہ بن مبارک تشریف لے آئے تو امام معتمر رحمہ اللہ خاموش ہو گئے، انھیں کہا گیا کہ ہمیں حدیث بیان کریں تو انھوں نے فرمایا: "إنا لا نتكلم عند كبرائنا" "ہم اپنے بڑوں کے ہوتے ہوئے بات نہیں کرتے۔"[2]

سلمۃ رحمہ اللہ بن کھیل فرماتے ہیں: جب امام شعبی رحمہ اللہ اور امام ابراہیم رحمہ اللہ اکٹھے ہوتے تو امام ابراہیم رحمہ اللہ، امام شعبی رحمہ اللہ کے بڑا ہونے کی وجہ کلام نہیں کرتے تھے، کیونکہ امام شعبی رحمہ اللہ ان سے ۲۶ سال بڑے تھے۔ یہ اور اسی نوعیت کے اور بھی واقعات خطیب بغدادی نے الجامع میں اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فتح المغیث[3] میں ذکر کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اور ہمارے اسلاف کے ہاں اکابر کی کیا قدر و منزلت تھی۔

محدثین کرام کی دیانت و امانت

عبادت وللّٰہیت اور اخلاص کے علاوہ ان کی دیانت و امانت اور پاک دامنی اور بشری آلودگیوں سے پاک وصاف زندگی کا بھی سب نے اعتراف کیا اور انھیں دادِ تحسین پیش کی۔ امام عفان رحمہ اللہ بن مسلم الصغار بصری جو امام احمد رحمہ اللہ امام علی بن المدینی،

---

[1] جامع للخطیب (۱/ ۳۲۹)　[2] الجامع للخطیب (۱/ ۳۲۱)

[3] فتح المغیث (۳/ ۲۴۰)

امام ابن معین، امام اسحاق، امام بخاری، امام ابو حاتم، امام الذہلی اور امام ابوزرعہ رحمہم اللہ جیسے اساطین کے استاد تھے۔ امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ قاضی معاذ رحمہ اللہ بن معاذ نے انھیں دس ہزار دینار دیے کہ فلاں آدمی کے بارے میں خاموش رہیں نہ اسے عادل قرار دیں اور نہ یہ کہیں کہ یہ عادل نہیں ہے تو انھوں نے یہ دس ہزار دینار لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں کسی کا حق نہیں ماروں گا، یعنی جو جس درجہ وحیثیت کا ہے، اس کا اظہار کروں گا۔ [1]

امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام عفان رحمہ اللہ نصف النہار کے وقت میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا کچھ کھانے کو ہے؟ میرے گھر میں نہ روٹی تھی نہ آٹا، اور نہ کوئی پیسہ دھیلہ کہ کچھ خرید لیں، البتہ جَو کا کچھ آٹا تھا تو انھوں نے فرمایا: وہی لے آؤ تو میں جو کا آٹا لے گیا تو انھوں نے اسے خوب سیر ہو کے کھایا، پھر فرمایا: کیا تمھیں عجیب بات نہ بتلاؤں، فلاں فلاں آدمی قاضی معاذ رحمہ اللہ بن معاذ کے پاس بطور گواہ پیش ہوئے اور گواہ لانے والا چار ہزار دینار بھی لے کر آیا، قاضی نے مجھے کہا کہ ان دنوں کا جائزہ لیجیے، چار ہزار دینار لانے والا میرے پاس آیا، اگر آپ ان دنوں کی تعدیل کر دیں تو آپ کو دو ہزار دینار دوں گا، میں نے کہا: مجھے تو تم سے حیا آتی ہے اور گواہوں کی حیثیت ہمارے نزدیک پوشیدہ نہیں ہے۔ [2]

امام عفان رحمہ اللہ کثیر العیال تھے، گھر میں چالیس افراد رہتے تھے اور ان کی زندگی بے حد مسکنت میں گزر رہی تھی، ان کی عظمت کی بنا پر خلیفہ مامون رحمہ اللہ نے پانچ سو درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ مامون نے جب محدثین کرام کو قرآن مجید کے مخلوق ہونے پر مجبور کیا تو اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ امام عفان رحمہ اللہ کے

---

[1] الثقات للعجلي (ص: ٣٣٦)، التهذيب للمزي (١٣/ ١٠١)

[2] تاريخ بغداد (١٢/ ٢٧٠)، التهذيب للمزي (١٣/ ١٠٢)

پاس جاؤ اور ان سے اس مسئلے کے بارے میں رائے لو، اگر وہ ہماری بات تسلیم کر لیں فبہا، ورنہ ان کا ماہانہ وظیفہ بند کر دو۔ چنانچہ جب انھیں یہ بات کہی گئی تو انھوں نے سورۂ اَحَد تلاوت کی اور فرمایا یہ کیا مخلوق ہے؟ تو انھیں کہا گیا کہ امیر المومنین نے کہا ہے کہ اگر وہ ہمارا موقف تسلیم نہ کریں تو ان کا وظیفہ بند کر دو تو انھوں نے فرمایا: ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾ [الذاريات: ٢٢] ''اور تمھارا رزق آسمان میں ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''[1]

لغتِ عرب کے امام ابو غالب، تمام بن غالب قرطبی رحمہ اللہ نے لغت کی ایک کتاب ''تلقیح العین'' لکھی تو امیر مجاہد نے ایک ہزار دینار کی پیش کش کی کہ اس کتاب میں یہ لکھ دیں کہ یہ کتاب ابو غالب نے ابو الجیش مجاہد کے لیے لکھی ہے، مگر انھوں نے یہ پیش کش قبول نہ کی اور فرمایا: اگر ساری دنیا بھی دی جائے تو میں ایسا نہیں کروں گا اور نہ جھوٹ کی اجازت دوں گا۔ میں نے یہ کتاب اسی کے لیے نہیں، بلکہ تمام لوگوں کے لیے لکھی ہے۔[2]

امام ابراہیم الحربی کے پاس خلیفہ المعتضد نے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے اپنے معتمد کو بھیجا اور ساتھ دس ہزار درہم بھی بھجوائے کہ انھیں تقسیم کر دیں تو انھوں نے یہ دراہم لینے سے انکار کر دیا۔ معتمد واپس چلا گیا مگر کچھ دیر بعد پھر آیا اور کہا کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ انھیں اپنے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیں تو انھوں نے فرمایا: اللہ تمھیں معاف فرمائے، ہم نے یہ مال اپنے لیے جمع نہیں کیا تو ہم اس کو تقسیم کرنے کے بھی روادار نہیں ہیں، امیر المومنین سے کہیں کہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں، ورنہ ہم آپ کے پڑوس سے کہیں اور جگہ جا بسیں گے۔[3]

---

[1] تاريخ بغداد (١٢ ٢٧١)، التهذيب للمزي (١٣ ١٠٣)، السير (١٠ ٢٤٤)

[2] الصلة لابن بشكوال (١ ١٤٧)، السير (١٧ ٥٨٥)، وفيات (١ ٣٠٠) وغيره

[3] تاريخ بغداد (٦ ٣٢)، التقييد لابن نقطة (١ ١٤٦)

ابو طاہر برکہ بن حسان فرماتے ہیں کہ میری **ابو الحسن علی بن محمد المغازلی** سے اس بارے میں گفتگو ہوئی کہ امام مالک رحمہ اللہ افضل ہیں یا امام شافعی رحمہ اللہ ؟ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو افضل قرار دیا اور انھوں نے امام مالک رحمہ اللہ کو اور وہ مالکی اور میں شافعی تھا۔ ہم نے امام ابو مسلم عمر بن علی لیثی (المتوفی: ۴۶۶) کو فیصل تسلیم کیا تو انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو افضل قرار دیا جس پر شیخ المغازلی رحمہ اللہ ناراض ہو گئے اور کہا: شاید آپ شافعی رحمہ اللہ ہونے کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہیں۔ شیخ ابو مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا:

”نحن أصحاب الحديث الناس على مذاهبنا، ولسنا على مذهب أحد، ولو كنا ننتسب إلى مذهب أحد لقيل: أنتم تضعون له الحديث“[1]

”ہم اہلِ حدیث ہیں، لوگ ہمارے مذہب پر ہیں اور ہم کسی کے مذہب پر نہیں اور اگر ہم کسی کے مذہب کی طرف منسوب ہوں تو کہا جائے گا: تم اس کی حمایت میں حدیث وضع کرتے ہو۔“

حضرات محدثین رحمہم اللہ بہرحال انسان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں انسانوں کی عمومی کمزوریوں سے محفوظ رکھا تھا، جیسا کہ پہلے بھی بعض حضرات کے ذکر میں نقل ہوا ہے۔ جھوٹ کے بارے میں ان کی نفرت کا یہ حال ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ سے ہشام بن عبدالملک نے پوچھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ افک کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ [النور: ١١]

”اور ان میں سے جو اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار بنا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

---

[1] تاريخ الإسلام (ص: ٢٠٩، ٩١٠)، وفيات (٤٦١، ٤٧٠)، سؤالات الحافظ السلفي (ص: ١١٨)

سے کون مراد ہے تو انھوں نے فرمایا: اس کا مصداق عبداللہ بن اُبی ہے تو ہشام نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو، اس کا مصداق علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ نے بے حد غصے میں فرمایا: میں جھوٹ بولتا ہوں:

"فو الله لو نادانی مناد من السماء أن الله أحل الكذب ما كذبت"[1]

"اللہ کی قسم! اگر مجھے آسمان سے آواز دینے والا آواز دے کہ اللہ نے جھوٹ کو حلال قرار دیا ہے تو میں پھر بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

امام احمد رحمہ اللہ بن عمرو بن ابی عاصم محدث ابن محدث تھے۔ اصبہان کے تیرہ سال قاضی رہے، انھیں حکومت کی طرف سے چار لاکھ درہم سے زائد ملتے تھے، فرماتے ہیں: نہ میں نے تنخواہ سے کوئی لقمہ کھایا نہ پیا اور نہ لباس بنایا۔ گویا سب فقرا و مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور فرماتے: امید ہے اس کا اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب نہیں لیں گے۔ ان کی تصانیف میں ایک "المسند الکبیر" ہے جو تقریباً پچاس ہزار احادیث پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ چار درجن کے قریب انھوں نے تصانیف مرتب کیں جن میں "الآحاد والمثانی"، "الاوائل" اور "السنۃ" زیورِ طبع سے آراستہ ہیں۔

امام داود الظاہری رحمہ اللہ کی تردید میں ایک کتاب لکھی جس میں چالیس صحیح احادیث لکھیں جن کی امام داود رحمہ اللہ نے نفی کی تھی۔

بصرہ میں جب علویوں کی یورش پھیلی تو ان کی سب کتابیں ہنگامے کی نذر ہو گئیں، فرماتے ہیں: میں نے دوبارہ پچاس ہزار احادیث زبانی لکھیں، میں ایک بقالے کی دکان پر دکان کے چراغ کی روشنی میں لکھتا تھا، پھر میں نے سوچا کہ میں نے دکان دار سے تو اس چراغ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں لی تھی تو میں نے

---

[1] السیر (٥ ٣٣٩)، تاریخ دمشق (٥٥ ٣٧١)

دریا کے پانی سے سب کو دھو ڈالا اور ازسرِنو وہ احادیث لکھیں۔ [1]

قلیل الطعام کا یہ حال تھا کہ کوفہ سے مکہ مکرمہ حاضری دی تو کوفہ سے کھانا کھا کے چلے، پھر مکہ مکرمہ ہی میں جا کے کھایا، راستے میں کوئی چیز نہیں کھائی۔ [2]

اسی نوعیت کا ایک واقعہ امام عبد العظیم المنذری رحمہ اللہ صاحب الترغیب والترہیب کا ہے۔ حافظ الدمیاطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام منذری الحمام سے نکلے تو چل نہ سکے، دکان کی ایک جانب راستے پر ہی بیٹھ گئے۔ حافظ الدمیاطی رحمہ اللہ نے کہا: یا سیدی! دکان بند ہے، کیا میں آپ کو دکان کے چبوترے پر نہ بٹھا دوں؟ تو انھوں نے شدید کمزوری کے باوصف فرمایا: ''بغیر اذن صاحبه'' ''یہ دکان دار کی اجازت کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے؟ چبوترے پر بیٹھنے کے لیے راضی نہ ہوئے۔ [3]

امام ہارون رحمہ اللہ بن عبداللہ الحمال کثرتِ علم کی وجہ سے ان کا لقب ''الحمَّال'' ہوا، یہ بھی کہا گیا ہے اگرچہ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے مگر اپنے زہد کی وجہ سے جو کچھ کماتے تھے، اس سے گزر اوقات نہ کرتے بلکہ اُجرت پر لوگوں کا بوجھ اٹھاتے اور اس سے کھاتے پیتے تھے، ان کی تلمیذِ رشید امام ابراہیم الحربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر جھوٹ بولانا حلال ہوتا تو وہ پھر بھی جھوٹ نہ بولتے۔ [4]

یہی بات امام ابراہیم الحربی رحمہ اللہ نے امام ابو یعقوب اسحاق بن الحسن الحربی کے بارے میں فرمائی ہے کہ اگر جھوٹ بولنا حلال ہوتا تو امام اسحاق الحربی پھر بھی جھوٹ نہ بولتے۔ [5]

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں جب پوچھا گیا

---

[1] السير (١٣/ ٤٣٣)، شذرات الذهب (٢/ ١٩٥)، التذكرة (٢/ ٦٤١)

[2] أيضاً [3] طبقات الشافعة (٨/ ٢٦٠، ٢٦١)

[4] تاريخ بغداد (١٤/ ٢٣)، السير (١٢/ ١١٦)، تهذيب (١٣/ ٧٨٦)، التذكرة (٢/ ٤٧٨)

[5] السير (١٣/ ٤١١)، التقييد لابن نقطة (١/ ٢٣٩)، لسان (١/ ٣٦٠)

تو انھوں نے فرمایا ہے:

”لو كان الكذب حلالًا لمنعته مروءته أن يكذب“[1]

”اگر جھوٹ بولنا حلال ہوتا تو ان کا اعلیٰ اخلاق کا حامل ہونا ہی جھوٹ بولنے سے مانع ہوتا۔

امام مطرف بن طریف فرماتے ہیں: مجھے یہ پسند نہیں کہ پوری دنیا کے عوض ایک جھوٹ بولوں۔[2]

امام عبداللہ بن داود الخریبی البصری فرماتے ہیں: میں نے ایک بار جھوٹ بولا ہے اور وہ یہ کہ والد صاحب نے مجھ سے پوچھا: تم نے استاد پر قراءت کی ہے؟ میں نے کہہ دیا: جی ہاں! جب کہ میں نے قراءت نہیں کی تھی۔[3]

شیخ عبدالقادر قرشی نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے بچپن میں صرف ایک بار جھوٹ بولا ہے، وہ یہ کہ والد صاحب نے فرمایا: آج مکتب میں گئے ہو؟ تو میں نے کہا: ہاں! گیا ہوں، حالانکہ اس روز میں مکتب نہیں گیا تھا۔[4]

امام عبداللہ ہی فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف یہ پسند کرتے تھے کچھ ایسے نیک اعمال کریں جن کا علم نہ بیوی کو ہو نہ کسی اور کو۔[5]

امام ربیع بن خثیم مخضرمی جن کا شمار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں ہوتا ہے اور وہ فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں دیکھتے تو تم سے محبت کرتے، شرم و حیا کا پتلا تھے، جب وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں جاتے اور اجازت طلب کرتے تو ان کی لونڈی کہتی: نابینا دروازے پر آیا ہے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ

---

[1] لسان (٥ ٤١٧) ترجمه محمد بن وضّاع القرطبي.

[2] السير (٦ ١٢٨)، تهذيب (١٢ ٨٢٢)

[3] السير (٩ ٣٤٩)، التذكرة (١ ٣٣٨)، التهذيب للمزي (١٠ ١١١) وغيره.

[4] الجواهر المضية (١ ٢٧٥) [5] التهذيب

فرماتے: وہ نابینا نہیں، ربیع بن خثیم ہے۔ امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتلایا جو بیس سال امام ربیع کے ساتھ رہا کہ میں نے اتنے عرصے میں کوئی بات ان سے ایسی نہیں سنی جو معیوب ہو۔ وہ نہ کسی مجلس میں بیٹھتے نہ کسی راستے کے کنارے پر بیٹھتے اس خوف سے کہ کسی پر ظلم ہوتا دیکھوں اور اس کے حق میں گواہی دینے سے پیچھے رہوں، یا کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ نہ اٹھاؤں، یا کوئی سلام کہے تو سلام کا جواب نہ دے سکوں یا آنکھوں کو نیچے نہ رکھ سکوں یا کسی راہ گیر کو راستہ نہ بتلا سکوں۔ ان سے جو بھی ملنے آتا ان کے گھر میں بیٹھتا۔[1]

امام رِبعی رحمہ اللہ بن حراش کا شمار بھی کبار تابعین میں ہوتا ہے، امام العجلی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ان کے دو بیٹے تھے، اور دونوں حجاج بن یوسف کو مطلوب تھے اور وہ مل نہیں رہے تھے، کسی نے حجاج سے کہا: ان کے باپ سے پوچھ لو، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کسی کو بھیج دو، وہ ان کے باپ سے پوچھ لے، تو حجاج نے اپنا نمائندہ بھیج کے امام رِبعی رحمہ اللہ کو اپنے پاس بلوایا، پھر اس نے ان سے پوچھا کہ آپ کے بیٹے کہاں ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ حجاج نے کہا: تمھارے صدق کی وجہ سے میں نے انھیں معاف کر دیا۔[2]

امام سلیمان رحمہ اللہ بن مہران الاعمش کے بارے میں ان کے تلمیذِ رشید امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرا تقریباً دو سال امام اعمش کے ہاں آنا جانا رہا ہے، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کی کوئی رکعت قضا ہوئی ہو، وہ تقریباً ستر سال کے تھے، پھر بھی کبھی ان کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔[3]

امام یحییٰ رحمہ اللہ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ امام اعمش بہ کثرت حج کرتے،

---

[1] الثقات للعجلي (ص: ١٥٤، ١٥٥)

[2] الثقات للعجلي (ص: ١٥٢، ١٥٣)، السير (٤/ ٣٦٠، ٣٦١)

[3] الحلية (٥/ ٤٩)، التهذيب (٥/ ٤١٥)

باجماعت نماز کا اہتمام کرتے اور پہلی صف میں نماز پڑھتے تھے۔[1]

امام محمد رحمہ اللہ بن محمد بن یعقوب الحجاجی المقرئ شیخ خراسان کے بارے میں امام حاکم فرماتے ہیں: میں بیس سال سے زائد عرصے تک شب و روز ان کی مصاحبت میں رہا ہوں، میں نہیں جانتا کہ فرشتے نے اس کا کوئی گناہ لکھا ہو۔ امام ابو علی الحافظ ان کے ضبط وفہم کی بنا پر انھیں ''عفان'' کہتے تھے۔ اور فرماتے کہ ان کا فہم ان کے ضبط سے زیادہ تھا۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر مختلف حوالوں سے پہلے بیان ہوا ہے، ان کی طہارتِ قلبی کا اندازہ کیجیے کہ ایک روز انھوں نے اپنے تلمیذ ابو معشر حمدویہ بن خطاب سے فرمایا، جو نابینا تھے، ابو معشر مجھے معاف کر دو۔ ابو معشر نے متحیر ہو کے پوچھا: معافی کس بات کی؟ امام صاحب نے فرمایا: میں نے ایک حدیث بیان کی تھی، اسی اثنا میں نے تمھیں دیکھا کہ تم فرطِ مسرت سے سر کو اور ہاتھوں کو ہلا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے مسکراہٹ آ گئی تھی (کہ یہ نابینا کیسے جھوم رہا ہے؟) ابو معشر رحمہ اللہ نے عرض کی:

''أنت في حل رحمك الله''[3]

''آپ پر اللہ رحمت فرمائے! آپ سے کسی طرح کی باز پرس نہیں۔''

ایک دفعہ ایک صاحب نے مسجد میں آپ کی ریش مبارک سے ایک تنکا نکال کر مسجد میں پھینک دیا، لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، امام صاحب کی نگاہ برابر اس تنکے کی طرف تھی، لوگوں کی نظروں سے بچ بچا کے آپ نے وہ تنکا اپنی آستین میں رکھ لیا، پھر اسے مسجد سے باہر پھینک دیا۔[4]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسی نوعیت کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ محمد رحمہ اللہ بن عباس

---

(1) السیر (٦ ٢٣٢) (2) السیر (١٦ ٢٤١)، تذکرة الحفاظ (٣ ٩٤٥)

(3) السیر (١٢ ٤٤٤)، تغلیق (٥ ٣٩٦) وغیرہ

(4) تاریخ بغداد (٢ ١٣)، تغلیق (٥ ٣٩٩)، مقدمة الفتح (٤٨١)

الفربری نے کہا کہ میں امام صاحب کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا، میں نے ان کی ڈاڑھی سے ذرہ برابر کانٹا نکالا، میں اسے مسجد میں ہی ڈال دینا چاہتا تھا، مگر انھوں نے فرمایا: اسے مسجد سے باہر پھینکو۔[1] حیا کا یہ عالم تھا کہ ان کے استاد امام محمد بن سلام بیکندی نے فرمایا:

"أترون البكر أشد حياءً من هذا"[2]

"کیا تم اس سے زیادہ حیادار باکرہ لڑکی کو دیکھتے ہو۔"

امام بخاری رحمہ اللہ محدث تھے، فقیہ تھے، عابد و زاہد تھے، اس کے علاوہ تیر اندازی کے بھی ماہر تھے۔ اور یہ اس لیے کہ حدیث میں تیر اندازی کی توصیف و تحسین بیان ہوئی ہے۔ امام صاحب کے وراق محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں مدتوں ان کی صحبت میں رہا ہوں۔ میں نے دو مرتبہ کے سوا کبھی ان کا تیر خطا ہوتے نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ ہم فربر میں تیر اندازی کے لیے نکلے، تیر اندازی شروع کی تو اتفاقاً امام بخاری رحمہ اللہ کا تیر ایک پل کی میخ پر جا لگا اور پل کو نقصان پہنچا، امام صاحب رحمہ اللہ فوراً سواری سے اتر کر پل کے پاس تشریف لے گئے، تیر کو نکالا اور ہمیں آواز دی، ہم قریب پہنچے تو مجھے فرمایا: تم اس پُل کے مالک کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ تمھارے پُل کو ہمارے تیر سے نقصان پہنچا ہے، اجازت ہو تو پل درست کر دیں، اور اگر چاہو تو اس نقصان کی قیمت لے لو اور ہمارا قصور معاف کر دو۔ پُل کے مالک حُمید بن الاخضر نے کہلا بھیجا کہ امام صاحب سے میرا سلام کہنا اور میری طرف سے عرض کرنا کوئی مضائقہ نہیں، میرا سارا مال آپ پر قربان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ سن کے بے حد خوش ہوئے، اسی خوشی میں تین سو درہم غربا و مستحقین میں تقسیم کیے اور ہمیں پانچ سو احادیث سنائیں۔[3]

---

[1] السیر (١٢/ ٤٤٥) [2] السیر (١٢/ ٤١٨)

[3] السیر (١٢/ ٤٤٣، ٤٤٤)، تغلیق (٥/ ٣٩٦)، مقدمة (٤٨١)

ان کے تلمیذ الوراق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بہ کثرت صدقہ کرتے، کوئی اہلِ حدیث ضرورت مند ان کا ہاتھ پکڑ لیتا تو اسے پوشیدہ طور پر بیس سے تیس درہم یا اس سے کم وبیش تھما دیتے۔ میں نے دیکھا ایک صاحب کوئی بار تین سو درہم دیے، اس نے امام صاحب کو دعا دینا چاہی تو امام صاحب نے فرمایا: چھوڑو کوئی اور بات کرو۔[1]

الوراق ہی فرماتے ہیں میں نے ایک گھر نو سو بیس (۹۲۰) درہم میں خریدا امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کوئی ضرورت ہو بتلانا۔ میں نے عرض کی: جی ہاں، امام صاحب نے فرمایا: نوح بن ابی شداد الصیر فی کے پاس جاؤ اور ان سے ایک ہزار درہم لے کر میرے پاس آؤ، چنانچہ میں ایک ہزار درہم لے آیا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: اسے لے لو اور گھر کی قیمت ادا کر دو، حتی کہ ایک بار الوراق سے فرمایا: مجھے ڈر آتا ہے تیری وجہ سے میں پکڑا نہ جاؤں، میں نے عرض کیا کیسے؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مواخات قائم کی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سعد رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ میں نے عرض کی: میری طرف سے بے خوف ہو جائیں میرا سب کچھ آپ پر قربان ہے۔

امام صاحب نے فرمایا: میری بیوی اور ایک لونڈی ہے تم شادی شدہ نہیں ہو، مجھ پر واجب ہے کہ تم میرے مال وغیرہ میں حصہ دار بنو۔ میں نے عرض کی: جناب! آپ نے تو پہلے ہی مجھے بہت کچھ نوازا ہے اور مجھے اپنی ایسی محبتیں دی ہیں جو کسی اور کے حصے میں نہیں آئیں اور میں اپنے آپ کو بمنزلہ بیٹا سمجھتا ہوں۔ یوں امام الوراق نے امام صاحب رحمہ اللہ کے احسانات کا مزید ذکر کیا ہے۔[2]

ایک بار فربر میں لونڈیاں فروخت ہونے کے لیے آئیں تو امام صاحب نے محمد الوراق سے فرمایا: میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو مالک نے ایک

---

[1] السیر (۱۲ ٤٥٠) [2] التذکرہ (۱۲ ٤٥١)

خوبصورت لونڈی پیش کی پھر لونڈیوں میں ایک بھینگی سیاہ رنگ کی لونڈی بھی تھی۔ امام صاحب کا ہاتھ اس کی تھوڑی کو لگ گیا تو فرمایا: اسی کو میرے لیے خرید لو، میں نے عرض کی: یہ تو سیاہ رنگ کی بھینگی لونڈی ہے اس کے علاوہ بھی لونڈیاں ہیں مگر انھوں نے فرمایا: اسی کو خریدو، میرا ہاتھ اس کی تھوڑی کو لگا تھا میں پسند نہیں کرتا کہ میرا ہاتھ لونڈی کو لگے پھر میں اسے نہ خریدوں، چنانچہ اسی کو پانچ سو درہم میں خریدا جو نیشاپور میں بھی ان کے ہمراہ تھی۔[1]

اسی نوعیت کے اور واقعات بھی حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں، مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں ہے۔

امام لیث رحمہ اللہ بن سعد مصری امام مالک رحمہ اللہ کے معاصر اور کبار محدثین و فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ مصر کے اہلِ ثروت میں ان کا شمار ہوتا تھا قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ مصر کا قاضی اور نائب ان کے فیصلوں کی پیروی کرتے تھے۔ ان کی آمدنی بیس ہزار (۲۰۰۰۰) دینار سالانہ تھی۔[2]

ایک قول ہے کہ سالانہ آمدنی اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) دینار تھی، اس کے باوجود ان پر سال میں زکاۃ فرض نہیں ہوتی تھی۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے بیس ہزار دینار کا قول اصح ہے۔ ان کا خرچ کچھ یوں بیان ہوا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کو یک مشت ایک ہزار دینار بھیج دیے، اسی طرح عبداللہ بن لہیعۃ کو غالبًا ان کا گھر نظر آتش ہونے کی بنا پر اور منصور بن عمار واعظ کو ایک ایک ہزار دینار بھیجے۔ ایک لونڈی کو تین سو دینار بھجوائے۔ ایک بار امام مالک رحمہ اللہ نے ایک طشتری رطب کھجوروں کی بھجوائیں تو امام لیث نے اسی طشتری پر ایک ہزار دینار رکھ کر واپس کر دی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے انھیں خط لکھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کے بعد رخصتی کرنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں

---

[1] السیر (۱۲/ ۴٤۷) [2] السیر (۸/ ۱٤۸، ۱۵۲)

کہ آپ مجھے کچھ زعفران بھجوائیں تو انھوں نے تیس بوریاں زعفران کی بھجوا دیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ان میں سے کچھ پانچ سو دینار میں فروخت کر دیں اور باقی زعفران اپنے پاس رکھا۔ ایک خاتون نے ان سے کچھ شہد طلب کیا تو انھوں نے ایک مشک شہد کی بھجوا دی اور فرمایا: اس نے اپنی ضرورت کے مطابق سوال کیا اور ہم نے اسے اپنی حیثیت کے مطابق بھجوایا۔[1]

امام لیث رحمہ اللہ روزانہ کھانا کھانے سے پہلے تین سو ساٹھ (۳۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ علامہ ابن العماد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل غالباً اس حدیث کے تناظر میں تھا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہیں۔[2]

امام لیث رحمہ اللہ بڑی شاہانہ زندگی گزارتے تھے۔ محمد بن معاویہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے لباس، ان کے گھوڑے، ان کی انگوٹھی کی قیمت کا اندازہ لگایا جو اٹھارہ ہزار سے بیس ہزار درہم تک تھا۔

امام ربیعۃ بن ابی عبدالرحمان فرخ الرائی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر اعیان کے شیوخ میں اور ائمہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ امام عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ امام ربیعہ رحمہ اللہ نے اپنے دوست و اخوان پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے۔ خلیفہ ابو العباس نے ان کی خدمت گزاری کے لیے ایک لونڈی بھجوائی تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پانچ ہزار درہم بھجوائے کہ لونڈی خرید لیں تو انھوں نے انھیں بھی لینے سے انکار کر دیا۔ عبدالرحمان بن زید رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں مدینہ طیبہ میں ان سے بڑا سخی کوئی نہ تھا۔ وہ اسی کو ملنے اور اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دیتے جو ان سے مل کے کھانا کھائے۔[3]

---

[1] السیر (۸/ ۱۴۸، ۱۵۲)، التذکرہ (۱/ ۲۲۵)، تاریخ بغداد (۳/ ۷، ۸) وغیرہ

[2] شذرات الذہب (۱/ ۲۸۵) [3] السیر (۶/ ۹۰، ۹۲) وغیرہ

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کی خدمت میں والی خراسان اسماعیل بن احمد سالانہ چار ہزار درہم بھیجتے۔ اہلِ خراسان بھی اس کے علاوہ چار ہزار درہم دیتے، مگر وہ سال کے دوران سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے اور فرماتے میرا خرچ کیا ہے میں کئی سال مصر میں رہا ہوں۔ سال بھر میں میرا نان ونفقہ، کاغذ وغیرہ پر خرچہ صرف ۲۰ درہم ہوتا تھا۔ وہ نماز پڑھتے بھڑ ان کے کان پر بیٹھتا تو خون ان کے چہرے پر آجاتا مگر وہ حرکت نہ کرتے۔[1]

امام الحسین بن حفص الہمدانی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی، مگر ان پر زکاۃ واجب نہ ہوتی۔ تمام دراہم محدثین اور اہل العلم مثلاً امام ابو مسعود رحمہ اللہ، امام عمرو رحمہ اللہ بن علی الفلاس وغیرہ پر خرچ ہوتی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ حج کے لیے گئے تو انھیں سواری بھی انھوں نے مہیا کی۔[2]

امام معافی بن عمران رحمہ اللہ جنھیں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ "یاقوتة العلماء" کہتے تھے امام البشر الحافی تو ان کے عاشق زار تھے، انھیں اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں ان سے محبت کیوں نہ کروں جنھیں امام ثوری یاقوتۃ العلماء کہتے ہوں، جب ان کے کھیتوں کی پیداوار آتی تو وہ اسے اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیتے، جن کی تعداد چونتیس (۳۴) تھی۔ فضول کام سے بچنے کا یہ حال تھا سردی میں ایک صاحب نے کہا: آج کتنی سردی ہے تو انھوں نے اسے فرمایا: یہ کہہ کر تم نے سردی کا دفاع کر لیا؟ اگر خاموش رہتے تو تمھارے لیے بہتر تھا۔[3]

امام دعلج بن احمد سجستانی رحمہ اللہ کو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم کے ساتھ مال و دولت سے نوازا تھا۔ مکہ مکرمہ، عراق اور سجستان میں اہلِ حدیث کے لیے صدقہ جاریہ

---

[1] السیر (١٤/ ٣٦، ٣٧) [2] السیر (١٠/ ٣٥٧)، اخبار اصبهان (١/ ٢٧٤، ٢٧٥) وغیرہ

[3] السیر (٩/ ٨٣، ٨٤)، التذكرة (١/ ٢٨٨)

کے طور پر وسیع جائیداد وقف کی تھی۔ مکہ مکرمہ کا مکان انھوں نے تیس ہزار دینار میں خریدا تھا، جب انھوں نے مسند کبیر لکھی تو مراجعت کے لیے حافظ ابن عقدہ کے پاس بھیجی تو اس کے ہر دو ورق کے بعد ایک ایک دینار رکھ دیا۔ شیخ ابو بکر ابن حیویہ کا بیان ہے کہ امام دعلج رحمہ اللہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور مال سے بھری ہوئی تھیلیاں دکھلائیں اور مجھے فرمایا: ان میں سے جتنی چاہو اٹھا لو، میں نے شکریہ ادا کیا اور عرض کی کہ بحمداللہ مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں، معز الدولہ نے ان کے ترکہ سے تین لاکھ دینار لیے تھے۔[1]

امام محمد رحمہ اللہ **بن محمد بن زید العلوی الحسینی** حفاظ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ بھی چوٹی کے اغنیاء میں شمار ہوتے تھے۔ ہر سال ائمہ حدیث پر ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو اور بعض اوقات دس ہزار دینار دے دیتے اور فرماتے میں یہاں مستحقین کو نہیں جانتا آپ جنھیں مستحق سمجھیں یہ میرا مالِ زکاۃ ان میں تقسیم کر دیں، اور جنھیں دیں انھیں ایک تحریر دے کر میرے پاس بھیجیں تاکہ میں اسے اپنی زمین کی پیداوار کا عشر دوں۔ آپ کی ذاتی ملکیت میں تقریباً چالیس گاؤں تھے اور ایک عظیم بادشاہ کی طرح بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ بادشاہ نے ان کی ساری جائیداد ضبط کر لی، قید میں بند کر دیا اور کھانا پینا بھی بند کر دیا۔ اور بھوک کی وجہ سے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اس کسمپرسی کی حالت میں وہ فرماتے: میں نے ناز و نعمت میں زندگی بسر کی، مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میرے نسب میں خلل واقع ہو گیا ہے، جب یہ مصیبت نازل ہوئی تو مجھے راحت حاصل ہوئی اور میں نے جان لیا کہ میرا سلسلۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے۔[2]

امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ کا شمار ائمہ محدثین میں ہوتا ہے، ان کے پوتے محمد بن فضل کا بیان ہے کہ دادا جان کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے، بلکہ سب مال

---

[1] التذکرۃ (۳/ ۸۸۱، ۸۸۲)، السیر (۱۶/ ۳۱) وغیرہ

[2] التذکرۃ (٤/ ۱۲۱۰، ۱۲۱۱)، السیر.

اہلِ علم پر خرچ کر دیتے، بخل کرنا نہیں جانتے تھے اور محتاجوں پر صدقہ کرتے وقت دس اور بیس میں فرق نہیں کرتے تھے۔ امام حاکم نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اپنے باغ میں عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا جس کی مثال علماء کی تاریخ میں نہیں ملتی، خود انھوں نے نیساپور کے ایک ایک بازار اور ایک ایک گلی کوچے میں جا کے لوگوں کو دعوت میں شرکت کی تاکید کی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان گنت اور بے حساب لوگ جمع ہوئے، دعوت میں تیار ہونے والے کھانے کے علاوہ سارے شہر سے حلوہ، کباب، بھنا ہوا گوشت اور دیگر ماکولات و مشروبات بھی منگوانے پڑے۔ یہ ایسی دعوت تھی کہ کوئی بادشاہ ہی ایسی دعوت دے سکتا ہے، کسی دوسرے شخص کے بس کی بات نہیں۔ ملخصاً[1]

امام عبدالوہاب بن عبدالمجید الثقفی رحمہ اللہ کی پیداوار چالیس سے پچاس ہزار تک ہوتی اور ساری کی ساری اصحاب الحدیث پر خرچ کر دیتے، سال کے اختتام تک اس میں سے کچھ نہ بچتا تھا۔[2]

محدثین کرام کے اس نوعیت کے بہت سے واقعات تو تاریخ و رجال کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، کہاں تک لکھے جائیں۔ مال و دولت کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنا اور انھیں اہلِ علم کے لیے وقف کرنا بلاشبہ ان کی فیاضی و سخاوت کی دلیل ہے، مگر **امام احمد بن سلیمان النجاد** (المتوفی: ۳۴۸ھ) کی سخاوت کا ڈھب سب سے نرالا تھا۔ وہ صائم الدھر تھے اور شام کو روزانہ ایک روٹی سے افطار کرتے اور اس میں سے ایک لقمہ بچا رکھتے، جب جمعرات کے دن کا روزہ افطار کرتے تو چھے دنوں کے بچے ہوئے لقموں سے روزہ افطار کرتے اور سالم روٹی صدقہ کر دیتے۔[3] سبحان اللہ

امام محمد رحمہ اللہ **بن عبدالباقی الانصاری الکعبی البزاز المتوفی ۵۳۵ھ** جو

---

[1] التذکرۃ (۲/ ۷۲۵) وغیرہ [2] تاریخ بغداد (۱۱/ ۲۰)، السیر (۹/ ۲۳۹) وغیرہ

[3] تاریخ بغداد (٤/ ۱۹۱)، السیر (۱۵/ ۵۰۳)، التذکرۃ (۳/ ۸۶۸)

کعب بن مالک کی اولاد میں سے تھے جو ان تین میں سے ایک تھے جن کی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے پر توبہ قبول ہوئی تھی۔ بے شمار حضرات نے ان سے شرفِ تلمذ پایا۔ انہی میں امام ابن عساکر، امام ابو سعد السمعانی، امام ابن الجوزی رحمہم اللہ بھی ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عمر لہو ولعب میں نہیں گزاری۔ نیز فرماتے: ''من خدم المحابر خدمته المنابر'' جس نے سیاہی کی خدمت کی اس کی خدمت منبروں نے کی۔ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے اس کا طویل ترجمہ لکھا ہے:

ایک دفعہ رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے ڈیڑھ سال جیل میں رہنا پڑا۔ گلے میں طوق، ہاتھ اور پاؤں بیڑیوں سے بندھے ہوئے۔ رومی کہتے: کہو: مسیح ابن اللہ ہے ہم چھوڑ دیں گے مگر انھوں نے ان کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں: جیل میں ایک استاد بچوں کو پڑھانے کے لیے آتا تھا اور رومی حروف بھی سکھاتا تھا میں نے اس سے رومی خط سیکھ لیا۔ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے ان کا یہ عجیب قصہ ذکر کیا ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں مجاور تھا ایک روز مجھے شدید بھوک لگی، میرے پاس کچھ بھی نہ تھا کہ بھوک کا مداوا کرسکوں، اس حال میں جاتے ہوئے مجھے ایک بٹوا ملا یہ ریشم کا بنا ہوا تھا اور ریشم کی ڈوری سے بندھا ہوا تھا، مکان پر آ کر جب اسے کھولا تو وہ ایسے موتیوں سے بھرا ہوا تھا کہ ان جیسے موتی میں نے عمر بھر نہیں دیکھے تھے۔ میں نے اسے اسی طرح رکھ دیا، کمرے سے باہر نکلا ایک شخص بلند آواز سے کہہ رہا تھا میرا بٹوا جس میں موتیوں کا ہار تھا گم ہو گیا۔ جو صاحب اس کا پتا بتلائے گا اسے پانچ سو دینار دوں گا جو اس کے رومال میں بندھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اسے بلایا ساتھ مکان پر لے گیا۔ بٹوے اور اس کے ڈورے اور موتیوں کے بارے میں اس سے سوال کیا۔ جو اس نے بتلایا وہ علامتیں اس بٹوے اور ہار میں پائی جاتی تھیں۔ میں نے بٹوا اسے دے دیا۔ تو اس نے پانچ سو دینار مجھے دے دیے مگر میں نے انھیں لینے سے

انکار کر دیا اس نے بڑا اصرار کیا مگر میں انھیں لینے پر آمادہ نہ ہوا بالآخر وہ چلا گیا۔

کچھ روز بعد میں مکہ مکرمہ سے نکلا۔ دریا آیا تو کشتی پر بیٹھ گیا۔ اچانک طوفانی ہوا کی زد میں کشتی آ گئی، کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی مسافر ڈوب گئے میں صرف اس کے ایک تختہ پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ تختہ زمین سے لگا وہاں جزیرہ تھا اور اس میں کچھ لوگ رہتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں ایک مسجد میں چلا گیا۔ لوگ مجھ سے قرآن پڑھنے لگے۔ انھیں معلوم ہوا کہ میں لکھ بھی سکتا ہوں تو انھوں نے اپنے بچوں کو بھیج دیا کہ انھیں پڑھنا لکھنا سکھا دیں یوں ان کے بڑے بھی پڑھنے لگے ان سے مجھے کافی مالی مدد ملی۔

ایک روز انھوں نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک مالدار یتیم لڑکی ہے۔ اس کا عقد کسی اچھے انسان سے کرنا چاہتے ہیں تم سے بہتر کون ہوسکتا ہے۔ یوں انھوں نے میرا نکاح اس سے کر دیا نکاح کے بعد جب اپنی بیوی سے خلوت ہوئی تو میری نظر اس کے گلے میں ہار پر پڑی جو بعینہٖ مجھے مکہ مکرمہ میں بٹوے کے اندر ملا تھا اور یہ لڑکی اسی صاحب کی تھی جسے انھوں نے ہار واپس کیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ لڑکی کا باپ جب حج سے واپس یہاں جزیرے میں آیا تو وہ ہار گم ہونے اور جسے وہ ملا تھا اس کا قصہ سنایا کرتا اور کہتا تھا جس شخص سے یہ ہار ملا ایسا انسان میں نے دنیا میں نہیں دیکھا۔ کاش! اس سے میری ملاقات ہو جائے تو میں اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دوں وہ شخص فوت ہوگیا اس کی لڑکی کے سوا اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد دی، وہ بھی فوت ہوگئی، اس ہار کے وہ وارث ہوئے مگر عرصہ بعد وہ بچے بھی فوت ہو گئے اور یوں گھوم گھما کر یہ ہار میرے ہاتھ آیا جسے میں نے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے یہ عجیب قصہ طبقات حنابلہ[1] میں ذکر کیا ہے

[1] طبقات حنابلہ (١ ١٩٦، ١٩٧)

اور فرمایا: حافظ یوسف رحمہ اللہ بن خلیل نے اسے اپنی معجم میں اور ابن النجار رحمہ اللہ نے تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حماد رحمہ اللہ نے اسے حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کے حوالے سے شذرات الذهب[1] میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد بن عبدالباقی رحمہ اللہ نے یہ انعام اور پیشکش لینے سے انکار کیوں کیا۔ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس لیے کہ گم شدہ چیز کے لیے معاوضہ لینا تبھی درست ہے جب معاوضہ کی نیت سے گم شدہ چیز اٹھائی ہو ورنہ ایسی امانت کا رد کرنا واجب ہے اور اس کا معاوضہ جائز نہیں۔

[1] شذرات الذهب (٤ ١٠٨)

حفاظتِ حدیث کا ربانی انتظام

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دینِ اسلام کو نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کا انتظام بھی فرمایا ہے۔ قرآن پاک کی جس طرح حفظ وضبط کے ذریعے اپنی قدرتِ کاملہ سے حفاظت فرمائی، حدیث وسنت کو بھی اسی طریقہ سے محفوظ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نے پھر ان کے بعد طبقةً بعد طبقةٍ تمام محدثین کرام نے اس بارے میں جو خدمات سرانجام دیں ان کا کچھ تذکرہ ہم سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس انتظام کا احساس خود ان حضرات کو بھی تھا۔ اور وہ اس کا اظہار بھی فرماتے تھے، چنانچہ امام یحییٰ رحمہ اللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں:

"ان لهذا الحديث رجالًا خلقهم الله عزوجل منذ يوم خلق السماوات والأرض وان وكيعاً منهم"[1]

اس حدیث کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو پیدا کیا ہے، جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، انھی میں سے ایک امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ ہیں۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا گیا: بہت سی جھوٹی احادیث رواج پا چکی ہیں تو انھوں نے فرمایا:

"يعيش لها الجهابذة"[2]

"اس کے لیے بڑے ماہرین زندہ ہیں۔"

---

[1] الجرح والتعديل (١ ١ ١٩)

[2] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٣)، الجرح (٢ ١٨)، الكامل (١ ٢٦٩)

خلیفہ ہارون رشید نے ایک زندیق کو قتل کرنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا: امیر المومنین! مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ خلیفہ نے کہا: تاکہ لوگ تیرے فتنے سے محفوظ رہیں۔ وہ کہنے لگا: امیر المومنین! مجھے تو قتل کروا دیا مگر ان ایک ہزار احادیث کا کیا سدِ باب کرو گے جو میں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا کے پھیلا دی ہیں، تو خلیفہ ہارون رشید نے فرمایا:

"أين أنت يا عدو الله من أبي إسحاق الفزاری وعبد الله بن المبارك ينخلانها فيخرجانها حرفاً حرفاً"[1]

"اے اللہ کے دشمن! تو امام ابو اسحاق رحمہ اللہ ابراہیم بن محمد الفزاری اور امام عبداللہ رحمہ اللہ بن مبارک سے کیسے بچ سکتا ہے، وہ انھیں چھان کے ان میں سے ایک ایک حرف نکال لیں گے۔"

یہی واقعہ علامہ علی القاری رحمہ اللہ نے الموضوعات[2] میں بھی۔ ابن عساکر کے حوالے سے ہی ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں ایک ہزار کے بجائے چار ہزار موضوع احادیث کا ذکر ہے۔ واللہ أعلم

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"الملائكة حُرّاس السماء وأصحاب الحديث حراس الأرض"[3]

"فرشتے آسمان کے نگران ہیں اور اصحاب الحدیث زمین کے نگران ہیں۔"

امام عبداللہ بن داود الخریبی فرماتے ہیں: ہم نے اپنے اساتذہ اور جوان کے

[1] ابن عساكر (٧ ١٢٧)، التذكرة (١ ٢٧٣)، السير (٨ ٥٤٢)، التهذيب (١ ٤٠٠)، تاريخ الخلفاء (ص: ٢٩٣)

[2] الموضوعات (ص: ٦٢)

[3] السير (٧ ٢٧٤) شرف أصحاب الحديث

اوپر ہیں سے سنا ہے، فرماتے تھے:

”أن أصحاب الحديث وحملة العلم هم أمناء الله على دينه وحفاظ سنة نبيه“[1]

”محدثین اور حاملینِ علم ہی اللہ کے دین کے امین اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کے محافظ ہیں۔“

شیطان نما انسان جو جھوٹ گھڑتے ہیں، اصحاب الحدیث ان جھوٹوں سے امت کو خبردار کرتے ہیں۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ہی فرمایا ہے:

”لو هم رجل أن يكذب في الحديث وهو في بيت في جوف بيت لأظهر الله عليه“[2]

”اگر کوئی شخص حدیث میں جھوٹ بولنے کا ارادہ کرے وہ اپنے گھر میں، گھر کے کمرے میں ہو، تب بھی اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر کر دیں گے۔“

حافظ عراقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

”ما ستر الله أحداً يكذب في الحديث، وروينا عن عبد الرحمٰن بن مهدي أنه قال: لو أن رجلًا هم أن يكذب في الحديث لأسقطه الله، وروينا عن ابن المبارك قال لوهم رجل في السحر أن يكذب في الحديث لأصبح الناس يقولون فلان كذاب“[3]

”جس نے حدیث میں جھوٹ بولا، اللہ نے اس کی پردہ پوشی نہیں کی، امام عبدالرحمان رحمہ اللہ بن مہدی سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے

---

1. شرف أصحاب الحديث (ص: ٤٣)
2. المجروحين (١ ٢٥)، السير (٧ ٢٤٨)
3. شرح الألفية (ص: ١٢٤)، المجروحين (١ ٢١)

فرمایا: اگر کوئی حدیث میں جھوٹ بولنے کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیں گے، عبداللہ رحمہ اللہ بن مبارک نے فرمایا: اگر کوئی سحری کے وقت حدیث میں جھوٹ بولنے کا قصد کرتا ہے تو لوگ صبح کو کہیں گے، فلاں کذاب ہے۔"

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"يا أهل بغداد لا تظنون أن أحداً يقدر أن يكذب على رسول الله ﷺ وأنا حي"[1]

"اے اہلِ بغداد! تم یہ گمان نہ کرو کہ میرے جیتے جی کوئی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بول سکے گا۔"

امام علی رحمہ اللہ بن ابی طاہر القزوینی جو ۲۹۰ھ کے بعد فوت ہوئے جو امام ابوالحسن القطان اور ابن ابی حاتم کے مشایخ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ ہشام علمِ حدیث کے حصول کے لیے گئے جس قدر احادیث کا سماع کیا ان کو لکھا اور کتابوں کے صندوق میں بند کر کے اس پر تارکول مل دیا۔ پھر کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی مضطرب ہونے لگی، کشتی والوں نے صندوق دریا میں پھینک دیا تو کشتی ساکن ہو گئی جب کشتی سے اترے تو تین دن ساحلِ دریا پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے تیسری رات سربسجود ہو کے دعا کی اور عرض کی:

"إن كان طلبي ذلك لوجهك وحب رسولك، فاغثني برد ذلك"

"بارِ الٰہا! اگر حدیث کی طلب تیری رضا اور تیرے رسول کی محبت میں تھی تو میرا صندوق واپس کرنے میں میری مدد فرما۔"

جب سجدے سے سر اٹھایا تو اپنے پاس ساحل پر صندوق کو پایا۔ ان سے سماعِ حدیث

[1] مقدمة الموضوعات (١ ٤٦)

کے طلباء حاضر ہوئے تو انھوں نے اس کی اجازت نہ دی۔ نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ کے ہمراہ علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ دریا کے کنارے کیا معاملہ کیا تھا؟ میری احادیث کو بیان کرنے سے منع نہ کرو۔ میں نے عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں۔[1]

خدمتِ حدیث کی اہمیت:

محدثین کرام خدمتِ حدیث کو عین دین کی خدمت سمجھتے تھے، امام ابو عبید رحمہ اللہ قاسم بن سلام فرماتے ہیں:

"المتبع للسنة كالقابض على الجمر، وهو اليوم عندي أفضل من الضرب بالسيوف في سبيل الله"[2]

"سنت کی پیروی اتنی ہی مشکل ہے جیسے ہاتھ میں آگ کا انگارہ پکڑنا مشکل ہے، اور سنت کی حفاظت و صیانت میرے نزدیک اللہ کی راہ میں تلوار چلانے سے افضل ہے۔"

امام عبداللہ رحمہ اللہ بن زبیر الحمیدی فرماتے ہیں:

"والله لأن اغزو هؤلاء الذين يردّون حديث رسول الله ﷺ أحب إلي من أن أغز وعِدّتهم من الأتراك"[3]

"اللہ کی قسم! اگر میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرنے والوں کے خلاف جہاد کروں تو یہ مجھے اسی قدر ترکیوں کے خلاف جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔"

امام یحییٰ رحمہ اللہ بن یحییٰ بن بکر النیسابوری فرماتے تھے:

---

1. السير (١٤/ ٨٨)
2. تاريخ بغداد (١٢/ ٤١٠)، السير (١٠/ ٤٩٩)
3. السير (١٠/ ٦١٩)

"الذب عن السنة أفضل من الجهاد" [1]

''سنت کا دفاع جہاد سے افضل ہے۔''

یہ قول السیر [2] میں امام یحییٰ رحمہ اللہ بن معین کی طرف منسوب ہو گیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ بن یحییٰ الذہلی نے امام یحییٰ رحمہ اللہ سے کہا:

"الرجل يُنفق ماله، ويُتعِبُ نفسه ويجاهد، فهذا أفضل منه؟ قال: نعم، بكثير" [3]

''ایک آدمی اپنا مال خرچ کرتا ہے، تکلیف برداشت کرتا اور جہاد کرتا، تو کیا سنت کا دفاع کرنے والا اس سے افضل ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں بہت زیادہ افضل ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قراء ة الحديث خير من صلاة التطوع" [4]

حدیث پڑھنا نفلی نماز سے بہتر ہے۔ امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نفلی نماز پڑھنا حدیث پڑھنے سے افضل ہے تو میں کبھی حدیث بیان نہ کرتا۔ [5] اسی قسم کی بات امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ [6]

امام زہری رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

"تعلم السنة أفضل من عبادة مائتي سنة" [7]

---

[1] مجموع الفتاوى لشيخ الاسلام (٤ ١٣)، ذم الكلام (١٠٨٧)

[2] السير (١٠ ٥١٨)

[3] ذم الهوى للهروي (رقم: ١٠٨٧)

[4] ذم الكلام (١١١٣)

[5] ذم الكلام (١٠٢٨)، شرف أصحاب الحديث.

[6] شرف أصحاب الحديث

[7] ذم الكلام (٨٥٥)، الثقات لابن حبان (٤١٧/٨)، اسی حوالے سے مزید ملاحظہ ہوں: علامہ ابن رجب رحمہ اللہ کا رسالہ "ورثة الأنبياء شرح حديث أبي الدرداء"، "مجموعه رسائل ابن رجب" (٣٧/١، ٣٩)

''سنت کا علم سیکھنا دو سو سال کی عبادت سے افضل ہے۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"تبليغ سنته ﷺ إلى الأمة أفضل من تبليغ السهام إلى نحور العدو، لأنه ذلك التبليغ يفعله كثير من الناس، اما تبليغ السنن فلا يقوم به الا ورثة الأنبياء وخلفائهم في أممهم جعلنا الله تعالیٰ منهم"[1]

''آنحضرت ﷺ کی سنت کا امت تک پہنچانا دشمن کے سینوں تک تیر پہنچانے سے افضل ہے، کیوں کہ یہ کام بہت سے لوگ کر رہے ہیں، مگر سنت کا پہنچانا تو اس کا اہتمام امتوں میں کوئی نہیں کرتا صرف انبیاء کے وارث اور ان کے خلفاء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے کرم و احسان سے ان میں شامل کر دے۔''

احادیثِ مبارکہ کی صحت و صیانت کے لیے ہی انھوں نے سند کا طریقہ اختیار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ہر قول و فعل اور تقریر کو متصل صحیح و حسن اسانید سے محفوظ کیا گیا۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"الاسناد عندي من الدين ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء"[2]

''اسانید میرے نزدیک دین کا حصہ ہیں اور اگر اسانید نہ ہوتیں تو ہر ایک جو چاہتا کہتا۔''

ان سے قبل امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

---

[1] جلاء الافهام (ص: ٤٨٩)

[2] مقدمه صحيح مسلم (٣٢)، الكامل (١ ٣٠٢، ٣٥٣، ٣٥٤)، المحدث الفاصل (ص: ٢٠٩)، المعرفة للحاكم (ص: ٦)، تاريخ بغداد (٦ ١٦٦)

"ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم"[1]

''یہ دین کا علم ہے، تم دیکھو اپنا دین کس سے لیتے ہو؟''

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے یہی قول حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، زید بن اسلم، الضحاک بن مزاحم، ابراہیم النخعی رحمہم اللہ سے بھی نقل کیا ہے۔[2]

امام یزید بن زُریع فرماتے ہیں:

"لکل دین فُرسان، وفرسنان هذا الدين أصحاب الاسانيد"[3]

''ہر دین کے شاہسوار ہیں اس دین اسلام کے شاہسوار اسانید کا اہتمام کرنے والے ہیں۔''

امام ربیع بن خُثَیم مخضرمی تابعی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلمیذِ رشید ہیں اور امام عامر رحمہ اللہ بن شراحیل شعبی کے استاد ہیں، ایک بار امام ربیع رحمہ اللہ نے حدیث بیان کی تو امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث آپ سے کس نے بیان کی؟ تو انھوں نے فرمایا: عمرو رحمہ اللہ بن میمون الحضرمی نے، امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے عمرو رحمہ اللہ بن میمون سے پوچھا، آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ انھوں نے کہا: ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ بن سعید قطان یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرماتے:

"هذا أول من فتش عن الاسناد"[4]

''(امام شعبی) پہلے شخص ہیں جنھوں نے سند کی تحقیق کی۔''

یہی واقعہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے، مگر اس میں یہ اضافہ ہے

---

[1] مقدمه صحيح مسلم (٢٦)، دارمي (١ ٩٤)، المجروحين (١ ٢١)، الكامل (١ ٣٥١)، الجرح والتعديل (٢ ١٥)، الكفاية (رقم: ٣١٩، ٣٢٠) وغيره.

[2] نیز دیکھیں: الكامل (١ ٣٥٠، ٣٥٦)، التمهيد (١ ٤٥، ٤٦)

[3] المجروحين (١ ٢٧)، ذم الكلام (٩٨٣) وغيره

[4] المحدث الفاصل (ص: ٢٠٨)

کہ میں نے عمرو بن میمون سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بیان کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ نے، تو میں ابن ابی لیلیٰ سے ملا اور پوچھا کہ آپ نے یہ کس سے سنا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے۔[1] یہ روایت اسی تفصیل سے صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔[2]

امام شعبی رحمہ اللہ ۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ سے کچھ پہلے فوت ہوئے، ۴۸ صحابہ سے انھیں سماعِ حدیث کا شرف حاصل ہے۔[3] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عہدِ صحابہ کے آخری دور میں احادیث کی تحقیق و تفتیش کا آغاز ہو چکا تھا۔ امام حماد رحمہ اللہ بن زید فرماتے ہیں: ہم نے امام شعبہ رحمہ اللہ سے کہا: آپ ابان بن ابی عیاش پر ان کی بزرگی کی بنا پر جرح نہ کریں تو انھوں نے فرمایا:

''لا يحلّ الكفُ عنه لأن الأمر دين''[4]

''اس سے خاموشی حلال نہیں کیونکہ دین کا معاملہ ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''مثل الذي يطلب العلم بلا حجة، مثل حاطب ليل يحمل حزمة حطب فيها افعىٰ يلدغه وهو لا يدري''[5]

''جو شخص بلا دلیل (سند) علم حاصل کرتا ہے وہ رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی مانند ہے جس میں سانپ ہوتا ہے، اسے معلوم نہیں ہو گا کہ اسے وہ ڈس لے گا۔''

امام عبدالرحمان رحمہ اللہ بن مہدی نے فرمایا ہے: دو چیزوں میں حسنِ ظن مفید نہیں، ایک فیصلہ کرنے میں، دوسرا حدیث کے بارے میں، یعنی غیر ثقہ سے روایت

---

[1] التمهيد (١ ٥٥)
[2] صحيح مسلم (٦٨٤٥)
[3] تهذيب (٦ ٣٤٢)
[4] مقدمه التمهيد
[5] المدخل إلى الإكليل للحاكم (ص: ٤)

لینے میں حسنِ ظن سے کام نہ لیا جائے۔[1]

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بُشیر بن کعب عدوی (جو ثقہ مخضرمی ہیں) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے اور احادیث پڑھنے لگے، وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ اس کی حدیث پر کان دھرتے اور نہ اس کی طرف دیکھتے تو انھوں نے کہا: اے ابن عباس! کیا وجہ ہے کہ آپ میری حدیث نہیں سنتے جب کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا رہا ہوں اور آپ سنتے نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبھی یہ عالم تھا کہ جب ہم کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہماری آنکھیں اس کی طرف لپکتیں اور ہم اس کی باتوں پر کان لگاتے:

فلما ركب الناس الصعبة والذلول لم ناخذ من الناس إلا ما نعرف‘‘[2]

مگر جب لوگوں نے مشکل اور آسان راستے پر چلنا شروع کر دیا، یعنی ہر صحیح وسقیم کو بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم لوگوں سے وہی حدیث لیتے ہیں جسے ہم پہچانتے ہیں۔ یعنی جن کی صحت کا ہمیں علم ہوتا ہے۔[3]

صحیح مسلم (رقم: ۱۹) ہی کی ایک روایت میں ہے: ’’جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھا جاتا تھا تو ہم احادیث بیان کرتے مگر جب لوگوں نے دشوار اور پامال شدہ راستے پر چلنا شروع کر دیا تو ہم نے آپ سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دی۔‘‘ یعنی وہی بیان کرتے جو صحیح ہوتیں اور وہی لوگوں سے سنتے جن سے ہم آگاہ ہوتے ہیں۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جھوٹی روایات کا آغاز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دور میں ہو گیا تھا۔[4]

---

[1] الجرح والتعديل (٢/ ٣٥)
[2] مقدمه مسلم (رقم: ٢١)
[3] صحيح مسلم (١٩)
[4] التمهيد (١/ ٤٤)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب امت دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی پھر ان میں مذہبی رنگ غالب ہوا تو بدعتی گروہوں نے اپنے آپ کو سہارا دینے کے لیے احادیث وضع کرنی شروع کر دیں۔ حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے ان کے قضایا کا مجموعہ تیار ہوا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ مجموعہ منگوایا۔ اس میں سے کچھ باتیں لکھنے لگے اور بعض قضایا کے بارے میں فرمایا:

"واللّٰه ما قضى بهذا على الّا أن يكون ضلّ"[1]

"اللہ کی قسم! یہ علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، اِلا یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے ہوں۔"

ظاہر ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گمراہ نہیں ہوئے، وہ تو امام ہدیٰ تھے، یہ فیصلے ان کے نہیں تھے بلکہ ان کے نام سے گھڑے گئے تھے۔ اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے لکھے ہوئے تھے تو انھوں نے ایک ہاتھ کے برابر لکھی ہوئی تحریر باقی رکھی، باقی کو مٹا دیا۔[2]

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عبداللہ بن شداد مدینہ طیبہ آئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی، انھوں نے خوارج کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختلاف اور بالآخر ان کے خلاف جہاد کے بارے میں عبداللہ بن شداد سے پوچھا تو انھوں نے ساری تفصیل بیان فرمائی، انھوں نے فرمایا: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتول ابن الکواء کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے تو انھوں نے کیا کہا؟ عبداللہ بن شداد نے کہا کہ انھوں نے فرمایا: "صدق اللّٰه ورسوله" "اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔" سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کے علاوہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا؟ عبداللہ نے کہا: اللہ کی قسم نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

---

[1] مقدمه مسلم (٢٣) [2] أيضاً (٢٤)

"أجل، صدق الله ورسوله، يرحم الله علياً إنه كان من كلامه لا يرى شيئا يعجبه الّا قال: صدق الله ورسوله، فيذهب أهل العراق يكذبون عليه ويزيدون عليه في الحديث" [1]

"ہاں! اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، اللہ علی رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے وہ جب کسی عجیب چیز کو دیکھتے تو "صدق الله ورسوله" فرماتے تھے۔ اہلِ عراق ان پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ ان کی بات میں اضافہ کر دیتے ہیں۔"

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے بھی اہلِ کوفہ بالخصوص شیعانِ علی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باتوں میں اضافہ کرنے اور ان کے نام پر جھوٹ گھڑنے کی تصدیق ہوتی ہے۔

امام ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد جب ان کی طرف منسوب من گھڑت باتیں ایجاد ہوئیں تو ان ہی کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا: اللہ تعالیٰ انھیں غارت کرے، کس علم کو انھوں نے بگاڑ دیا ہے۔ [2]

حتی کہ حضرت مغیرہ رحمہ اللہ بن مِقسم ضَبی جو کوفہ کے حفاظ فقہاء میں شمار ہوتے ہیں، امام سفیان ثوری اور شعبہ جیسے اعیان ان کے حلقۂ تلمذ میں تھے، فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرنے والے اصحابِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ سچ نہیں بولتے تھے۔ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد (٦٥٦)، أبو يعلى (٤٧٤) قال الهيثمي رجاله ثقات، المجمع (٦ ٢٣٧، ٢٣٥)

[2] صحيح مسلم (٢٤)

[3] مقدمه مسلم (٢٥)، ابن عدى ترجمه عاصم بن ضمرة (٨ ١٧٨)، المعرفة للفسوي (٢ ٢٧٢)

"ان عامة ما يُروى عن علي الكذب"[1]

"اکثر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے وہ جھوٹ ہے۔"

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اہلِ بدعت میں سب سے زیادہ جھوٹی گواہی دینے والے رافضی ہیں۔[2]

حافظ ابو یعلی الخلیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہلِ کوفہ میں اتنے ضعفاء ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ بعض حفاظ نے کہا ہے کہ میں نے ان روایات پر غور وفکر کیا جو اہلِ کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے فضائل میں گھڑی گئی ہیں تو وہ تین لاکھ نکلیں۔[3]

حافظ الخلیلی رحمہ اللہ کی یہ بات حافظ ابن قیم نے المنار المنیف میں اور علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعۃ میں بھی ذکر کی ہے۔[4]

امام عامر الشعبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس امت میں جس قدر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر جھوٹ باندھا گیا ہے، کسی اور پر نہیں۔[5]

امام العقیلی رحمہ اللہ نے امام حماد رحمہ اللہ بن زید سے نقل کیا ہے کہ زندیقوں نے بارہ ہزار احادیث وضع کی ہیں۔[6] یہ قول علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے مقدمہ الموضوعات، علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مقدمۃ التمہید میں، خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے الکفایہ میں اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مقدمہ الموضوعات الکبیر میں بھی ذکر کیا ہے،[7] لیکن الموضوعات لابن جوزی میں بارہ ہزار کے بجائے چودہ ہزار ہے اور غالباً انہی سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تدریب الراوی میں بھی چودہ ہزار لکھ دیا ہے،[8] بلکہ حافظ

---

(1) صحيح البخاري (٣٧٠٧)
(2) الحلية (٩ ١١٤)، السنن للبيهقي (١٠ ٢٠٨)
(3) الإرشاد (١ ٤٢٠)
(4) المنار المنيف (ص: ١١٦)، تنزيه الشريعة (١ ٤٠٧)
(5) السير (٤ ٣٠٧)
(6) الضعفاء (١ ١٨٦)
(7) الموضوعات (١ ٣٨)، الكفاية (ص: ٤٣١)، الموضوعات الكبير (ص: ٦١)
(8) تدريب الراوي (١ ٢٨٤)

سخاوی رحمہ اللہ نے بھی چودہ ہزار نقل کیا ہے۔[1]

جعفر رحمہ اللہ بن سلیمان کہتے ہیں: میں نے خلیفہ محمد رحمہ اللہ بن عبداللہ المہدی سے سنا، فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک زندیق نے اعتراف کیا کہ میں نے چار سو احادیث وضع کی ہیں۔[2]

معلّی بن عبدالرحمان الواسطی کذاب جب فوت ہونے لگا تو اسے کہا گیا کہ تم توبہ کیوں نہیں کرتے تو اس نے کہا: کیا میں بخشے جانے کی امید رکھ سکتا ہوں؟ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ستر احادیث گھڑی ہیں۔[3]

حافظ الخلیلی رحمہ اللہ نے ہی ذکر کیا ہے کہ امام حمیدی کے وراق محمد بن ادریس نے کہا ہے کہ اہلِ مدینہ نے تجربۃً ستر احادیث بنا کر اہلِ عراق اور اہلِ بصرہ کے ہاں بھیجیں تو اہلِ بصرہ نے انھیں مردود کہہ کر واپس بھیج دیا اور کہا: یہ سب موضوع ہیں اور اہلِ کوفہ نے ہر حدیث کی اسانید بنا کے ہمارے پاس بھیج دیں۔[4]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منقول ہیں، مگر ان کی تین قسمیں ہیں: ① صحاح وحسان، ② ضعیف اور کمزور یہ زیادہ ہیں، ③ اباطیل وموضوعات۔ یہ بہت زیادہ ہیں اور بعض تو گمراہ کن اور زندقت پر مبنی ہیں۔[5] امام علی رحمہ اللہ بن موسیٰ کاظم کے نام سے ایک مستقل نسخہ وضع کیا گیا۔[6]

---

[1] فتح المغيث (1/ 300)

[2] الكامل، الكفاية (ص: 36، 431)، الموضوعات للقاري (ص: 62)، الموضوعات لابن الجوزي (1/ 38)

[3] الضعفاء للعقيلي (6/ 64)، ميزان، الموضوعات للقاري (ص: 63)

[4] الارشاد (1/ 421)

[5] تلخيص الموضوعات (ص: 194)، تنزيه الشريعة (1/ 407)

[6] السير (9/ 392)، المجروحين (2/ 106، 107)، ميزان (3/ 158)

اسی نوعیت کے کئی نسخے وضاعین نے تیار کیے، دیکھیے ذیل اللالی[1] علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے الموضوعات کے مقدمہ میں متعدد وضاعین کے اعترافات نقل کیے ہیں، جو احادیث وضع کرتے تھے۔[2]

علامہ برہان رحمہ اللہ الدین ابراہیم بن محمد الحلبی نے ''الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث'' میں وضاعین کو جمع کیا ہے اور اسی کا خلاصہ علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشرعیۃ کے مقدمہ میں پیش کیا۔ علامہ محمد بن طاہر فتنی نے بھی ''قانون الأخبار الموضوعة'' کے نام پر وضاعین اور ضعفاء کو جمع کیا ہے۔

احادیث میں کذب و افتراء کی آمیزش ہی کی بنا پر امام ابن سیرین اور امام ابن مبارک وغیرہما رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ علمِ حدیث دین ہے اس لیے دیکھ لیا کرو کہ تم دین کن سے لیتے ہو۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''لم يكونوا يسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا: سموالنا رجالكم الخ''[3]

پہلے سند کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے پھر جب فتنہ رونما ہوا تو انھوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے راویوں کا نام پیش کرو۔ امام ابو العباس احمد بن عمر القرطبی نے کہا ہے کہ ''فتنہ'' سے سیدنا عثمان کی شہادت اور خوارج کا فتنہ مراد ہے جنھوں نے حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کی، قاتلین عثمان اور خوارج فاسق تھے۔ جن کی روایات ان حضرات کی روایات سے خلط ملط ہوگئیں جو اس فتنہ سے بری الذمہ تھے۔[4]

قاتلینِ عثمان ہی تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام پر جھوٹا خط لکھا تھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''والله ما كتبت إليكم كتاباً قط'' ''اللہ کی قسم! میں

---

[1] ذیل اللآلیٔ (ص: ۵۰۷، ۵۲۶)
[2] نیز دیکھیں: تدریب الراوی (۱/ ۲۸۴ تا ۲۹۱)
[3] مقدمہ مسلم (ص: ۲۷) وغیرہ
[4] المفہم (۱/ ۵۶)

نے کبھی تمھاری طرف خط نہیں لکھا۔‘‘[1] مگر امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مختار ثقفی کے دور میں سند کے بارے میں استفسار کا آغاز ہوا۔[2] لیکن یہ قول محلِ نظر ہے، کیونکہ اس کا راوی جابر بن نوح ضعیف ہے۔[3] تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ مختار ثقفی ہزار دو ہزار دینار دے کر اپنی حمایت میں احادیث وضع کرنے پر آمادہ کرتا تھا۔ (شرح العلل) محمد بن عمار بن یاسر نے اس کی بات نہ مانی تو انھیں قتل کروا دیا۔[4]

یہ قول قابلِ غور ہے کہ مختار ۶۷ھ میں قتل ہوا شہادتِ علی رضی اللہ عنہ کے بعد اس نے پَرزے نکالے پھر اس نے کیا جو کچھ کیا حتی کہ نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت محمد رحمہ اللہ بن حنفیہ کے نام سے ایک جھوٹا خط شیعانِ علی میں پھیلایا کہ انھوں نے مجھے شیعانِ علی کی حمایت کے لیے مقرر کیا ہے، جب کہ جھوٹ کی ابتدا شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو چکی تھی۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا مذکورۃ الصدر قول امام العقیلی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا اور اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ان کے نزدیک ابو قلابہ رحمہ اللہ کی حدیث بیان کی گئی تو انھوں نے فرمایا: ابو قلابہ عبد اللہ بن زید متہم نہیں لیکن ابو قلابہ نے یہ کس سے روایات کی ہیں۔[5] اسی نوعیت کے اور اقوال بھی انھوں نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیے ہیں۔[6]

اسی لیے محدثین رحمہم اللہ نے اسانید کا اہتمام کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام عبداللہ رحمہ اللہ بن مبارک کے سامنے ابو اسحاق رحمہ اللہ ابراہیم رحمہ اللہ بن عیسیٰ الطالقانی نے ایک حدیث ذکر کی:

---

[1] ابن أبي شيبة (١٥ ٦١٧)، فضائل الصحابة للأحمد (١ ٥٧٦)، زوائد ابن حبان (٢١٩٩)

[2] شرح العلل لابن رجب (١ ٣٥٥) [3] تقريب (ص: ٥٣)

[4] الجرح والتعديل (٨ ٤٣)، تهذيب (١٢ ١٤٥)

[5] مقدمة الضعفاء (١ ١٧٥، ١٧٦، ١٩٩)

[6] نیز دیکھیں: المجروحين (١ ٢٣، ٢٤)، التمهيد (١ ١٥٥)

"ان من البر بعد البر ان تصلی لأبويك مع صلاتك وتصوم
لهما مع صومك"

والدین کے لیے نیکی کے بعد نیکی یہ ہے تم اپنی نماز کے ساتھ والدین
کے ایصال ثواب کے لیے نماز پڑھو۔ اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے
لیے روزہ رکھو۔"

امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابو اسحاق رحمہ اللہ! یہ حدیث کس سے ہے، تو انھوں نے کہا: شہاب بن خراش رحمہ اللہ سے، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ثقہ ہے وہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ میں نے کہا: الحجاج بن دینار رحمہ اللہ سے انھوں نے فرمایا: وہ ثقہ ہے وہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، انھوں نے فرمایا: اے ابو اسحاق! الحجاج بن دینار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین اتنا فاصلہ ہے کہ اسے طے کرتے ہوئے سواریوں کی گردنیں ٹوٹ جائیں۔ [1]

امام سفیان رحمہ اللہ بن عیینہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے ایک روز حدیث بیان کی تو میں نے کہا: آپ یہ احادیث بغیر سند کے بیان کر دیں تو انھوں نے فرمایا:

"أرتقي السطح بلا سلم" [2]

"کیا میں چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھ جاؤں۔"

اسحاق بن ابی فروۃ نے بلاسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تمھیں ہلاک کرے، تم کس قدر جرأت کر رہے ہو تم ہمیں ایسی حدیث بیان کرتے ہو جس کی کوئی نکیل نہیں۔ [3]

---

[1] مقدمہ (۳۲)، الكفايہ (ص: ۳۹۲)، تقدمة الجرح والتعديل (۱/ ۲۷٤)

[2] جامع التحصيل (ص: ٥٩)

[3] المعرفة للحاكم (ص: ٦)، المجروحين (۱/ ۱۳۱)، العلل الصغير للترمذي مع شرح ابن رجب (۱/ ٥۲۹) وغيرهم.

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسانید مومن کے لیے اسلحہ ہے اگر اسلحہ نہیں ہوگا تو وہ دشمن سے لڑے گا کیسے؟ [1]

امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس حدیث میں حدثنا، أخبرنا نہیں اس کی مثال اس شخص کی ہے جو جنگل میں نکیل کے بغیر اونٹ پر سواری کر رہا ہے۔ [2]

امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا:

"لا تنظروا إلى الحديث ولكن انظروا إلى الإسناد" [3]

''حدیث کی طرف نہ دیکھو بلکہ اسناد کی طرف دیکھو'' کہ وہ کیسی ہے اور بیان کرنے والے کیسے ہیں؟

اس لیے وہ اکثر ثقات سے روایات لیتے، ضعفاء وغیرہ سے روایت تحقیقِ حق کے لیے لیتے تھے۔ سند کے اتصال و انقطاع کے علاوہ وہ راوی کے طور و اطوار کو بھی دیکھتے۔ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تابعین حضرات جب کسی سے حدیث لیتے تو وہ اس کی نماز، اس کا طرزِ عمل اس کی شکل وصورت کو دیکھتے پھر اس سے حدیث لیتے، ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم جس کسی کے پاس حدیث لینے کے لیے جاتے تو دیکھتے وہ نماز کیسے پڑھتا ہے؟ اگر نماز درست طریقے پر پڑھتا ہے تو ہم سمجھتے اس کے دوسرے معاملات بھی درست ہوں گے۔ [4]

الحسن بن صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہم کسی سے احادیث لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے، یہاں تک کہ ہمیں کہا جاتا کیا اس سے رشتۂ نکاح کا ارادہ ہے۔ [5]

اسی نوعیت کے اور اقوال بھی محدثین سے منقول ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے

---

[1] المجروحين (١/ ٢٧) [2] أيضاً (١/ ٢٧)

[3] السير (٩/ ١٨٨) [4] سنن الدارمي (١/ ٩٣، ٩٤) [5] الكفاية (ص: ٩٣)

فرمایا ہے کہ اگر اسانید نہ ہوتیں اور محدثین کا اس بارے میں اہتمام نہ ہوتا اور انھیں یاد کرنے میں باکثرت مواظبت نہ ہوتی تو اسلام کا مینار مٹ جاتا، ملحدین اور بدعتی احادیث گھڑنے میں اور اسانید کو بدلنے میں کامیاب ہو جاتے، اس لیے اگر احادیث کی اسانید نہ ہوتیں تو وہ ختم ہو جاتیں۔[1]

محدثین کرام رحمہم اللہ کے اسانید کے اسی اہتمام کا نتیجہ ہے کہ احادیث ہی نہیں تفسیری مرفوع و موقوف روایات، تاریخی واقعات وقصص کے بیان کرنے میں بھی اسانید کا اہتمام ہوا، قصص اور کہانیاں، حتی کہ ادب اور لغت کے بارے میں بھی اسے ملحوظ رکھا گیا۔ چنانچہ خطیب بغدادی کی "التطفیل و حکایات الطفیلیین، اخبار البخلاء، أخبار الظراف و المتماجنین" حافظ ابن جوزی کی "تلبیس إبلیس"، "أخبار الأذکیا، أخبار الحمقی والمغفلین"، علامہ ابو الفرج علی بن حسین اصبہانی کی "الأغاني" اور اسی نوعیت کی دیگر کتب جو قصص اور واقعات پر مشتمل ہیں، بلکہ جرح و تعدیل کے اقوال بھی متاخرین نے بالاسناد نقل کیے ہیں۔ تاریخ بغداد ہو یا الضعفاء پر مشتمل کتابیں جیسے الکامل لابن عدی، الضعفاء للعقیلي، المجروحین لابن حبان وغیرہ سب اسانید پر مشتمل ہیں، حتی کہ کتبِ احادیث وغیرہ کی نقول بھی سماعات کے بغیر نہیں ہیں۔

سند کا اہتمام اس امت کا خاصہ ہے:

حقیقت واقعی یہ ہے کہ سند کا یہ اہتمام اس امت کا خاصہ ہے۔ حافظ ابن حزم اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"هذا نقل خص الله تعالىٰ به المسلمين دون سائر أهل الملل كلها الخ"[2]

---

[1] المعرفة (ص: ٦)

[2] الملل والنحل (٢/ ٨٢)

اتصال سند کے ساتھ نقلِ دین کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے خاص کیا۔ دوسری تمام امتوں میں یہ طریقہ نہیں ہے۔ یہی بات بڑی تفصیل سے امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔[1] امام ابو بکر احمد بن محمد بن راشد بن معدان الثقفی الاصبہانی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین خصائص سے نوازا ہے ایک سند کا اہتمام دوسرا نسب نامے کا اہتمام اور تیسرا الاعراب۔ یہ اتصالِ سند قرآن مجید کے ثبوت میں بھی اور احادیث و آثار کے ثبوت میں بھی ہے۔ اہلِ اسلام پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں۔ اور یہ قرآن پاک ہے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل علیہ السلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ۹]

لیکن یہودی ہوں یا عیسائی، وہ اس یقین سے کہنے کی پوزیشن میں قطعاً نہیں کہ یہ تورات ہے یہ انجیل ہے، بلکہ تورات و انجیل نام کا علم ہمیں قرآن مجید سے ملا ہے تورات و انجیل میں تو ان کا نام بھی نہیں انجیل اللہ تعالیٰ نے ایک نازل فرمائی مگر آج چار انجیلیں ہیں۔ یہود و نصاریٰ یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمودہ ہے، اس لیے کہ ان کے پاس کوئی سند اور کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ بلکہ دونوں کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کی اتنی مثالیں ہیں، جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حافظ ابن حزم نے الملل میں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الجواب الصحیح میں اس کی متعدد مثالیں دی ہیں، بلکہ علمائے پاک و ہند نے اس کے ثبوت پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

---

[1] شرف أصحاب الحديث (ص: ٤٠)

"الإسناد من خصائص هذه الأمة، وهو من خصائص الاسلام ثم هو في الإسلام من خصائص أهل السنة والرافضة أقلّ عناية به"[1]

اسناد کا اہتمام اس امت کے خصائص میں سے ہے، بلکہ یہ اسلام کے خصائص میں سے ہے، پھر اسلام میں یہ اہلِ سنت کے خصائص میں سے ہے۔ روافض اس کا بہت کم اہتمام کرتے ہیں۔ یہ اور اسی نوعیت کے دیگر اہلِ علم کے اقوال کو شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "الاسناد من الدین" اور "وصفحة مشرفة من تاريخ سماع الحديث عند المحدثين" میں جمع کر دیا ہے۔

علمِ تاریخ کا اہتمام

اسانید کو محفوظ ہی نہیں کیا، بلکہ ان کے ایک ایک راوی کے ضروری احوال کو بھی محفوظ کیا، انھیں کس کس سے تلمذ حاصل ہے اور ان سے سماع کس کس نے کیا۔ ان کے حفظ و ضبط کی نوعیت کیا تھی اور ان کا عمل و کردار کیسا تھا، وہ کب پیدا ہوئے اور کب فوت ہوئے؟

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ"[2]

جب راویوں نے جھوٹ کو معمول بنایا ہم نے ان کے لیے تاریخ کو معمول بنایا۔ حسان بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کذابین کے محاسبہ کے لیے تاریخ جیسی کوئی چیز نہیں، شیخ سے کہا جاتا آپ کب پیدا ہوئے ہیں؟ جب وہ اپنے سنہ پیدائش کا اقرار کرتا تو ہم اس کی تاریخ وفات سے اس کے کذب سے صدق کو پہچان لیتے۔[3]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١١)
[2] الکفایة (١١٩)، اعلان بالتوبیخ (ص: ٩)
[3] اعلان (ص: ٩)، الجامع للخطیب (١/ ١٣١، رقم: ١٤٣)، تاریخ بغداد (٧/ ٣٥٧)

مگر فتح المغیث للسخاوی، تدریب الراوی میں[1] حسان بن زید کی بجائے حسان بن یزید ہے جو درست نہیں۔ حفص بن غیاث فرماتے ہیں کہ جب تم کسی شیخ کو متہم سمجھو تو اس کا محاسبہ سنین سے کرو، یعنی اس کی عمر اور اس سے روایت کرنے والے کی عمر کا حساب کرو۔[2]

اسماعیل رحمہ اللہ بن عیاش نے ایک شخص کی آزمایش کے لیے پوچھا کس سن میں تم نے خالد رحمہ اللہ بن معدان سے احادیث لکھی ہیں؟ تو اس نے کہا: ۱۱۳ھ میں تو اسماعیل رحمہ اللہ بن عیاش نے فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ تم نے ان سے ان کی وفات کے سات سال بعد سماع کیا ہے۔[3]

عفیر بن معدان الکلاعی فرماتے ہیں: ہمارے ہاں حمص میں عمر بن موسیٰ آئے، مسجد میں ہم بیٹھے تھے تو عمر بن موسیٰ نے کہا: ہمیں تمھارے ایک صالح شیخ نے حدیث بیان کی تو میں نے پوچھ لیا کہ وہ شیخ صالح کون ہیں تو اس نے کہا: خالد بن معدان، میں نے کہا: تم انھیں کس سال ملے تھے؟ تو اس نے کہا: ۱۰۸ھ میں۔ میں نے کہا: یہ ملاقات کہاں ہوئی تھی؟ اس نے کہا: ارمینیہ کی لڑائی کے موقعہ پر۔ میں نے اسے کہا: اے شیخ! اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو، خالد بن معدان تو ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے تھے اور تم سمجھتے ہو کہ ان کی وفات کے چار سال بعد ان سے ملے ہو۔ پھر وہ ارمینیہ کی لڑائی میں بالکل شامل نہیں ہوئے، بلکہ روم کے ساتھ لڑائی میں شامل تھے۔[4]

یاد رہے کہ امام خالد رحمہ اللہ بن معدان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض

---

(1) فتح المغیث للسخاوی (٤/ ٣١١)، تدریب الراوی (٢/ ٣٥٠)

(2) الکفایة (ص: ١١٩، ١٢٠)، تدریب، فتح المغیث اعلان بالتوبیخ

(3) الجامع للخطیب (١٤٨)، المجروحین (١/ ٧١) وغیرہ

(4) الکفایة (ص: ١١٩)، الجرح والتعدیل (٦/ ١٣٣)، میزان (٣/ ٢٢٥) وغیرہ

نے ۱۰۳ھ بعض نے ۱۰۴ھ بعض نے ۱۰۵ھ، ۱۰۶ھ، بعض نے ۱۰۸ھ ذکر کی ہے۔[1]

سہیل رحمہ اللہ بن ذکوان ابو السندی نے کہا کہ میں واسط میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملا ہوں، حالانکہ واسط کی بنیاد الحجاج نے رکھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا واسط کی بنیاد رکھنے سے عرصہ پہلے وفات پا گئی تھیں۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ معلیٰ بن عرفان نے کہا: "حدثنا أبو وائل قال: خرج علينا ابن مسعود بصفين" کہ ہمیں ابو وائل نے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صفین میں شامل تھے، امام ابونعیم فضل بن دکین نے فرمایا کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وفات کے بعد آ گئے تھے، جب کہ وہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پا گئے تھے۔[3]

اسی نوعیت کی وہ حدیث ہے جسے اصبغ بن خلیل مالکی قاضی نے بیان کیا، جو پچاس سال تک اندلس کا قاضی رہا:

"حدثنا الغازی بن قيس عن سلمة بن وردان عن ابن شهاب عن الربيع بن خثيم عن ابن مسعود قال: صليت خلف النبي ﷺ و خلف أبي بكر و عمر ثنتي عشرة سنة وخمسة أشهر، وخلف عثمان ثنتی عشرة سنة، وخلف علی بالكوفة خمس سنين، فلم يرفع أحد منهم يديه إلا في تكبيرة الإحرام افتتاح وحدها"[4]

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے اور سیدنا

---

[1] تهذیب (٤ ٢١)، فتح المغیث (٤ ٣١١)

[2] لسان المیزان (٣ ١٢٥)، میزان (٢ ٢٤٢)، اعلان بالتوبیخ (ص: ٩) وغیرہ

[3] مقدمہ مسلم (٨٣)، میزان (٤ ١٤٩)، الاعلان (ص: ١٠)

[4] ذیل اللالیٔ (ص: ٢٨٦، رقم: ٥٠٠)، میزان (١ ٥٦٩)، لسان وغیرہ

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے بارہ سال پانچ ماہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بارہ سال اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پانچ سال نمازیں پڑھیں، ان میں سے کوئی بھی تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بالاتفاق خلافتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پا گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے انھوں نے دوبارہ زندہ ہو کے نمازیں پڑھیں؟ علاوہ ازیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلمہ بن وردان نے امام زہری رضی اللہ عنہ سے اور امام زہری رحمہ اللہ نے ربیع رحمہ اللہ بن خثیم سے کوئی روایت نہیں کی، بلکہ انھیں دیکھا بھی نہیں ہے، جیسا کہ اللالی، میزان، لسان، ترتیب المدارک اور تنزیہ الشریعہ وغیرہ میں ہے۔[1]

قاضی اصبغ کی عصبیت کا اندازہ لگائیں کہ اس نے کہا: میرے کفن میں خنزیر کا سر ہو تو یہ مجھے پسند ہے، اس سے کہ اس میں مصنف ابن ابی شیبہ ہو۔[2]

گذشتہ اوراق میں ہم اسی نوعیت کا ایک واقعہ یہودیوں کے دجل وفریب کا ذکر کر آئے ہیں جو انھوں نے ۴۴۷ھ میں عباسی خلیفہ القائم بامر اللہ کے دور میں رچایا تھا جس کے کذب و دجل کا پردہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخی لحاظ سے چاک کر دیا تھا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو الولید الطیالسی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے عامر بن صالح ابوبکر بن ابی عامر الخزاز کی احادیث لکھی ہیں، ایک روز اس نے کہا: ”حدثنا عطاء بن أبي رباح“ تو میں نے انھیں کہا: آپ نے کس سال ان سے سماع کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ۱۲۴ھ میں، میں نے کہا: عطاء تو ۱۱۰ھ کے کچھ بعد فوت ہو گئے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو وہ کذاب ہے اور اگر اسے عطاء بن السائب سے غلطی لگی ہے تو وہ متروک ہے۔[3] البتہ

---

[1] میزان (۱ ۲۶۹)، لسان (۱ ۴۵۸)، ترتیب المدارک (۳ ۱۴۳)، تنزیہ الشریعۃ (۲ ۱۲۲)

[2] میزان [3] میزان (۲ ۳۶۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ عامر کو غلطی لگی ہے شاید وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ وہ ۱۱۴ھ میں فوت ہوئے۔ واللہ أعلم[1]

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے علامہ سرخسی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کی ''السیر الکبیر'' کے بارے میں لکھا ہے: ''هو آخر تصنیف صنفه محمد في الفقه'' ''فقہ میں یہ امام محمد رحمہ اللہ کی آخری تصنیف ہے۔'' اور اس کا سببِ تصنیف بھی لکھا کہ جب انھوں نے ''السیر الصغیر'' لکھی تو وہ امام عبدالرحمان رحمہ اللہ بن عمرو الاوزاعی کے ہاتھ لگی، انھوں نے فرمایا: یہ کس کی کتاب ہے؟ تو انھیں بتلایا گیا کہ یہ محمد العراقی رحمہ اللہ کی ہے تو انھوں نے کہا: اس موضوع پر اہلِ عراق اور ان کی تصنیف کیا ہوئی؟ انھیں سیر و مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا علم؟ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو شام اور حجاز میں تھے نہ کہ عراق میں، یہ بات امام محمد رحمہ اللہ تک پہنچی تو وہ بڑے غصے میں آئے اور اپنے آپ کو تمام امور سے فارغ کر کے یکسو کر لیا تا آنکہ یہ کتاب لکھی، جب امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اسے دیکھا تو اس کی تعریف کی۔ ملخصاً[2]

یہ کہانی بڑی خوب صورت ہے، مگر محلِ غور یہ بات ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ ۱۵۷ھ میں وفات پا جاتے ہیں،[3] جب کہ امام محمد رحمہ اللہ ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ میں وفات پائی۔[4] گویا امام اوزاعی رحمہ اللہ کی وفات کے ۳۱، ۳۲ سال بعد فوت ہوئے، جب کہ السیر الکبیر کو ان کی آخری تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اسے ملاحظہ بھی فرمایا جس کے معنی یہ ہیں کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی وفات ۱۵۷ھ سے عرصہ پہلے وہ اسے مکمل کر چکے تھے۔ تو کیا ۳۲ سال

---

[1] تهذیب (٦/ ٣٤٨)

[2] رسائل ابن عابدین (١/ ١٩)، رساله عقود رسم المفتی، کشف الظنون (٢/ ١٠١٤)

[3] تقریب (ص: ٢٠٧)، السیر (٧/ ١٢٧، ١٢٨) وغیره.

[4] السیر، شذرات الذهب (١/ ٣٢١) وغیره

کے طویل عرصے میں امام محمد رحمہ اللہ نے خاموشی کی زندگی گزار دی اور اس دوران میں کوئی کتاب تحریر میں نہیں لائے؟ مزید برآں ''السیر الکبیر'' کے بارے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کی تکمیل کے بعد انھوں نے اسے ساٹھ اجزاء میں لکھنے کا حکم دیا اور جلد از جلد اسے خلیفۃ الرشید تک پہنچانے کا حکم فرمایا۔ خلیفہ نے اسے بے حد پسند کیا اور اولاد کو حکم دیا کہ وہ اس کا ان سے سماع کریں، چنانچہ الامین اور مامون نے اس کا سماع کیا۔[1]

جب کہ الامین محمد بن الرشید ۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور المامون عبداللہ بن الرشید ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے، جیسا کہ تاریخ الخلفاء[2] وغیرہ میں ہے۔ یوں ان کی عمر امام محمد رحمہ اللہ کی وفات (۱۸۹ھ) کے وقت ۱۸ / ۱۹ سال کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان کا امام محمد رحمہ اللہ سے السیر الکبیر کا سماع سنِ شعور ہی میں ہوگا۔ یوں امام محمد رحمہ اللہ سے ان کا سماع تقریباً ۱۷۷ / ۱۷۸ میں ہوا ہوگا اور بتلایا یہ جاتا ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۵۷ھ) نے اسے دیکھا اور اس کی تعریف کی اور امام محمد رحمہ اللہ اسے عرصہ پہلے مدون کر چکے تھے۔ محلِ غور بات یہ ہے کہ خلیفہ الرشید ۱۷۰ھ میں اپنے بھائی کی وفات کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو امام محمد رحمہ اللہ نے ۱۳ / ۱۴ سال تک اس عظیم الشان کتاب کو متعارف کروانے کے لیے توجہ ہی نہیں دی؟

اس لیے تاریخی اعتبار سے ''السیر الکبیر'' کو امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ملاحظہ کرنا مشکوک ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ الکوثری رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ کی آخری کتاب ہونے اور خلیفہ الرشید کے دربار میں پہنچنے اور الامین اور مامون کے سماع کا تو ذکر کرتے ہیں، مگر امام اوزاعی رحمہ اللہ کے ملاحظہ کرنے اور اس کی تعریف کرنے کا ذکر نہیں کرتے، بلکہ وہ ''السیر الصغیر'' کے ذکر میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کا اس پر رد کرنا اور قاضی

---

[1] كشف الظنون، بلوغ الأماني للشيخ الكوثري (ص: ١٩٨)

[2] تاريخ الخلفاء (ص: ٣٠٣، ٣١٦)

ابو یوسف رحمہ اللہ کی ''الرد علی سیر الأوزاعي'' کا ذکر تو کرتے ہیں،[1] مگر امام اوزاعی رحمہ اللہ کے جواب میں ''السیر الکبیر'' اور اس سے متعلقہ کہانی کا اشارہ تک نہیں کرتے، کیوں کہ تاریخی اعتبار سے یہ مشکوک اور نا قابلِ قبول ہے۔

علامہ السرخسی رحمہ اللہ اپنی تمام تر فقہی بصیرت کے باوصف نقل روایات میں بڑے متساہل ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ المبسوط کی ابتدا ہی میں پہلی یہ روایت نقل کرتے ہیں: ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة''[2] حالانکہ حدیث کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ''مسلمة'' کا لفظ کسی بھی سند سے مذکور نہیں۔ جیسا کہ علامہ السخاوی رحمہ اللہ نے المقاصد الحسنہ میں کہا ہے، بلکہ پہلے الفاظ بھی تمام تر ضعیف روایات پر مشتمل ہیں۔ انھوں نے ہی ''السیر الکبیر'' کے حوالے سے یہ کہانی ذکر کی، بلکہ ''شرح السیر الکبیر'' میں یہ بھی لکھا کہ امام محمد رحمہ اللہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے نالاں تھے، اس کا جو سبب انھوں نے ذکر کیا اس کو علامہ کوثری رحمہ اللہ نے من گھڑت قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ کہانی علامہ سرخسی رحمہ اللہ کے شایانِ شان نہ تھی کہ اسے ذکر کرتے۔[3]

مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ''السیر الکبیر'' کے متعلقہ کہانی بھی اسی قبیل سے ہے اور اس میں جو بے اصل احادیث منقول ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ اگر اس قصے کی کوئی حقیقت ہوتی تو شیخ الکوثری اسے امام محمد رحمہ اللہ کی رفعت شان میں ذکر کرنے سے نہ چوکتے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ راویوں کے پرکھنے اور اس کے سچا جھوٹا ہونے کے لیے حضرات محدثین رحمہم اللہ نے سند، راویوں کے حالات و احوال اور ان کی تاریخ پیدایش و وفات تک معلوم کرنے کی کوشش کی، تا کہ روایت کی صحت و ضعف معلوم ہو۔

---

[1] حسن التقاضي (ص: ٩٢)، بلوغ الأماني (ص: ١٩٧)

[2] المبسوط (١ ٢)

[3] بلوغ الامانی (ص: ١٧٧)

الجرح والتعدیل:

اسی طرح راویوں کو پرکھنے کے لیے مختلف جہتوں کا اہتمام کیا اور جس کے بارے میں وہ جس نتیجے پر پہنچے بلاخوف ملامت اس کا اظہار کیا خواہ وہ ان کا قریبی عزیز اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے والد عبداللہ بن جعفر ابو جعفر المدینی پر محدثین نے کلام کیا ہے، حتی کہ امام علی رحمہ اللہ بن عبداللہ ابن المدینی سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: کسی اور سے پوچھ لو، مگر سائل نے کہا: ہم آپ سے پوچھتے ہیں تو "فأطرق ثم رفع رأسه وقال: هذا هو الدين أبي ضعيف" انھوں نے تھوڑی دیر کے لیے سر نیچے کیا: پھر سر اٹھا کے فرمایا: یہ تو دین کا معاملہ ہے، میرا باپ ضعیف ہے۔ امام قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ بغداد گئے وہاں مجلس املاء منعقد ہوئی، امام قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا: "حدثني عبد الله بن جعفر" کہ مجھے عبداللہ بن جعفر نے حدیث بیان کی، تو مجلس میں ایک نوجوان نے کہا: "يا أبا رجاء ابنه واجد عليه فاذا رضي عنه كتبنا حديثه" "اے ابو رجاء! عبداللہ بن جعفر کا بیٹا اس پر ناراض ہے وہ جب اس سے راضی ہو جائیں گے تب ہم اس کی حدیث لکھیں گے۔"[1]

یحیٰ بن ابی انیسۃ الجزری جامع ترمذی کے راوی ہیں ان کے بھائی زید بن ابی انیسہ کہتے تھے: "لا تكتب عن أخي، فإنه كذاب" "میرے بھائی سے حدیث نہ لکھو وہ کذاب ہے۔"[2]

الحسین بن ابی السری المتوکل العسقلانی کے بارے میں انہی کے بھائی محمد بن ابی السری کہتے تھے: "لا تكتبوا عن أخي فإنه كذاب" "میرے بھائی کی

---

[1] المجروحين (٢ ١٥)

[2] الجرح والتعديل (٩ ١٣٠)، ميزان (٤ ٣٦٤)، تهذيب (١٤ ٣٦٢)

احادیث نہ لکھو وہ کذاب ہے۔''[1]

اسی کے بارے میں ابوعروبہ الحرانی کہتے ہیں: ''هو خال أمي كذاب'' ''وہ میری ماں کا ماموں اور کذاب ہے۔''

انس بن عبدالحمید کے بارے میں ان کے بھائی جریر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''يكذب في حديث الناس فلا يكتب عنه'' ''وہ لوگوں کی باتوں میں جھوٹ ملاتا ہے اس لیے اس سے احادیث نہ لکھی جائیں۔''[2]

الجارود رحمہ اللہ بن یزید ابوعلی النیساپوری کے بارے میں ان کے پوتے حافظ محمد بن النضر بن سلمۃ بن الجارود الجارودی جب اپنے دادا کی قبر کے پاس مقبرہ الحسین بن معاذ کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: ''يا أبت لو لم تحدث بحديث بهز بن حكيم لزرتك'' ''اے ابا! اگر آپ نے بہز بن حکیم کی حدیث بیان نہ کی ہوتی تو میں آپ قبر کی زیارت کے لیے آتا۔''[3]

امام یحییٰ رحمہ اللہ بن معین نے امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ سے ان کی کتاب الجامع الصغیر کا سماع کیا اور اس کو لکھا۔[4] لیکن استاد ہونے کے باوجود انھوں نے کہا کہ محمد بن حسن ''ليس بشيء''[5] بلکہ انھوں نے کذاب بھی کہا ہے۔[6]

یہ اور اسی نوعیت کے دیگر واقعات اس بات کے مشعر ہیں کہ محدثین کرام بے لوث اور بلاخوف لومۃ لائم راویوں پر جرح ونقد کرتے اور جس کی جو پوزیشن ہوتی

---

[1] میزان (١/ ٥٣٦)، تهذيب (٣/ ٣٣٧)

[2] الجرح والتعديل (٢/ ٢٨٩)، لسان (١/ ٤٦٩)

[3] السنن الكبرى للبيهقي (١٠/ ٢١٠)، ميزان (١/ ٣٨٤)، لسان (٢/ ٩٠)، فيض القدير (١/ ١١٦)

[4] تاريخ بغداد (٢/ ١٧٦) وغيره

[5] التاريخ لابن معين برواية الدوري (٢/ ٥١١، رقم: ١٧٧٠)

[6] تاريخ بغداد (٢/ ١٨٠، ١٨١)، لسان (٥/ ١٢٢) وغيره

اسے واضح کر دیتے وہ اسے ایک دینی امانت سمجھتے تھے یہ الگ بات ہے کہ مزاج کے اعتبار سے بعض متشددین میں بعض متساہلین میں اور بعض معتدلین میں شمار ہوتے ہیں اور یہ بھی ان کی امانت و دیانت ہی کا تقاضا ہے کہ جرح و تعدیل کرنے والوں کے بارے میں ان کے مزاج اور ان کی طبیعت اور طرزِ عمل کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے، تاکہ کلمۂ حق تک پہنچنے میں آسانی رہے۔

جرح و تعدیل غیبت نہیں:

محدثین کرام رحمہم اللہ نے جب راویوں کی کمزوریوں کا ذکر کیا اور انھیں تحقیق کے بعد ضعیف، سیّ ء الحفظ، فاحش الخطاء، متروک، لیس بشی ء لوگوں کی باتوں میں جھوٹ ملانے پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے پر یکذب فی الحدیث کہا تو بعض نیک لوگوں کو یہ ناگوار گزرا اور اسے غیبت سے تعبیر کیا۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ترجمہ میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ان سے بعض صوفیائے کرام نے سنا کہ وہ راویوں کے بارے میں کلام کرتے تو انھوں نے کہا:

"یا أبا عبد الرحمن تغتاب، قال: اسکت، إذا لم نبین فمن این یعرف الحق من الباطل؟"[1]

"اے ابو عبدالرحمان! غیبت کرتے ہو؟ انھوں نے فرمایا: خاموش رہو، اگر ہم یہ بیان نہ کریں تو حق کی باطل سے کیسے پہچان ہو گی۔"

اسی طرح قاضی ابن ابی یعلی نے شیخ ابو تراب النخشبی رحمہ اللہ عسکر بن الحصین کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آئے، امام صاحب فرما رہے تھے کہ فلاں ضعیف اور فلاں ثقہ ہے۔ ابو تراب رحمہ اللہ کہنے لگے: "یا شیخ لا تغتب العلماء" "اے شیخ! علماء کی غیبت نہ کرو" امام احمد رحمہ اللہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر

---

[1] ترتیب المدارك (۱/ ۳۰۹)، الکفایة (ص: ۴۵)، شرح العلل لابن رجب (۱/ ۳۴۹، ۳۵۱)

فرمایا: ”ویحك! هذا نصیحة، لیس بغیبة“[1] ”تم پر افسوس ہے، یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں۔“

اسی طرح محمد بن الفضل عباسی فرماتے ہیں ہم امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے ہاں کتاب الجرح والتعدیل پڑھ رہے تھے کہ شیخ یوسف رحمہ اللہ بن الحسین آئے انھوں نے کہا: ابو محمد! میں تمھیں حیا دلاتا ہوں، ان لوگوں میں (جن پر آپ جرح کر رہے ہیں) کتنے ہیں جنھوں نے سو یا دو سو سال سے اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیا ہے اور تم زمین پر ان کی غیبت میں مشغول ہو۔ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ یہ بات سن کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: اے ابو یعقوب! اگر یہ بات میں پہلے سن لیتا تو یہ کتاب نہ لکھتا۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ یہ واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کو معاف فرمائے اگر وہ فقیہ ہوتے تو وہ یوسف بن الحسین کی تردید کرتے جیسے امام احمد رحمہ اللہ نے شیخ ابو تراب رحمہ اللہ کی تردید کی کہ اگر جرح و تعدیل نہ ہو تو صحیح کو باطل سے کیسے پہچانا جائے۔[2]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام یحییٰ رحمہ اللہ بن معین کا قول بھی اسی نوعیت کا لکھا ہے کہ ہم بعض پر نقد و جرح کرتے ہیں، جب کہ انھوں نے اپنے دو سو (بلکہ ایک سو) سال سے زیادہ عرصہ سے اپنے بستر جنت میں بچھائے ہوئے ہیں۔ محمد بن مہرویہ الرازی کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کا ذکر امام ابن ابی حاتم سے کیا جب لوگ ”الجرح والتعدیل“ کا ان سے سماع کر رہے تھے تو وہ آبدیدہ ہو گئے، ہاتھ کانپنے لگے یہاں تک کہ کتاب ہاتھ سے گر گئی اور مجھے فرمایا: یہ قصہ دوبارہ سناؤ۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ یہ قصہ ذکر کر کے فرماتے ہیں یہ آخرت کے خوف کا نتیجہ تھا ورنہ ضعفاء پر، پرہیز گار ناقدین کا نقد دین الٰہی کی خیر خواہی اور سنت کی حفاظت کے لیے ہے۔[3] امام

---

[1] طبقات الحنابله (١ ٢٤٨، ٢٤٩)، تلبيس ابليس (ص: ٢٩٢)، اعلان بالتوبيخ، شرح العلل (ص: ٩٤)

[2] تلبیس إبلیس (ص: ٢٩٢)

[3] السیر (١٣ ٢٦٨)، التذكرة (٣ ٨٣١)

یحییٰ رحمہ اللہ کا یہ فرمان بھی ان کے ورع اور خوف کا نتیجہ ہے اور ایسے راویوں کے بارے میں ہے جو اپنی صالحیت کے ساتھ ساتھ سیٔ الحفظ اور اصحاب خطا و وہم ہیں وضاع، کذاب اور متروک راویوں کے بارے میں نہیں، نہ ہی وہ کرامت و تعظیم کے لائق ہیں۔

اسی طرح محمد بن بشران السباک الجرجانی نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا: اے ابوعبداللہ! مجھ پر یہ بہت گراں گزرتا ہے کہ کسی کے بارے میں کہوں وہ کذاب ہے وہ ضعیف ہے تو انھوں نے فرمایا:

"إذا سكت أنت وسكت انا فمتى يعرف الجاهل الصحيح من السقيم؟"[1]

''جب تم خاموش رہو اور میں بھی خاموش ہوں تو کوئی جاہل صحیح کو سقیم سے کیسے جانے گا۔''

امام ابونعیم فضل رحمہ اللہ بن دکین فرماتے ہیں: جرح و تعدیل شہادت ہے، بلکہ بہت بڑی شہادت ہے۔ یہی بات امام سفیان رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔ ابوعصمۃ نوح بن ہشام الجوزانی فرماتے ہیں کہ میں نے المسیب بن واضح سے پوچھا کہ ہمارے ہاں خراسان میں بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسناد دین ہیں اگر اسانید نہ ہوں تو جو چاہے حدیث بیان کرے، کیا آپ نے ان سے یہ بات سنی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، لیکن لکھو! میں اس بارے میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا طالب علم اسناد کے بارے میں سختی کرے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، جو علم اللہ کے لیے حاصل کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسناد کے بارے میں سختی کرے، کیونکہ تم دیکھو گے کہ ثقہ، ثقہ سے روایت کرتا ہے اور ثقہ غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے۔[2]

---

[1] الكفاية (ص: ٤٦)، الجامع للخطيب (٢ ٢٠٢)، شرح العلل

[2] الجامع للخطيب (٢ ٢٠٠)

امام یحییٰ رحمہ اللہ بن سعید القطان سے کہا گیا کہ آپ کو اللہ کا ڈر نہیں، جن پر جرح کرتے ہیں کل قیامت کے روز یہی تمھارے دشمن ہوں گے، تو انھوں نے فرمایا:

"لأن يكونوا خصماء لي، أحب إلي من ان يكون خصمي النبي ﷺ حيث لم أذب عن حديثه"[1]

"اگر وہ میرے مخالف ہوں یہ مجھے برداشت ہے، اس سے کہ میرے مخالف نبی کریم ﷺ ہوں اگر میں آپ کی حدیث سے مکھیوں کو نہ دور کروں۔"

امام یحییٰ رحمہ اللہ بن معین جرح و تعدیل کے امام تھے۔ مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوئی اور انھیں اسی چارپائی پر بقیع الغرقد لے جایا گیا۔ جس پر آنحضرت ﷺ لیٹتے تھے اور جنازے کے آگے آگے آدمی کہہ رہا تھا: "هذا الذي كان ينفي الكذب عن حديث رسول الله ﷺ" یہ جنازہ اس کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے جھوٹ کو دور کرتا تھا۔"[2] امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد امام ابراہیم بن المنذر الحزامی رحمہ اللہ کہہ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے محافظ کے جنازہ میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ شریک ہو جائے۔[3]

علامہ العز رحمہ اللہ بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے "القواعد" میں کہا ہے راویوں پر رد و قدح واجب ہے، کیونکہ شریعت کا استحکام اسی میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جرح و تعدیل غیبت نہیں، جو اسے غیبت سمجھتا ہے اگر وہ جاہل ہے تو اسے آگاہ کرنا چاہیے اور پھر بھی وہ اصرار کرے تو اسے مناسب سزا دینی چاہیے، تاآنکہ وہ باز آجائے۔[4]

بلاشبہ غیبت حرام ہے مگر اس عمومی حکم سے کچھ صورتیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً:

---

[1] الاعلان بالتوبيخ (ص: ٩٦)، ذم الكلام للهروي (٢ ٦٦٧)، تعليقات الدارقطني على المجبروحين (ص: ٧٢)، الكامل (١ ٢٦٠) وغيرهم

[2] تاريخ بغداد (١٤ ١٨٦)، السير (١١ ٩٥)

[3] تاريخ بغداد

[4] الاعلان (ص: ٩٨، ٩٩)

① ظالم کے خلاف مظلوم کی قاضی یا سلطان یا اس شخص کے سامنے شکایت جو اس کی دادرسی کر سکے۔

② اصلاح کی نیت سے کسی شخص یا گروہ کے پاس منکر کے مرتکب کی شکایت جو منکر دفع کرنے کی پوزیشن میں ہو کہ فلاں یوں اور یوں برائی کا مرتکب ہے اسے روکیں۔

③ استفتاء کی نیت سے کسی مفتی کے سامنے صورت واقع کا اظہار کہ فلاں نے مجھ پر یہ اور یہ ظلم کیا ہے اس سے بچنے کی کیا سبیل ہو سکتی ہے۔

④ لوگوں کو کسی ظالم شخص کے شر سے بچانے کے لیے خبردار کرنا تا کہ وہ اس سے خبردار رہیں اور اس کے شر و فساد سے بچ سکیں۔ اس میں رشتہ داری کے لیے یا کاروباری شراکت کے لیے خبردار کرنا بھی شامل ہے۔ اسی میں گواہوں پر جرح اور راویان حدیث اور گمراہ مصنفین و واعظین وغیرہم سے آگاہ کرنا بھی شامل ہے۔ یہ بالاتفاق جائز بلکہ واجب ہے کیونکہ دین اور اسلام کا تحفظ اسی میں ہے، بلکہ عوام اور عام طالب علموں کو ان کی گمراہیوں سے بچانا اس کے بغیر ممکن نہیں۔

⑤ ایسے لوگوں کے بارے میں خبردار کرنا جو فسق و فجور اور بدعات کا علی الاعلان مرتکب ہوں اور ان کی اشاعت میں سرگرم ہوں۔

⑥ جو لوگ کسی نامناسب وصف یا لقب سے متصف ہوں اور وہ اس لقب و وصف میں مشہور ہو گئے ہوں اور بطورِ تنقیص نہ ہوں جیسے: الاعمش، الاعرج، الاصم، الاعور اور الاحول وغیرہ ہیں۔

اس کی مزید تفصیل علامہ الغزالی کی احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان میں، علامہ النووی کی ریاض الصالحین باب "مایباح من الغیبة" اور شرح مسلم باب "تحریم الغیبة"، میں حافظ ابن حجر کی فتح الباری، اور مولانا عبدالحی لکھنوی کی الرفع

والتکمیل مع حواشی شیخ عبدالفتاح ابوغدہ میں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

مولانا مودودی رحمہ اللہ نے بھی سورۃ الحجرات کی تفسیر میں اس پر نفیس بحث کی ہے۔ راویوں پر الجرح والتعدیل بھی غیبت نہیں، بلکہ حدیث کی حفاظت و صیانت کا یہی تقاضا ہے اس کے بغیر دین کو غلط کار، مجہول، مبتدعین اور کذاب راویوں کی روایات سے بچانا ممکن نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے عدالت میں گواہوں پر جرح کے بغیر صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہے اگر گواہوں پر جرح نہ ہو تو عدالتی نظام بے سود ہو کے رہ جاتا ہے۔

محدثین یا اہل الحدیث کون ہیں؟

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ محدثین ہیں کون؟ تذکرۃ الحفاظ اٹھا کے دیکھ لیں اس میں ان کا بھی تذکرہ ہے جو رافضی ہیں، ناصبی ہیں، معتزلی ہیں، قدری ہیں، خارجی اور دیگر بدعی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ محدثین نے ان سے روایت لینا بعض شروط کے تحت درست قرار دیا ہے جس کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری[2] میں صحیح بخاری کے ان راویوں کو جمع کر دیا ہے جن پر ان کے اعتقاد کی بنا پر جرح ہے۔ وہ بلاشبہ رواۃ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے ہزاروں احادیث محفوظ کیں، اسی بنا پر انھیں حفاظِ حدیث میں شمار کیا گیا ہے۔ ورنہ محدثین اور اہل الحدیث وہ ہیں جو حفظِ حدیث کے ساتھ ساتھ اس کا فہم رکھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں۔ ظاہر ہے بدعی فرق احادیث پر عمل نہیں کرتے بلکہ اپنے بدعی عقائد کے پیروکار ہیں۔ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے عرض کی: کہ مجھے ایک خط سوید بن سعید رحمہ اللہ الحدثانی کے نام لکھ دیں تو انھوں نے لکھا: ”هذا رجل يكتب

---

[1] فتح الباري (١٠/ ٤٦٨۔ ٤٧٢)، كتاب الأدب، باب (٤٥۔ ٤٩)، الرفع والتكميل (ص: ٥٢۔٥٦)

[2] مقدمه فتح الباري (ص: ٤٥٩)

الحدیث،، کہ حامل ھذا حدیث لکھتا ہے میں نے عرض کی: کاش کہ آپ یہ لکھتے کہ یہ اہلِ حدیث میں سے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

"أهل الحديث عندنا من يستعمل الحديث"[1]

''ہمارے نزدیک اہل الحدیث وہ ہے جو حدیث پر عمل کرتا ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ کے اس فرمان سے جہاں ''اہلِ حدیث'' کی تعریف معلوم ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو القاسم البغوی رحمہ اللہ کا یہ ابتدائی دور تھا ورنہ بعد میں ان کا شمار حفاظِ حدیث اور ثقہ ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ اسی قسم کا واقعہ امام ابوالفضل عباس رحمہ اللہ بن محمد الدوری رحمہ اللہ کا ہے کہ جب انھیں امام احمد رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ایک خط بنام امام ابو داود طیالسی رحمہ اللہ لکھ کے دیا: "ان هذا فتى يطلب الحديث" کہ یہ نوجوان حدیث کا طالب علم ہے یہ نہ لکھا کہ وہ ''اہل الحدیث'' سے ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت عباس دوری رحمہ اللہ کی عمر ۱۷ سال تھی پھر وہ صاحبِ حدیث ہوئے پھر اپنے وقت میں حفاظ میں شمار کیے گئے۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ونحن لا نعني أهل الحديث المقتصرين على سماعه، أو كتابته أو روايته، بل نعني بهم: كل من كان أحق بحفظه ومعرفته وفهمه ظاهراً وباطناً، واتباعه باطناً وظاهراً"[3]

''ہم اہل الحدیث سے مراد وہ نہیں لیتے جو سماعِ حدیث، کتابتِ حدیث اور روایت حدیث سے منسلک ہیں، بلکہ ہم انھیں اہل الحدیث سمجھتے ہیں جنھیں حدیث کے حفظ اس کی معرفت اور اس کا ظاہراً وباطناً فہم حاصل

---

[1] ادب الاملاء والاستملاء (ص: ۱۱۰)، اصلاح کتاب ابن الصلاح (۲ ۱۰)

[2] السیر (۱۲ ۵۲۳) [3] مجموع فتاوی (٤ ٩٥)

ہے اور باطناً وظاہراً اس پر عمل پیرا ہیں۔"

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ہی رقمطراز ہیں:

"ان الهدى والرشاد والرحمة ليس من طائفة من طوائف الأمة أكثر منه في أهل الحديث والسنة المحضة، الذين لا ينتصرون الا لرسول الله ﷺ فإنهم خاصته، وهو إمامهم المطلق الذين لا يغضبون لقول غيرهم إلا إذا اتبع قوله، ومقصودهم نصر الله ورسوله"[1]

"بے شک ہدایت، راہنمائی اور رحمت امت کے تمام گروہوں میں سے زیادہ اہلِ حدیث اور خاص سنت کی پیروی کرنے والوں میں ہے، جو صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی مدد کرتے ہیں وہی ان کے ساتھ خاص ہیں اور وہی ان کے علی الاطلاق امام ہیں، وہ کسی اور کے قول پر ناراض نہیں ہوتے اِلا یہ کہ جب اس کے قول کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین کی مدد ہے۔"

اسی طرح حدیث افتراقِ امت کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

"أن أحق الناس بأن تكون هي الفرقة الناجية أهل الحديث والسنة، الذين ليس لهم متبوع يتعصبون له الا رسول الله ﷺ، وهم أعلم الناس بأقواله وأحواله، وأعظمهم تميزاً بين صحيحها وسقيمها وأئمتهم فقهاء فيها وأهل معرفة بمعانيها واتباعا له تصديقاً وعملاً وحباً الخ"[2]

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٤٢)، ونسخة محققه (٦/ ٣٦٨)

[2] مجموع الفتاوىٰ (٣/ ٣٤٧)، نیز دیکھیں: (٤/ ٩٥)

''بے شک لوگوں میں سے فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ حق دار اہل الحدیث واہل السنۃ ہیں، جن کا کوئی امام نہیں جس کے لیے وہ تعصب رکھتے ہوں سوائے رسول اللہ ﷺ کے، اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے اقوال واحوال سے باخبر ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ اقوال واحوال کی تصحیح وتضعیف کو جاننے والے ہیں اور ان کے ائمہ فقہاء ہیں جو احادیث کے معانی کو جانتے اور اس کی عملاً اور حباً پیروی کرتے ہیں۔''

شیخ الاسلام رحمہ اللہ انھی کے بارے میں مزید رقمطراز ہیں:

''فإن هؤلاء جعلوا الرسول الذي بعثه الله إلى الخلق هو إمامهم المعصوم، عنه يأخذون دينهم، فالحلال ما حلله، والحرام ماحرمه، والدين ماشرعه، وكل قول يخالف قوله فهو مردود عندهم، وإن كان الذي قاله من خيار المسلمين وأعلمهم الخ''[1]

''یہ (اہل الحدیث) الرسول ﷺ جنھیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا ہے، انھی کو اپنا امام معصوم تسلیم کرتے ہیں، انھی سے وہ اپنا دین لیتے ہیں، حلال وہی ہے جسے انھوں نے حلال قرار دیا اور حرام وہ جسے انھوں نے حرام قرار دیا، دین وہ جسے انھوں نے مشروع قرار دیا، ان کے نزدیک ہر وہ قول جو رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہو مردود ہے خواہ وہ قول مسلمانوں میں سے کسی بہترین اور سب سے زیادہ علم والے کا ہو۔''

اسی قسم کی باتیں انھوں نے منہاج السنہ[2] میں بھی کہی ہیں اسی موقف کو وہ اہل الحدیث اور اہلِ سنت کا قدیم مذہب قرار دیتے ہیں:

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٤١، ٥/ ١٦٥)
[2] منهاج السنة (٢/ ١٧٩، ٣/ ٤٤۔٦٦)

”ومذهب أهل السنة والجماعة مذهب قديم معروف قبل ان يخلق الله أبا حنيفة ومالكاً والشافعي وأحمد، فإنه مذهب الصحابه الذين تلقوه عن نبيهم، ومن خالف ذلك كان مبتدعاً عند أهل السنة والجماعة“[1]

”اور اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب قدیم معروف ہے، اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کو پیدا کیا، یہ صحابہ کا مذہب ہے جسے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا، اور جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک بدعتی ہے۔“

یہ ہے محدثین، اہل الحدیث، اہل السنۃ کا طرزِ عمل کہ ان کا عقیدہ، ان کا عمل تمام تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ کسی اور شخصیت سے وہ متعلق نہیں، نہ کسی اور شخصیت کے مذہب و موقف سے وہ پہچانے جاتے ہیں اور نہ کسی اور حضرت کی حمیت و ہمنوائی میں سرگرداں ہیں۔ ان کا اول و آخر تعلق صرف رسول سے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔

ہر ابتدا سے پہلے ہر انتہا کے بعد
ذاتِ نبی بلند ہے ذاتِ خدا کے بعد
دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کے بعد

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ اہلِ حدیث کے تعارف میں فرماتے ہیں:

”فأما أصحاب الحديث فإنهم التمسوا الحق من وجهته وتتبعوه من مظانه، وتقربوا من الله تعالىٰ بإتباعهم سنن رسول الله ﷺ وطلبهم لآثاره وأخباره براً وبحراً وشرقاً

[1] منهاج السنة (١ ٢٥٦، ٢ ٦٠١)

وغرباً يرحل الواحد منهم راجلًا مقوياً في طلب الخبر الواحد أو السنة الواحدة حتى يأخذها من الناقل لها مشافهة الخ،،[1]

''رہے اصحاب الحدیث تو وہ حق کو تلاش کرتے ہیں جہاں سے وہ ملے اور اس کے تمام مظان کی پیروی کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کر کے اور آنحضرت ﷺ کے آثار اور اخبار کو صحراؤں اور دریاؤں میں، مشرق ومغرب میں تلاش کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوئے، ہر ایک ان میں سے ایک حدیث یا ایک سنت کی تلاش میں ویرانوں میں پیدل سفر کرتا رہا کہ براہِ راست حدیث بیان کرنے والے سے روایت سن لے۔''

علامہ ابو الفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی رحمہ اللہ نے امت کے ائمہ مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ایک گروہ اصحاب الحدیث کا اور ایک اصحاب الرای کا ہے۔ اصحاب الحدیث، اہل حجاز ہیں اور وہ امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری، امام احمد اور امام داود بن علی اصفہانی رحمہم اللہ کے تلامذہ ہیں:

''وإنما سمعوا أصحاب الحديث لأن عنايتهم بتحصيل الأحاديث ونقل الأخبار وبناء الاحكام على النصوص، ولا يرجعون إلى القياس الجلى والخفى ماوجدوا خبراً أو أثراً،،[2]

''اور ان کا نام اصحاب الحدیث اس لیے ہے کہ ان کا اہتمام احادیث کو حاصل کرنا اور روایات کو نقل کرنا ہے، اور احکام کی بنیاد نصوص پر رکھنا ہے

---

[1] تاويل مختلف الحديث (ص: ٥١)

[2] الملل والنحل (١/ ٢٠٦)، مصطفى الحلبى مصر

اور وہ خبر یا اثر کی موجودگی میں قیاس جلی اور خفی کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں۔"

اسی حقیقت کا اظہار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ کے "باب الفرق بين أهل الحديث وأصحاب الرأى" میں ذرا تفصیل سے کیا ہے اور تابعینِ عظام کے بعد ائمہ اہل الحدیث میں امام سفیان، امام وکیع اور امام مالک کا ذکر کرتے ہوئے امام عبدالرحمان بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، مسدد، ہناد، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، الفضل بن دکین، علی بن مدینی رحمہم اللہ کو محدثین کا پہلا طبقہ قرار دیا ہے۔ پھر ان کے اصول ذکر کرنے کے بعد ان محدثین کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے فقہی بنیاد پر احادیث کو جمع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ہیں امام بخاری، مسلم، ابو داود، عبد بن حمید، الدارمی، ابن ماجہ، ابو یعلی، الترمذی، النسائی، الدارقطنی، الحاکم، البیہقی، الخطیب، الدیلمی، ابن عبدالبر رحمہم اللہ اور ان میں بھی زیادہ مشہور امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود اور امام ترمذی رحمہم اللہ ہیں۔[1] اسی بات کا اظہار انھوں نے "الانصاف في بيان سبب الاختلاف" (ص: ٥٤، ٥٥) میں بھی کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فقہاء کے مذاہب کا ذکر کرتے ہیں اور کئی مقامات پر "أصحابنا" کے لفظ سے فقہائے محدثین مراد لیتے ہیں، جیسے: امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم رحمہم اللہ ہیں۔ جیسا کہ تفصیلاً محدث مبارکپوری رحمہ اللہ نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص: ۲۰۹، ۲۱۰) ط ہند میں ذکر کیا ہے۔ امام ابراہیم بن اسحاق الحربی المتوفی ۲۸۵ھ جو علمِ حدیث، زہد، ورعہ، لغت کے امام تھے۔ مناسک پر ایک کتاب لکھی جس کے آخر میں لکھتے ہیں:

---

[1] حجة الله (١/ ١٤٧_ ١٥١)

"فھذا ما یحتاج إلیه الرجل من المناسك، ولیس شئ الا وقد اختلف الناس فیه، لکنی تحریت ما وافق الحدیث والأشبه بمذھب الفقھاء من أھل الحدیث"[1]

یہ ایسی کتاب ہے مناسکِ حج کے بارے میں کہ لوگ اس کے محتاج ہیں، کوئی مسئلہ نہیں جس میں اختلاف نہ ہو، لیکن میں نے اس کا اہتمام کیا ہے جو حدیث کے موافق اور فقہائے اہلِ حدیث کے مذہب کے مطابق ہے۔ انہی کا فرمان ہے کہ میں اصحاب الحدیث سے بہتر کوئی جماعت نہیں جانتا ان میں ہر ایک صبح سیاہی لے کر نکلتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عمل کیا ہے؟ آپ نے نماز کیسے پڑھی ہے؟[2]

امام ابو المظفر منصور بن محمد السمعانی ۴۸۹ھ نے مذاہب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کا انکار ہے کہ حق اور صحیح عقیدہ اہلِ حدیث اور اہل الاثر کے علاوہ کسی اور میں ہو، کیونکہ انھوں نے اپنا عقیدہ اور اپنا دین سلف سے لیا ہے اور انھوں نے قرناً بعد قرن یہ تابعین سے اور تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جس دین مستقیم کی دعوت دی ہے اس کے حصول کا ذریعہ وحیِ الٰہی ہے جو اصحاب الحدیث نے اختیار کیا ہے، جب کہ دوسرے فرقے اس طریقے سے دین حاصل نہیں کرتے، کیونکہ وہ اپنی عقل اور دل کے خطرات اور آراء پر اعتماد کرتے ہیں، جب وہ کتاب وسنت کی کوئی چیز سنتے ہیں تو اسے عقل کے معیار پر تولتے ہیں، اگر عقل کے موافق ہو تو قبول کرتے، ورنہ اسے رد کر دیتے ہیں، اگر مجبوراً اسے قبول کر لیں تو دور از کار تاویلات سے اور نامناسب معنی سے اسے بدل دیتے ہیں یوں وہ حق سے نکل جاتے ہیں اور دین کو پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہیں اور سنت کو قدموں کے نیچے رکھ دیتے ہیں، مگر اہلِ سنت کتاب وسنت کو اپنا امام

---

[1] کتاب المناسك (ص: ۴۳۹)   [2] السیر (۱۳ ۳۵۸)

بناتے ہیں اور ان دونوں سے دین اخذ کرتے ہیں اور جو ان کی عقل اور دل میں آتا ہے اور اپنی آراء کو کتاب وسنت پر پیش کرتے ہیں اگر ان کے موافق ہو تو اسے قبول کرتے ہیں اور اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اللہ نے انھیں یہ سمجھایا ہے اور اگر کتاب وسنت کے مخالف ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کتاب وسنت کو قبول کرتے ہیں۔

اہلِ حدیث کے حق پر ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ اگر تم ان کی کتابوں کو دیکھو، خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم، تم دیکھو گے کہ ان کے شہروں اور ان کے زمانے میں اختلاف اور ان کے گھروں میں دوری کے باوجود عقیدہ میں ان کا ایک ہی وتیرہ اور ایک ہی طریقہ ہے ان کے دل ایک دل کی طرح ہیں، ان کی نقول میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اور اپنے اسلاف سے نقل کیا ہے ان سب کو جمع کر لیا جائے تب بھی تم انھیں ایک ہی دل اور ایک ہی زبان سے نکلی ہوئی بات پاؤ گے۔ کیا یہ ان کے حق پر ہونے کی روشن دلیل نہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اور اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔'' [النساء: ٨٢]

نیز فرمایا:

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔'' [الحشر: ٧]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ ﷺ کے اوامر ونواہی اور سنن کی اتباع واطاعت کا حکم فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

---

[1] اس کی تصدیق کے لیے دیکھیں: اجتماع جیوش الاسلامیۃ، لابن قیم

اور فرمایا:

''جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ میرے طریقے پر نہیں ہے، اور جو میری سنت سے محبت کرے اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا، ہم نے ان مشہور آثار، جو صحیح متصل اسانید سے مروی ہیں اور ثقہ حفاظ نے انھیں نقل کیا ہے، کو پایا ہے پھر ہم نے اصحاب الحدیث کے گروہ کو دیکھا وہ سب سے زیادہ ان آثار کے طلب گار اور ان میں رغبت رکھنے والے اور انھیں جمع کرنے والے ہیں اور اصحاب الحدیث کی اتباع کرنے والے ہیں تو ہمیں یقین ہوگیا کہ وہی اس کے اہل ہیں نہ کہ وہ جو ان کے علاوہ دیگر فرق ہیں۔''

نیز امام ابوالمظفر نے فرمایا: ہم نے جدید وقدیم تمام اہلِ حدیث کو دیکھا ہے کہ وہی ان آثار کو جمع کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کرتے ہیں، انھیں مراکز علمیہ سے حاصل کیا، ان کی حفاظت کی ان کی اتباع کی دعوت دی اور جنھوں نے احادیث کی مخالفت کی انھوں نے ان کی مذمت کی۔[1]

اس لیے محدث اور اہلِ حدیث یا اہل الاثر وہ ہیں جنھوں نے احادیث جمع کیں، کتاب وسنت کو ہی اپنا معیار بنایا، اپنے عقیدہ وعمل کی بنیاد اسی پر رکھی۔ اہل الرائے، اہلِ تشیع واہلِ الرفض ہوں یا دوسرے حضرات احادیث جمع کرنا ان کی مجبوری تھی، کیونکہ سکہ رائج الوقت یہی تھا۔ انھوں نے احادیث تو جمع کیں مگر عقائد اور فروعات میں تاویل کی راہ اختیار کی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ شیخ الحنفیۃ امام ابوالحسن علی بن موسیٰ القمی النیساپوری کے ترجمہ

---

[1] مختصر الصواعق المرسلة لابن قیم (٢ ٤٢٤، ٤٢٩)، الحجة في بيان الحجة وشرح عقيدة أهل السنة لقوام السنة، ابو القاسم اسماعيل بن محمد التيمى (٢ ٢٢٣، ٢٢٤)

میں لکھتے ہیں کہ وہ خراسان میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے عالم تھے اور ان کے شہر میں ائمہ اثر میں امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور امام ابو العباس السرّاج رحمہ اللہ اور دیگر حضرات تھے اس دور کے محدثین فقہ کے بھی عالم تھے اور اہل الرائے حدیث سے باخبر تھے محدثین نے طلبِ حدیث میں سفر کیا اس کی معرفت میں کوئے سبقت لے گئے، مگر اب کے محدث خاموش کرا دینے اور خطبہ دینے پر قانع ہو گئے ہیں۔ یہ حافظ ہیں نہ فقیہ۔ جیسا کہ فقہاء فقہ پر جم کے رہ گئے ہیں، انھیں حدیث کی معرفت حاصل نہیں، نہیں جانتے کہ حدیث کیا ہے بلکہ موضوع اور صحیح احادیث ان کے نزدیک برابر ہیں اور صحیح کا معارضہ ضعیف سے کرتے ہیں اور سینہ زوری سے اسے زیادہ صحیح اور قوی قرار دیتے ہیں۔[1] نسأل الله العافية

اسی طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کے آٹھویں طبقہ کے اختتام پر لکھا ہے: اس طبقہ میں ذکر ہونے والے اہلِ علم نامور اور بلند پایہ حفاظِ حدیث ہیں، ممکن ہے ان کے ہم پایہ بہت سے حضرات کا ذکر لکھنے سے رہ گیا ہو کیونکہ اس زمانے میں اس علم کے قدر دان ایک ایک مجلس میں احادیث لکھنے کے لیے دس دس ہزار سے بھی زیادہ تعداد میں حاضر ہوتے تھے اور ان میں تقریباً دو سو ایسے ممتاز ضرور ہوتے تھے جن میں فتویٰ نویسی کی کامل اہلیت ہوتی تھی۔ افسوس اس (حافظ ذہبی) کے زمانے میں حدیث طلب کرنے والے ختم ہو گئے ہیں اور ان کے جانشین ایسے ہیں جنھیں دیکھ کر دشمنانِ حدیث وسنت ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس زمانے کے اکثر علماء تحقیق سے کام لینے کی بجائے تقلید کے خوگر ہو گئے ہیں اور بغیر سوچ سمجھے یونانیوں کے فلسفہ اور متکلمین کی آراء پر جھک پڑے ہیں اور علمِ دین کے اٹھ جانے کی علامات ظاہر ہو گئی ہیں۔[2]

اندازہ کیجیے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے متقدمین کے مقابلے میں اپنے دور کی کیسی

---

[1] السير (١٤/ ٢٣٦)　[2] التذكرة (٢/ ٥٣٠)

عکاسی کی ہے، حالانکہ اس دور میں بھی بڑے بڑے جہابزہ علماء رحمہم اللہ موجود تھے، لیکن اکثر و بیشتر صورتِ حال وہی تھی جس کا انھوں نے اظہار کیا ہے۔ امام ابن المنذر رحمہ اللہ کے بارے میں علامہ نووی کی تهذيب الأسماء (۱۹۷/۲) سے انھوں نے نقل کیا ہے کہ وہ کسی معین مذہب کے پیروکار نہیں تھے، بلکہ دلیل کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، پھر لکھتے ہیں:

”ما يتقيد بمذهب واحد إلا من هو قاصر في التمكن من العلم كأكثر علماء زماننا أو من هو متعصب، وهذا الإمام فهو من حملة الحجة، جار في مضمار بن جرير ابن سريج وتلك الحلبة رحمة الله عليهم“[1]

”میں کہتا ہوں کہ ایک ہی مذہب کی پابندی وہ کرتا ہے جو علم سے قاصر ہے جیسے ہمارے زمانے کے اکثر علماء ہیں یا جو متعصب ہے اور یہ امام (ابن المنذر) تو حجت کے حاملین میں سے ہیں جو امام ابن جریر اور امام ابن سریج رحمہم اللہ کے زمرہ کے ہیں اور اس جیسی جماعت کے افراد ہیں، اللہ ان پر رحمت فرمائے۔“

اسی طرح تذكرة الحفاظ میں نویں طبقہ کے اختتام پر محدثین، اہل الرائے، اہلِ تشیع اور کلامی فرق کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ہمارے دور کے کبار محدثین ان (پہلے) محدثین کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ تیری بڑھی ہوئی خواہش نفس سے میں سمجھتا ہوں کہ تو یہ کہنے کی جسارت کرے گا: احمد بن حنبل رحمہ اللہ کون ہیں؟ ابن المدینی رحمہ اللہ کون ہیں؟ ابوزرعہ رحمہ اللہ اور ابوداود رحمہ اللہ کیا چیز ہیں، یہ تو محض محدث ہیں فقہ

---

[1] السير (١٤/ ٤٩١)

کونہیں جانتے نہ اصول فقہ جانتے تھے۔ رائی و قیاس سے نابلد تھے نہ علم بیان و معانی کو جانتے تھے نہ انھیں منطق کی کوئی خبر ہے۔ علم سے کام لیتے ہوئے خاموش رہو، اگر بولنا ہی ہے تو علم سے بولو، دراصل نفع بخش وہی علم ہے جو ان محدثین کے ذریعے سے حاصل ہوا ہے الخ۔“[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ حقیقت پر مبنی ہے۔ آج ان جہابزہ محدثین کے بارے میں بڑی جسارت سے کہا جاتا ہے کہ وہ فقیہ نہیں تھے اور طبقات حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ لکھنے والوں نے بعض کو شافعی، بعض کو حنفی یا مالکی یا حنبلی باور کرایا ہے۔ حتی کہ بعض وہ بھی ہیں۔ جنھیں احناف نے حنفی اور شوافع نے شافعی یا حنبلیوں نے حنبلی بنایا ہے۔ حتی کہ امام احمد رحمہ اللہ کو طبقات شافعیہ میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو طبقات مالکیہ میں، امام لیث بن سعد، امام سفیان ثوری، امام سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ کو طبقات حنفیہ میں، امام بخاری رحمہ اللہ کو طبقات الشافعیہ اور طبقات الحنابلہ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح امام ابو داود رحمہ اللہ کو شافعی اور حنبلی، امام ترمذی رحمہ اللہ کو شافعی، امام نسائی رحمہ اللہ کو حنبلی، بعض نے شافعی کہا، امام داود ظاہری اور امام ابو ثور ابراہیم بن خالد رحمہما اللہ کو شافعی قرار دیا گیا۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ہزاروں احادیث کو ابواب کے تحت مرتب کر کے مسائل کو مستنبط کرنے والے بھی مقلد ہی نظر آتے ہیں۔ امام عبدالرحمان بن عمرو الاوزاعی جو شام کے عظیم محدث اور فقیہ تھے۔ ہقل بن زیاد کا بیان ہے کہ انھوں نے ستر ہزار (۷۰) مسائل کا جواب ”حدثنا وأخبرنا“ سے دیا۔ ایک سال میں ایک سو تیرہ (۱۱۳) مسائل کا فتویٰ دیا جب کہ ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ حافظ خلیلی رحمہ اللہ کا تو بیان ہے کہ انھوں نے اسّی ہزار (۸۰) فقہی مسائل کا جواب دیا۔[2] امام اوزاعی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو ان

---

[1] التذکرہ (۲/ ۶۲۸) [2] دارالاشاد للخلیلی (۱/ ۱۹۷)، التھذیب (۷/ ۷۸۵)، البدایۃ (۱۰/ ۳۶۱)

کی آمد کی اطلاع ہوئی تو ذی طُوی مقام پر ان سے جا ملے، امام مالک اونٹ کو ہانک رہے تھے اور امام سفیان ان کے اونٹ کی نکیل پکڑے آگے آگے چل رہے تے اور فرماتے تھے: شیخ کے لیے راستہ چھوڑ دو۔[1]

غور فرمائیے! یہ اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مسائل کس فقہ سے ماخوذ تھے؟

امام احمد بن عمر الکندی الوکیعی م ۲۳۵ھ جو امام مسلم رحمہ اللہ کے استاد تھے۔ فرماتے ہیں:

"ولیت المظالم بمرو اثنتی عشرة سنة فلم یرد علی حکم إلا وانا أحفظ فیه حدیثا فلم أحتج إلی الرأی ولا إلی أهله"[2]

میں مرو میں ۱۲ سال قاضی رہا میرے پاس جو بھی کوئی معاملہ آتا تو مجھے اس کے حل کے لیے حدیث یاد ہوتی، مجھے رائے کی ضرورت پڑی اور نہ اہلِ رائے کی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی فرمایا: میرے علم کے مطابق جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں ان تمام کا حل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ تلمیذ وراق نے عرض کیا: کیا اس کی معرفت ممکن ہے؟ تو فرمایا: ہاں۔ ممکن ہے۔[3]

طبقات الشافعیہ یا الحنابلہ وغیرہ کتب پڑھنے والے پر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے مصنفین نے اکثر و بیشتر ان اہلِ علم کے اپنے مختارات ذکر کیے ہیں جو ان کی طرف منسوبہ مذہب کے مخالف ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو تقلید کہاں ہے؟

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابوعلی نیساپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] السیر (۷/ ۱۱۲)، البدایہ (۱۰/ ۳۶۰)

[2] السیر (۱۱/ ۳۷)، تاریخ بغداد (٤/ ۲۸۵)

[3] مقدمہ فتح الباري (ص: ٤۸۷)

"كان يحفظ الفقهيات من حديثه كما يحفظ القاري السورة"[1]

وہ اپنی احادیث سے فقہی مسائل کے ایسے حافظ تھے جیسے قاری قرآن کی سورت کا حافظ ہوتا ہے۔"

وہ فرماتے تھے جب حدیث مل جائے تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے ہوتے ہوئے کسی کا قول قابلِ التفات نہیں۔[2]

امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"كان إماماً علماً قدوةً مجتهداً لا يقلد أحدا"[3]

وہ امام چوٹی کے عالم، پیشوا اور مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اندلس میں مالکیہ نے ان پر جو ظلم کیا اس کی داستان طویل ہے۔

امام قاسم رحمہ اللہ **بن محمد اندلسی البیانی** (المتوفی: ۲۷۶ھ) قرطبہ کے جلیل القدر حفاظ میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وہ امامت اور اجتہاد کے مرتبہ پر فائز تھے اور "الايضاح في الرد على المقلدين" کے نام سے مقلدین کی تردید میں کتاب لکھی ہے۔"[4]

امام محمد رحمہ اللہ **بن عبداللہ بن عبدالحکم المصری** المتوفی: ۲۶۸ھ یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام عبداللہ رحمہ اللہ بن وہب کے تلمیذ ہیں مصر کے محدثین وفقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے تلمذ کے باوجود ان کے بعض مسائل کی تردید میں ایک کتاب لکھی اور ایک کتاب فقہاء عراق کی تردید میں لکھی۔[5]

امام عبداللہ رحمہ اللہ **بن وہب** المتوفی ۱۹۷ھ کا شمار بھی فقہائے محدثین میں

---

1. التذكرة (۲ ۷۲۳)
2. أيضاً
3. التذكرة (۲ ۶۳۰)
4. التذكره (۲ ۶۴۸)
5. التذكره (۲ ۵۴۷)

ہوتا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”كان ثقة حجة حافظاً مجتهداً لا يقلد أحداً“ وہ ثقہ، حجت، حافظ، مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے ہیں۔[1]

یہ وہی امام ابن وہب جن کے بارے میں خارجہ بن مصعب فرماتے ہیں کہ میں ۲۴ سال ان کے پاس رہا ہوں میں نہیں جانتا کہ فرشتے نے ان کی کوئی خطا لکھی ہو، ایک روایت میں ۲۰ سال اور ایک میں ۱۲ سال کا ذکر ہے۔[2]

امام محمد بن ابی نصر فتوح الحمیدی رحمہ اللہ المتوفی: ۴۹۱ھ صاحب الجمع بین الصحیحین۔ شیخ ابراہیم ا السلماسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری آنکھوں نے امام حمیدی رحمہ اللہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا، بڑے پرہیز گار تھے حدیث، عللِ حدیث اور راویوں کے بارے میں معلومات کے امام تھے۔ اختلافی مسائل میں اصحاب الحدیث کی طرح کتاب وسنت کے مطابق بڑی تحقیق سے کام لیتے تھے۔[3]

امام شیخ الحرم محمد رحمہ اللہ **بن ابراہیم بن منذر** المتوفی: ۳۰۹ھ یا ۳۱۰ھ بلند پایہ محدث اور فقیہ تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، ”الاشراف فی اختلاف العلماء“ کے نام سے ایسی کتاب انھوں نے لکھی جس سے موافق ومخالف سبھی مستفید ہوتے ہیں۔[4] اسی طرح حافظ الحسین بن محمد السنجی المروزی رحمہ اللہ اپنے دور میں خراسان کے سب سے بڑے محدث تھے۔ اہل الرائے کو حدیث نہیں پڑھاتے تھے مگر بڑی جدوجہد کے بعد، امام حاکم رحمہ اللہ کی معرفۃ علوم الحدیث کی بیسویں نوع فقہ الحدیث کی معرفت پر مشتمل ہے۔ جس میں انھوں نے بعض فقہاء محدثین کا ذکر کیا ہے جو حسبِ ذیل ہیں:

امام محمد بن مسلم الزہری، امام یحییٰ بن سعید الانصاری، امام عبدالرحمان

---

[1] التذكرة (١ ٣٠٥)
[2] السير (٦ ٣٦٦، ٣٦٨)
[3] السير (١٩ ٢٣)
[4] التذكره (٣ ٨٠)

الاوزاعی، امام سفیان بن عیینہ، امام عبداللہ بن مبارک، امام یحییٰ بن سعید القطان، امام عبدالرحمان بن مہدی، امام یحییٰ بن یحییٰ التمیمی، امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام یحییٰ بن معین، امام اسحاق بن راہویہ، امام محمد بن یحییٰ الزہلی، امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام ابو زرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی، امام ابو حاتم محمد بن ادریس الحنظلی، امام ابراہیم بن اسحاق الحربی، امام مسلم بن الحجاج القشیری، امام ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم العبدی، امام عثمان بن سعید الدارمی، امام ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی، امام احمد بن شعیب النسائی، امام ابن خزیمہ، امام ابو داود سجستانی، امام محمد بن عبدالوہاب العبدی، امام ابو بکر الجارودی، امام ابراہیم بن ابی طالب، امام ترمذی، امام موسیٰ بن ہارون البزار، امام احسن بن علی المعمری، امام علی بن الحسین ابن الجنید، امام محمد بن مسلم بن وارہ، امام محمد بن عقیل البلخی رحمہم اللہ۔ [1]

حالانکہ یہ فہرست بھی مکمل نہیں۔ اس میں تو امام سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، امام ابوثور وغیرہم رحمہم اللہ جیسے اکابر فقہائے محدثین کا بھی نام نہیں۔

علامہ ابو القاسم احمد بن ناجیۃ المتوفیٰ: ۵۵۴ھ علامہ سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلے حنفی ہوئے، پھر شافعی بنے، پھر فرماتے: "أنا الیوم متبع للدلیل ما أقلد أحداً"، اب میں دلیل کا متبع ہوں کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ [2] نیز دیکھیں: ترجمہ امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد الدقاق رحمہ اللہ م ۵۱۶ھ۔ [3] علامہ ابو محمد قاسم رحمہ اللہ بن فتح ابن الریولی م ۳۸۸ھ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ۔ [4] جنھوں نے جامع بیان العلم میں تو ایک مستقل باب "باب فساد التقلید" اور "ذم التقلید" پر لکھا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ، [5]

---

[1] معرفة علوم الحديث (ص: ٦٣۔ ٨٥)

[2] السير (٢٠ ٣١٥)

[3] السير (١٩ ٤٧٥)

[4] السير (١٨ ١١٦، ١٥٧)

[5] السير (١٨ ١٩١)

امام ابوالحسین رحمہ اللہ احمد بن فارس م ۳۹۵ھ [1] اسی طرح امام ابوعلی الحسن رحمہ اللہ بن سعد القرطبی کے بارے میں ہے کہ مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف میلان تھا۔ [2]

امام عمر رحمہ اللہ بن احمد بن شاہین کے بارے میں ہے کہ مروجہ فقہ سے باخبر نہ تھے اور جب ان کے سامنے کسی کے مذہب کا ذکر ہوتا تو فرماتے: میں محمدی المذہب ہوں، احادیث، تفسیر، زہد وغیرہ کے موضوع پر ۳۳۰ کتابیں لکھی ہیں۔ [3] ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہیں جو تقلید سے بیزار اور کتاب وسنت پر عمل کرتے تھے۔ کہاں تک عرض کروں شیخ محمد بن علی ابن عربی بھی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ ظاہر نصوص پر عمل کرتے تھے۔ [4] وہ ترک تقلید وغیرہ کے باوصف شیخ اکبر قرار پائیں لیکن دوسروں کے لیے یہ ''جرم عظیم'' قرار پائے۔ ﴿ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴾ [النجم: ۲۲] بلکہ ''الفتوحات المکیہ'' کے ۲۲۳ باب میں شیخ ابن عربی نے حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کے بارے میں جو اپنا خواب ذکر کیا ہے اور انھیں نبی کریم ﷺ کے رنگ میں رنگا ہوا قرار دیا ہے۔ اس سے یہ حضرات کیوں ناک منہ چڑھاتے ہیں؟ اور کیا اپنے حلقے میں کبھی اسے بیان کیا ہے؟

اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ بن نصر المروزی، امام عبداللہ رحمہ اللہ بن ادریس الکوفی المقری، امام محمد بن العباس الاثری رحمہ اللہ ابن الاخرم، امام سعید بن محمد رحمہ اللہ بن الحداد، امام ابراہیم رحمہ اللہ بن جابر، ابو اسحاق، امام قاضی ابوعبید علی رحمہ اللہ بن الحسین وغیرہم سبھی مجتہد تھے۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے تو اپنے شیخ علی الخواص رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے ولی کامل مقلد نہیں ہوتا اور یہ جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو حنبلی اور سید محمد الشاذلی رحمہ اللہ کو حنفی

---

[1] السیر (۱۷ ۱۰۵) [2] التذکرۃ (۳ ۸۷۰)

[3] التذکرۃ (۳ ۹۸۸) [4] لسان (۵ ۳۱٤)

کہا گیا ہے تو یہ نسبتیں تب تھیں جب وہ کمال کے مرتبہ کو نہ پہنچے تھے۔ جب وہ اس مرتبہ کو پہنچ گئے تب بھی لوگ انھیں اسی نسبت سے پکارتے رہے۔ حالانکہ وہ تقلید سے نکل گئے تھے۔[1]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حسن المحاضرة في أخبار مصر والقاهرة کی جلد اول میں "من كان بمصر من الأئمة المجتهدين" کے عنوان سے مصر کے ۷۷ مجتہدین کا ذکر کیا اور سب سے آخر میں خود اپنا بھی ذکر کیا ہے اور اپنے مجتہد ہونے کا اظہار کیا ہے۔[2] اسی طرح انھوں نے "الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل ان الاجتهاد في كل عصر فرض" کے آخر میں بھی صحابہ کرام سے لے کر اپنے دور تک کے مجتہدین کا ذکر کیا اور (ص: ۱۱۶) پر اپنے مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن جلال الدین محمد البکری المتوفی ۹۵۲ھ نے بھی اجتہاد مطلق کا دعویٰ مگر فرماتے تھے کہ میں علامہ سیوطی کے انجام سے ڈرتے ہوئے اس کا اظہار نہیں کرتا۔[3]

نیز علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الرد کے (ص: ۱۳۵ تا ۱۴۵) میں بھی ان ائمہ مجتہدین کا ذکر کیا ہے جسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے إتحاف النبیہ[4] میں نقل کیا ہے۔ یہی بات انھوں نے شرح تحریر الاصول میں کہی ہے اور یہ جو شوشہ چھوڑا گیا کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے بعد مجتہد مطلق کا درجہ ختم ہو گیا تو علامہ بحر العلوم عبدالعلی رحمہ اللہ محمد بن نظام الدین الانصاری، نے شرح مسلم الثبوت میں کہا ہے: "هذا كله هوس من

[1] میزان الکبریٰ (۱/ ۲۱، ۲۴)
[2] حسن المحاضره في أخبار مصر والقاهرة (۱/ ۲۵۵، ۲۹۴)
[3] شذرات الذهب (۸/ ۲۹۳)
[4] إتحاف النبيه (۱۰۸۔ ۱۱۴)

هوساتهم لم يأتوا بدليل" کہ یہ سب ان کی خواہشات میں سے ایک خواہش ہے جس کی کوئی دلیل وہ نہیں لا سکے۔[1] اس کی تائید مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے النافع الکبیر مع الجامع الصغیر (ص:۹) میں کی ہے اور فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مستقل ہوئے جیسے امام ابو ثور بغدادی، امام داود الظاہری، امام محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہم رحمہم اللہ ہیں۔ اس کی مزید تفصیل ہیچمدان کے مقالات جلد اول (ص: ۸۸۔۹۹) میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی "الرد على من أخلد إلى الأرض" (ص: ۱۱۲) میں اس کی خوب تردید کی ہے۔ علامہ شعرانی نے بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اب بھی کسی کو ائمہ مجتہدین کے مرتبہ کا حامل بنا سکتا ہے کوئی ضعیف دلیل بھی اس کی ممانعت میں منقول نہیں۔[2]

تقلید میں غلو کی انتہاء:

تعجب ہے کہ بعض حضرات اس بارے میں فکر مند ہیں کہ تمام مسلمان شافعی بن جائیں یا حنفی بن جائیں۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ کے استاد امام الحرمین رحمہ اللہ عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی لکھتے ہیں:

"يجب على كافة العاقلين وعامة المسلمين، شرقاً بُعُداً وقرباً انتحال مذهب الشافعي الخ"[3]

"تمام عقل مندوں اور عام مسلمانوں پر وہ مشرق کے ہوں خواہ مغرب کے، دور کے ہوں یا نزدیک کے، واجب ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی پیروی کریں۔"

---

[1] فواتح الرحموت (۲/ ۳۹۹)

[2] میزان (۱/ ۳۸) [3] مغيث الخلق (ص: ١٦)

اسی فکر پر خبردار کرتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ یہ حضرات "یعلن انه یجب علی الأمة کلهم الأخذ من قلدناه دیننا" الخ اعلان کرتے ہیں کہ تمام امت پر واجب ہے کہ ہم نے اپنے دین میں جن کی تقلید کی ہے، سب اس کی تقلید کریں۔[1]

یاد رہے کہ مغیث الخلق کا جواب علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ نے "احقاق الحق بإبطال الباطل في مغیث الخلق" کے نام سے دیا اور علامہ الجوینی رحمہ اللہ کی اس دعوت کے بارے میں کہا:

① انھوں نے اپنے امام کو رسول، نبی بنا دیا، کیونکہ مشرق و مغرب کے تمام مکلفین کو ایک شخص کی پیروی کی دعوت نبی کے لیے ہی ہو سکتی ہے۔

② کیا ان کے امام اجتہاد میں غلطی نہیں کر سکتے، ان کی پیروی واجب قرار دے کر کیا انھیں نبی کی طرح معصوم قرار نہیں دے دیا گیا؟

③ تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہی مجتہد کی اتباع کو واجب ٹھہرانا اس بات کا نتیجہ ہے کہ باقی سب مجتہد غلطی پر ہیں یہ موقف تو ابراہیم ابن علیہ اور بشر مریسی بدعتیوں کا ہے۔

④ علامہ الجوینی رحمہ اللہ کی یہ دعوت، اجماع کے بھی منافی ہے، جیسا کہ علامہ احمد رحمہ اللہ بن ادریس القرافی نے شرح تنقیح الفصول میں کہا ہے:

"انعقد الاجماع علی ان من أسلم فله أن یقلد من شاء من العلماء بغیر حجر، وأجمع الصحابة رضی اللہ عنہم علی ان من استفتی أبابکر وعمر رضی اللہ عنہما أو قلدهما فله أن یستفتی أبا هریرة ومعاذ بن جبل وغیرهما، ویعمل بقولهما من غیر

---

[1] اعلام الموقعین (٤ ٩١) ط دار الکتب العلمیة.

نکیر، فمن أدعی رفع ھذین الاجماعین فعلیه الدلیل"[1]

"اس پر اجماع ہے کہ جو مسلمان ہے بلا روک ٹوک جس کی چاہے تقلید کرے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مسئلہ دریافت کرتا ہے یا ان کی تقلید کرتا ہے تو وہ ابوہریرہ اور معاذ بن جبل وغیرہما رضی اللہ عنہما سے بھی مسئلہ دریافت کرے اور بلانکیر ان کے قول پر عمل کرے جو ان دونوں اجماع کے ختم ہو جانے کا مدعی ہے اسے چاہیے کہ دلیل پیش کرے۔"

یہ ہیں وہ چار اعتراضات جو علامہ کوثری رحمہ اللہ نے امام الحرمین الجوینی رحمہ اللہ پر کیے ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے یہی بات علامہ کوثری رحمہ اللہ کے ممدوح "شیخ الامام، شیخ الاسلام" مسعود رحمہ اللہ بن شیبہ السندی الحنفی نے مقدمہ کتاب التعلیم میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کے بارے میں علامہ جوینی رحمہ اللہ کے اسلوب میں جواب آن غزل کے طور پر کہی ہے:

"یجب علی أھل الغرب والشرق، بل علی کافة الخلق أن یتخذوا أبا حنیفة إماما، وعقیدته دیناً، وقوله مذھباً، بحیث لا یبغون عنه حولًا، ولا یریدون به بدلا"[2]

"مغرب و مشرق میں رہنے والوں، بلکہ تمام مخلوق پر واجب ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اپنا امام، ان کے عقیدہ کو دین اور ان کے قول کو اپنا مذہب قرار دیں، بایں طور کہ نہ ان سے بدلیں اور نہ اس سے بدلنے کا ارادہ کریں۔"

غور فرمایا آپ نے! یہاں تو تمام "مخلوق" کو حنفی مقلد بننا واجب قرار دیا گیا

[1] إحقاق الحق (ص: ٢١)
[2] مقدمة كتاب التعليم (ص: ٢)

ہے۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے جو اعتراضات علامہ جوینی رحمہ اللہ پر کیے تھے کیا وہ سب ''الامام شیخ الاسلام'' مسعود رحمہ اللہ بن شیبہ پر وارد نہیں ہوتے ہیں۔ پوری دنیا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنانے کی فکر نہیں بلکہ اپنے اپنے امام کے پیروکار بنانے کی فکر دامن گیر ہے۔ مرکز عقیدیت جب ایک نہیں رہتا تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ حنفی، شافعی وغیرہ طبقات لکھنے والوں کی یہی مجبوری ہے اور وہ اسی کوشش میں ہیں کہ تمام ائمہ حضرات کو اپنے اپنے کھاتے میں شمار کر کے اپنی نفری بڑھائی جائے۔

تقلید وجمود کا اندازہ کیجیے کہ مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نماز میں رفع سبابہ کے بارے میں بعض نے یہ کہا ہے:

''ما را قول امام باید قول رسول کافی نیست''[1]

''ہمیں امام کا قول چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کافی نہیں۔''

اور یہ اس لیے کہ مقلد کے نزدیک قولِ امام ہی دلیل ہے، جیسا کہ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب میں فرمایا گیا ہے:

''فاما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد، يقول هذا الحكم واقع عندي لأنه أدى إليه رأى أبي حنيفة، وكل ما أدى إليه رأيه فهو واقع عندي''[2]

''رہا مقلد تو اس کے نزدیک مجتہد کا قول دلیل ہے، وہ کہتا ہے یہ حکم میرے نزدیک واقع ہے کیونکہ اس کی تائید امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے ہے اور جس مسئلہ کی تائید ان کی رائے سے ہوگی میرے نزدیک وہ ثابت ہوگا۔''

---

[1] درس ترمذی (٢/ ٦٢)، باب الاشارہ

[2] التوضيح والتلويح (ص: ٥٤) ط بشاور

ایک مقلد کی حدیث معلوم کر لینے کے باوجود حالت کیا ہوتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب بنام مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ میں لکھتے ہیں:

''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قولِ مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے، پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی بعید ہو، خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو، بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو، مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کریں۔''[1]

اس کی ایک مثال دیکھیے کہ المستدرک کی ایک روایت جس سے ایک رکعت وتر کا ثبوت ملتا ہے کے بارے میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لقد تفکرت فيه قريباً من أربعة عشر سنة'' ''بے شک تقریباً میں چودہ (۱۴) سال سے اس کے بارے میں فکر مند رہا ہوں۔''[2]

اتنی طویل فکر مندی کس لیے؟ اس حدیث کا جواب دینے کے لیے یہ اتباع حدیث کا تقاضا نہیں بلکہ تقلید و جمود کی کرشمہ سازی ہے اس نوعیت کی متعدد مثالیں پیشِ نظر ہیں مگر یہاں یہ ہمارا موضوع نہیں۔

اسی طرزِ فکر کا نتیجہ ہے کہ ماضی میں شیعہ، سنی ہی نہیں احناف و شوافع وغیرہما

---

[1] تذکرۃ الرشید (۱ ۱۳۰، ۱۳۱)، نیز دیکھیں: امداد الفتاویٰ (۵ ۲۹۷)

[2] العرف الشذی (ص: ۲۱۴)، فیض الباری (۲ ۳۷۵)، معارف السنن (٤ ٢٦٤)

میں جنگ و جدال تک کی نوبت آئی۔ علامہ یاقوت الحموی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''الرّی'' جو بلادِ جبال میں ایک شہر ہے! اس میں تین گروہ تھے۔ شافعی سب سے کم، ان سے زیادہ حنفی تھے، جب کہ وہاں کثرت شیعوں کی تھی، بلکہ نصف آبادی شیعوں کی تھی۔ وہاں پہلے شیعہ سنی فساد ہوا تو شافعیوں اور حنفیوں نے مل کر شیعوں کو تہس نہس کر ڈالا، تا آنکہ کوئی قابلِ ذکر شیعہ نہ بچ سکا۔ اس کے بعد حنفیوں اور شافعیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ شافعی تعداد میں کم ہونے کے باوجود ہر بار غالب آتے تھے۔ ''الرستاق'' کے حنفی بھی اپنے ہمنواؤں کی امداد کے لیے آتے مگر کوئی پیش نہ جاتی۔ یہاں تک کہ شافعیوں اور حنفیوں میں وہی بچ سکا۔ جس نے اپنے مسلک کو چھپائے رکھا اور اپنے چھپنے کے لیے گھروں کو تہ خانوں میں منتقل کر لیا اور اگر وہ یوں نہ کرتے تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا۔''[1]

یہ اور اسی نوعیت کے متعدد واقعات تاریخ اسلام اور مسلمانوں پر بدترین داغ ہیں۔ ایسے کچھ مزید واقعات اس فقیر کی کتاب اسبابُ اختلاف الفقہاء میں دیکھے جا سکتے ہیں:

اسی تصلب اور جمود کی انتہا دیکھیں کہ فرمایا گیا:

''إن الإمام لمن التزم تقليد مذهبه كالنبي عليه السلام مع أمته، لا يحل له مخالفته''[2]

''جس امام کے مذہب کی تقلید لازم قرار دی جائے، اس امام کی وہی حیثیت ہے جو نبی علیہ السلام کی اپنی امت کے لیے ہے، اس کے لیے اس کی مخالفت حلال نہیں۔''

---

[1] معجم البلدان (٣/ ١١٧) [2] ترتيب المدارك للقاضي عياض (١/ ٧٨)

جب کہ امر واقعہ بھی یہی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وترى العامة سيماً اليوم في كل قرية يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين ويرون خروج الإنسان من مذهب من قلده ولو في المسئلة كالخروج من الملة كأنه نبي بعث إليه، وافترضت طاعته عليه“[1]

”اور تم عام لوگوں کو دیکھو گے بالخصوص ان ایام میں ہر بستی میں کہ وہ مذاہب متقدمین میں سے کسی ایک مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور جس کی وہ تقلید کرتے ہیں اس کے مذہب سے خروج کو ملت (اسلام) سے خروج سمجھتے ہیں خواہ ایک مسئلہ ہی میں ہو، گویا کہ وہ نبی ہیں جو ان کی طرف مبعوث ہوئے اور اس کی اطاعت اس پر فرض کی گئی ہے۔

مقلدین کی اسی حالت زار کا ذکر امام عز الدین رحمہ اللہ بن عبدالسلام نے[2] اور حافظ ابوشامہ رحمہ اللہ عبدالرحمان بن اسماعیل نے بھی کیا ہے۔[3]

امام عز الدین رحمہ اللہ کا یہی کلام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ، عقد الجید، الانصاف اور اتحاف النبیہ میں، علامہ صالح الفلانی نے الایقاظ اور علامہ طاہر الجزائری رحمہ اللہ نے توجیہ النظر میں بھی نقل کیا ہے۔[4]

اس حوالے سے بہت سی شہادتیں پیشِ نظر ہیں مگر یہ ہمارا موضوع نہیں۔ مقصد صرف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے اس کی تائید

---

[1] التفهيمات (١ ١٥١) [2] القواعد (٢ ١٣٦)

[3] المؤمل في الرد إلى الأمر الأول مجموعه رسائل المنيرية (٢ ١٩، ٣٩)، الرد على من اخلد إلى الأرض للسيوطي (ص: ١٤٧)

[4] حجة الله (١ ١٥٥)، عقد الجيد (ص: ٦٤) ط مطبع سعيدى كراچى، الانصاف (ص: ٩٩، ١٠٠) ط دار النفائس، اتحاف النبيه (ص: ١١٠)، الايقاظ (ص: ١٠٨) توجيه النظر (ص: ١٣١)

دیگر حضرات سے بھی ہوتی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہی قول نقل کر کے فرمایا ہے:

ان کا کہنا کہ امام کی مخالفت حلال نہیں، محض دعویٰ ہے اور بلامعرفت اجتہاد ہے، بلکہ اس میں اس کے امام کی مخالفت ہے جب وہ کسی اور امام کی بات تسلیم کرتا ہے اور اس مسئلے میں اس کی دلیل قوی حجت پر مبنی ہوتی ہے جو دلیل ان کے لیے ظاہر ہوتی ہے، اس شخص کی طرح نہیں جو کسی امام کے مذہب کو اختیار کر لیتا ہے...... جن کی تقلید کی جائے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ بشرطیکہ ان کا قول باسند منقول ہو، پھر ائمہ تابعین ہیں جیسے علقمہ، مسروق، عبیدۃ السلمانی، سعید بن المسیب، ابو الشعثاء، سعید بن جبیر، عبیداللہ بن عبداللہ، عروۃ، قاسم، عامر الشعبی، حسن بصری، ابن سیرین ابراہیم النخعی، پھر الزہری، ابو الزناد، ایوب سختیانی، ربیعۃ اور دیگر حضرات رحمہم اللہ ہیں۔ پھر جیسے امام ابو حنیفہ، مالک، اوزاعی، ابن جریج، معمر، ابن ابی عروبہ، سفیان ثوری، حمادین (حماد بن اسامہ، حماد بن زید) شعبہ، لیث، ابن الماجشون اور ابن ابی ذئب ہیں، پھر جیسے عبداللہ بن مبارک، مسلم الزنجی، قاضی ابو یوسف، الھقل بن زیاد، وکیع، الولید بن مسلم اور دیگر ان کے ہم طبقہ حضرات رحمہم اللہ ہیں۔

پھر جیسے امام شافعی، ابو عبید قاسم بن سلام، احمد بن حنبل، اسحاق، ابو ثور، البویطی اور ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہم اللہ ہیں۔

پھر جیسے امام مزنی، ابوبکر الاثرم، البخاری، داود بن علی، محمد بن نصر المروزی، ابراہیم الحربی اور اسماعیل قاضی رحمہم اللہ ہیں۔

پھر جیسے امام محمد بن جریر الطبری، ابوبکر بن خزیمہ، ابی عباس بن سُریج، ابوبکر ابن المنذر، ابو جعفر الطحاوی اور ابوبکر الخلال رحمہم اللہ ہیں۔

ان تمام ائمہ کا ذکر کر کے اور رائج مذاہب (مذاہبِ اربعہ، السفیانیہ، اوزاعیہ،

داود یہ، ابن جریر، ابو ثور) پر تبصرہ کر کے بالآخر فرمایا ہے:

"قلت: ولكن هذا الإمام الذي هو النجم الهادي قد أنصف، وقال قولًا فصلًا، حيث يقول: كل أحد يؤخذ من قوله ويترك، إلا صاحب هذا القبر ﷺ" [1]

"میں کہتا ہوں: لیکن اس امام (مالک) نے جو ہدایت کے ستارے ہیں، بہت انصاف کیا اور فیصلہ کن بات فرمائی: "ہر کسی ایک کی بات لی جائے گی اور چھوڑی بھی جائے گی، سوائے اس قبر والے صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے۔"

یاد رہے یہی بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی فرمائی ہے:

"ليس أحد إلا يؤخذ من قوله ويدع غير النبي ﷺ" [2]

"نبی کریم ﷺ کے علاوہ ہر ایک کا قول قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی۔"

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، [3] بلکہ اس کی سند صحیح ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ہر بات حجت اور دلیل ہے، آپ ﷺ ہی ہیں جن کی کسی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ دل و جان سے تسلیم کرنا ہی ایمان ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مجتہد اور فقیہ ائمہ اربعہ ہی نہیں، بہت سے ہیں اور حدیث کی جمع و تدوین کرنے والے سبھی اہلِ حدیث نہیں، بلکہ وہی اہلِ حدیث ہیں جنھوں نے احادیثِ مبارکہ کو جمع کیا اور عقیدہ و عمل میں انھیں قبول کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روش کو اختیار کرتے ہوئے بدعات سے اجتناب کیا۔ ان کی تمام تر وابستگی صرف رسول اللہ ﷺ سے ہے، انہی سے محبت انہی کی حمیت اور انہی کا دفاع ان کی زندگی کا مشن

---

[1] السير (٨/ ٩٠۔ ٩٣) [2] طبراني كبير (١١/ ٣٣٩، رقم: ١١٩٤١)

[3] المجمع (١/ ١٧٩)

ہے، جیسے پہلے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر ہوا ہے۔ مذاہبِ اربعہ سے وابستہ حضرات انھیں ''شرذمہ قلیلہ'' کا طعنہ دے کر خوش ہوتے ہیں، حالانکہ ان حضرات کے لیے یہی ''غربت'' باعثِ فخر ہے، کیوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بدأ الإسلام غريباً وسيعود كما بدأ غريباً فطوبى للغرباء'' [1]

''اسلام کی ابتدا اس حالت میں ہوئی کہ وہ غریب تھا اور عنقریب اسی طرح ہو جائے گا جسے ابتداءً غریب تھا۔ پس اس پر عمل کرنے والوں کے لیے مبارک ہو، خوش خبری ہو۔''

''غریب'' کے معنی غیر مانوس اور اجنبی کے ہیں۔ اسی بنا پر عربی میں مسافر کو غریب کہتے ہیں۔ چنانچہ اسلام ابتداءً مشرکانہ ماحول میں اجنبی سمجھا جاتا تھا، کفارِ مکہ کہتے تھے کہ ایک ہی معبود کی عبادت کی دعوت عجیب سی بات ہے، کسی اور ملت میں ہم نے یہ غیر مانوس دعوت نہیں سنی۔ ابتداءً اسلام قبول کرنے والے بھی اکثر غریب، فقراء اور درمیانے طبقے کے حضرات تھے۔ پھر وہ وقت آیا جب جزیرۂ عرب میں اسلام کو اللہ تعالیٰ نے سربلند فرمایا اور خلفائے راشدین کے دور میں عرب وعجم سب سرنگوں ہو گئے، مگر پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب توحید کی وہی دعوت اجنبی سمجھی جانے لگی۔ شرک کی آبیاری ہونے لگی، کتاب وسنت کی پیروی کی بجائے ائمہ فقہاء کے اقوال وفتاویٰ ہی کو مشعلِ راہ بنایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کہ لوگ اپنی گمراہیوں میں مبتلا ہو جائیں گے جن میں پہلی امتیں مبتلا ہو گئی تھیں۔ اس حالت میں صراطِ مستقیم پر قائم رہنے والوں کے بارے میں فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم (١٤٥)

”لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة“ الحديث[1]

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا اور قیامت تک حق پر قائم رہے گا۔“

یہ حدیث معمولی اختلافِ لفظ سے صحیح بخاری[2] میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سے مروی ہے، بلکہ یہ روایت حضرت ثوبان، معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت قرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کے واسطے سے امام علی رحمہ اللہ بن المدینی کا قول ذکر کیا ہے کہ ”هم أصحاب الحديث“ کے وہ گروہ اصحاب الحدیث کا ہے۔[3]

بلکہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم تین یا چار ساتھی امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کے ہاں حاضر تھے تو انھوں نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ ”لا تزال طائفة من أمتي“ کا مصداق تمھی لوگ ہو، کیوں کہ تُجار تجارت میں مشغول ہیں، کاریگر اپنی مصنوعات میں اور بادشاہ اپنی مملکت کے انتظام میں مشغول ہیں اور تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی آبیاری کر رہے ہو۔[4]

امام حاکم رحمہ اللہ نے بسند صحیح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

”إن لم يكونوا أهل الحديث فلا أدري من هم“[5]

---

[1] مسلم (١٥٦) عن جابر بن عبد الله [2] صحيح البخاري (٧٣١١، ٣٦٤٠، ٧٤٥٩)

[3] سنن الترمذي (٢١٩٢)، شرف أصحاب الحديث (١٢، ١١، ٤٤-٥١)، فتح الباري (١٣/ ٢٩٣)

[4] شرف أصحاب الحديث (رقم: ١٠٧)، ذم الكلام للهروي (٣٤٢) شائقین اس کی مزید وضاحت کے لیے شرف أصحاب الحديث (ص: ٨، ٩) میں اس حدیث سے پہلے خطیب اور المعرفۃ (ص: ٢) میں امام حاکم کا کلام ملاحظہ فرمائیں۔

[5] معرفة علوم الحديث (ص: ٢)، شرف أصحاب الحديث (ص: ٤٨)

”اگر اس حدیث سے اہلِ حدیث مراد نہیں تو پھر معلوم نہیں وہ کون ہیں؟“

یہی بات امام یزید بن ہارون، امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن سنان، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔[1] اور یہ جو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مصداق اہلِ علم ہیں: ”هم أهل العلم“[2] تو یہاں بھی کتاب و سنت کا علم رکھنے والے ہی مراد ہیں۔ اہل الرائے، اہلِ فقہ وغیرہ مراد نہیں جیسا کہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے ”يحمل العلم هذا من كل خلف عدو له“ کے تحت فرمایا ہے کہ یہاں علم سے مراد کتاب و سنت کا علم ہے اور ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ نے جو کہا ہے اس سے علمِ فقہ بھی مراد ہے تو یہ صحیح نہیں:

”وهو غير صحيح لأنه مأخوذ منهما، لأنه مصطلح حادث لم يكن له وجود عند قوله هذا“[3]

”اور وہ صحیح نہیں، کیوں کہ علمِ فقہ تو قرآن و سنت سے ماخوذ ہے، اور اس لیے بھی کہ فقہ کی اصطلاح حادث ہے، اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کا وجود نہ تھا۔“

اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اگر اس سے اہلِ علم مراد لیے ہیں تو اس سے بھی ان کی مراد اہلِ حدیث ہی ہیں جیسا کہ خطیب بغدادی نے شرف اصحاب الحدیث میں ان سے نقل کیا ہے۔

امام حماد رحمہ اللہ بن زید سے امام یزید رحمہ اللہ بن ہارون نے پوچھا کہ کیا اصحاب الحدیث کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں پھر انھوں نے ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ

---

[1] شرف أصحاب الحديث (٤٦۔٥١)، المحدث الفاصل (ص: ١٧٧، ١٧٨)

[2] کتاب الاعتصام باب نمبر ١٠

[3] مرقاة المفاتيح (١/ ٣٠٢)

﴿مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ﴾ [التوبة: ١٢٢] تلاوت فرمائی۔[1]

آنحضرت ﷺ امت کے لیے کتاب وسنت ہی چھوڑ کر گئے اور حقیقتاً یہی علم ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہی کی حفاظت کی اور آگے امت تک انھیں پہنچایا۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم میں ”باب معرفة أصول العلم وحقيقته“ کے تحت بہت سے آثار نقل کیے ہیں کہ علم کتاب وسنت کا نام ہے۔[2]

اسی علم کے حاملین اجنبیوں کے تعارف میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”ومن صفات هؤلاء الغرباء الذين غبطهم النبي ﷺ، التمسك بالسنة إذا رغب عنها الناس، وترك ما أحدثوا وان كان هو المعروف عندهم، وتجريد التوحيد، وإن أنكر ذلك أكثر الناس، وترك الانتساب إلى أحد غير الله ورسوله، لا شيخ ولا طريقة ولا مذهب ولا طائفة، بل هؤلاء الغرباء منتسبون إلى الله بالعبودية له وحده، إلى رسوله بالاتباع لما جاء به وحده“[3]

”ان اجنبیوں کی صفات، جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے رشک کیا ہے، میں سے سنت کی پیروی ہے جب لوگ اس سے بے رغبتی اختیار کریں گے، اور جو لوگوں نے بدعات ایجاد کی ہیں ان سے کنارہ کشی ہے، اگرچہ وہ ان کے نزدیک معروف ومعمول ہوں، اور خالص توحید اگرچہ اکثر لوگ اس کا انکار کریں، اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونا انھوں نے چھوڑ دیا، نہ کسی شیخ نہ کسی طریقت نہ

---

1. السير (٧/ ٤٦٠)، الرحلة في طلب الحديث، للخطيب
2. تفصیل کے لیے دیکھیں: الجامع (٢/ ٢٢، ٣٥)
3. مدارج السالكين (٣/ ٢٠٦، ٢٠٧)

کسی مذہب اور نہ کسی طائفہ کی طرف وہ منسوب ہیں، بلکہ وہ اجنبی ہیں جو صرف اللہ کی عبدیت کی طرف منسوب ہیں اور اللہ کے رسول کی اتباع میں ان کی طرف منسوب ہیں جو صرف وہی لے کے آئے ہیں۔‘‘

یہ ہیں وہ غرباء اور یہ ہیں وہ اہلِ حدیث و محدثین جو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے منسلک ہیں ان کی چاہتوں اور محبتوں کا وہی مرکز ہیں۔ اسی بنیاد پر ان کی کسی سے محبت ہے اور اسی بنیاد پر کسی سے اختلاف ہے اور یوں وہی ’’من أحب للّٰه، وأبغض للّٰه، وأعطا للّٰه، ومنع للّٰه‘‘ کا مصداق ہیں۔

یوں کہنے کو تو سبھی اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم بھی اہلِ حدیث ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن کتاب و سنت ہی ہمارا ماخذ ہے لیکن محض دعویٰ اس کے لیے کافی نہیں، جب تک کہ طرزِ عمل اس کے مطابق نہ ہو، اور اپنی حمیت و غیرت کا مرکز اللہ اور اس کے رسول ﷺ نہ ہوں، جب کہ اہلِ مذہب تو اپنے امام کی اقتدا ایسے کرتے ہیں، اسی طرح مریدین اپنے پیروں کی ایسی پیروی کرتے ہیں جیسے امتی اپنے نبی کی کرتے ہیں۔ ان کے لیے بنیادی دلیل ان کے امام اور مرشد کا قول و عمل ہے، کتاب و سنت نہیں، جیسا کہ مختصراً ہم ذکر کر آئے ہیں۔ الدر المختار کے شارح علامہ سید احمد الطحطاوی رحمہ اللہ اسی حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

’’فإن قلت: ما وقوفك على أنك على صراط مستقيم، وكل واحد من هذه الفرق يدعى أنه عليه، قلت: ليس ذلك بالإدعاء والتثبت باستعمالهم الوهم القاصر والقول الزاعم، بل بالنقل عن جهابذة هذه الصنعة وعلماء أهل الحديث الذين جمعوا صحاح الأحاديث في أمور رسول اللّٰه ﷺ وأحواله وأفعاله وحركاته وسكناته، وأحوال

الصحابة والهماجرين والأنصار الذين اتبعوهم بإحسان، مثل البخاري ومسلم وغيرهما من الثقات المشهورين الذين اتفق أهل المشرق والمغرب على صحة ما أورده في كتبهم من أمور النبي ﷺ وأصحابه رضي الله عنهم، ثم بعد النقل ينظر إلى الذي تمسك بهديهم، واقتفى أثرهم، واهتدى بسيرهم في الأصول والفروع، فيحكم بأنه من الذين هم هم، وهذا هو الفارق بين الحق والباطل والمميز بين من هو على صراط مستقيم، وبين من هو على السبيل الذي على يمينه وشماله" [1]

"اگر تم کہو کہ تو نے کیسے جان لیا کہ تم صراطِ مستقیم پر ہو، جب کہ ہر ایک فرقہ ان فرقوں میں سے دعویٰ کرتا ہے کہ میں راہِ راست پر ہوں، تو میں کہوں گا کہ کسی فرقہ کے محض دعویٰ سے اور اپنے وہمِ قاصر اور خیالی کلام سے چمٹ جانے سے نہیں ہوتا، بلکہ راہِ راست پر وہ ہے جو ان احادیث کو نقل کرے جنھیں اس فن کے نقاد اور علمائے اہلِ حدیث نے نقل کیا ہے اور انھوں نے صحیح احادیث جمع کی ہیں، آنحضرت ﷺ کے احکام، احوال اور افعال، اور آپ کی حرکات و سکنات کے بارے میں، اور صحابہ، مہاجرین و انصار کے احوال جمع کیے، جنھوں نے نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کی، جیسے بخاری و مسلم وغیرہما مشہور ثقات میں سے ہیں۔ اور انھوں نے اپنی کتابوں میں جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے احکام و احوال جمع کیے اور اہلِ مشرق و مغرب ان کی صحت پر متفق ہیں، پھر احادیثِ مذکورہ کو

---

[1] شرح الطحطاوي (٤/ ١٥٣) كتاب الذبائح

نقل کرنے کے بعد دیکھے کہ کون ان کے طریقے سے تمسک کرتا ہے اور ان کے پیچھے چلتا ہے اور اصول و فروع میں ان کی سیرتوں کے مطابق راہ پاتا ہے، تب فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ شخص اس گروہ سے ہے جو راہِ راست پر ہے یہی وہ معیار ہے جو حق و باطل کے مابین فرق کرتا ہے اور تمیز کرتا ہے کہ کون صراطِ مستقیم پر ہے اور کون ہے جو راہِ راست سے دائیں اور اس کے بائیں راستے پر جاتا ہے۔''

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ احادیثِ پاک اور سلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال سے تمسک ہی صراطِ مستقیم ہے۔ جو بات علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے وہی بات علامہ محمد طاہر پٹنی نے کہی ہے، چنانچہ لفظ ''خط'' کے تحت لکھتے ہیں:

''فإن قلت: ما وثوقك أنك على الصراط المستقيم فإن كل فرقة تدعى انها عليه، قلت: بالنقل عن الثقات المحدثين الذين جمعوا صحاح الأحاديث في أموره ﷺ وأحواله وأفعاله وفي أحوال الصحابة مثل الصحاح الستة التي اتفق الشرق والغرب على صحتها وشراحها كالخطابي والبغوي والنووي اتفقوا عليه، فبعد ملاحظته ينظر من الذي تمسك بهديهم واقتفى أثرهم''[1]

''پھر اگر تم کہو کہ تمھیں کیسے یقین ہے کہ تم صراطِ مستقیم پر ہو، کیوں کہ ہر فرقہ مدعی ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ثقہ محدثین جنھوں نے صحیح احادیث کو جمع کیا، آنحضرت ﷺ کے احکام، احوال اور ان کے افعال کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال کو نقل کرنے سے، جیسے صحاح ستہ

---

[1] مجمع البحار (١/ ٣٥٦) ط نول کشور

ہیں جن پر مشرق و مغرب میں اتفاق ہے کہ وہ صحیح ہیں اور ان کے شارحین جیسا کہ علامہ الخطابی، بغوی اور نووی رحمہم اللہ نے جس پر اتفاق کیا۔ اسے دیکھنے کے بعد وہ دیکھے کہ کون ان کے طریقے پر چلتا ہے اور ان کی پیروی پر اکتفا کرتا ہے۔"

اس لیے صراطِ مستقیم پر وہی ہے جو کتاب اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسک کرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کی پیروی کرے۔ اس سے ہٹ کے کسی اور سے وابستگی اور اس کے قول و عمل پر اعتماد کر کے اور اس کو اپنا دین قرار دینا قطعاً صراطِ مستقیم کی پیروی نہیں۔ جو بات علامہ طحاوی اور علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہما اللہ نے فرمائی، یہ دراصل ان احادیث کی روشنی میں فرمائی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کی پیروی کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کے بعد وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھیں آب دیدہ ہوگئیں، دل ڈر گئے۔ ایک صاحب نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو گویا الوداعی وعظ ہے، ہمیں وصیت فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً، فانه من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين))[1]

"میں تمھیں اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور جو حاکم ہو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو، اس کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب

---

[1] مسند أحمد (٤ ١٢٦، ١٢٧)، أبو داود و ترمذي وغيرهم.

بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہو گا؟ تو فرمایا: ''جو اس طریقے پر ہو گا جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے۔''

بلاریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع تھے اور آپ کی ہر ادا پر مر مٹتے تھے، ان کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیارِ ایمان قرار دیا ہے [البقرۃ: ۱۳۷]۔ اور ان کے ایمان و عمل کی جابجا تعریف کی ہے اور ان کی وفاداری و جانثاری کا اظہار و اعلان فرمایا ہے۔ اور ان کے طریقہ و عمل سے اعراض پر جہنم کی وعید سنائی ہے:

﴿وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا﴾

[النساء: ۱۱۵]

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

تو اس آیت کے نازل ہوتے وقت مومن کون تھے؟ ظاہر ہے وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل پیروکار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی عملی تصویر تھے اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تعبیر و تفصیل

کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے حدیث و سنت کی اتباع درحقیقت قرآن مجید ہی کی اتباع ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن و سنت ہی کے فرمانبردار تھے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فرمانبرداری ہی راہِ نجات ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی فرمانبرداری جنت کی راہ قطعاً نہیں۔

السواد الاعظم کا مفہوم:

اور یہ جو بعض روایات ہیں: "السواد الأعظم" اور "الجماعة" کی فرمانبرداری کا ذکر ہے تو اولاً: "السواد الأعظم" کی اتباع کی روایت ہی ضعیف ہے۔[1] ثانیاً: "عليكم الجماعة" سے مراد خلیفہ اور سلطان اعظم مراد ہے یا تو اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اور انھی کا گروہ مراد ہے۔ ان احادیث میں "الاکثر" زیادہ لوگ مراد نہیں، کیوں کہ اکثر و بیشتر تو علم سے ہی بے خبر ہیں۔ اور وہ حضرات بھی مراد ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی میں کتاب و سنت کے فرمانبردار ہیں۔ جنھیں حق پر قائم رہنے والا طائفہ منصورہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔

امام اسحاق رحمہ اللہ بن راہویہ سے پوچھا گیا کہ اے ابو یعقوب! "السواد الاعظم" سے مراد کون سا گروہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: "محمد بن أسلم وأصحابه ومن تبعه" وہ محمد رحمہ اللہ بن اسلم طوسی کندی اور ان کے رفقا اور فرمانبردار ہیں۔ پھر فرمایا: میں نے پچاس سال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر بڑے اہتمام سے عمل کرنے والا ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں سنا۔[2]

امام اسحاق رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص نے امام عبداللہ رحمہ اللہ بن مبارک سے یہی سوال کیا: "السواد الأعظم" کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابو حمزہ رحمہ اللہ محمد بن میمون

---

[1] ملاحظہ ہو: مرعاة (۱/ ۲۸۰)

[2] السير (۱۲/ ۱۹۷)، الحلية (۹/ ۲۳۹، ۲۳۸)، الاعتصام للشاطبي (۲/ ۷۴، ۲۶۷)

السکری۔ امام اسحاق نے فرمایا: اپنے زمانے میں امام ابو حمزہ رحمہ اللہ تھے اور ہمارے زمانے میں محمد رحمہ اللہ بن اسلم ہیں۔[1]

امام اسحاق رحمہ اللہ نے نیز فرمایا: ''اگر تم جاہلوں سے پوچھو: السواد الاعظم کون ہے؟ تو کہیں گے: لوگوں کی جماعت، وہ نہیں جانتے کہ جماعت وہ عالمِ دین ہے جو رسول اللہ ﷺ کا متبع ہو، لہٰذا جو اس کا ہم نوا اور فرمانبردار ہے وہ جماعت ہے۔''[2]

یہی بات حافظ ابو محمد عبدالرحمان رحمہ اللہ بن اسماعیل المعروف ابو شامہ نے کتاب الحوادث والبدع میں فرمائی ہے، جیسے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اغاثۃ اللہفان[3] الباب العاشر میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے ''الجماعۃ'' اور ''السواد الاعظم'' سے عوام کی بھیڑ اور کثرت مراد نہیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ علمائے عظام مراد ہیں جو ہر دور میں حق کے علمبردار رہے ہیں۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"المراد بالسواد الأعظم هم من كان من أهل السنة والجماعة ولو واحداً"[4]

''سوادِ اعظم سے مراد وہ ہیں جو اہلِ سنت والجماعۃ میں سے ہیں، اگرچہ وہ ایک ہی ہو۔''

نیز فرماتے ہیں:

"اسلكوا سبيل الحق ولا تستوحشوا من قلة أهله"[5]

''حق کے راستے پر چلو اور اس پر چلنے والوں کی کمی سے خوف نہ کھاؤ۔''

---

[1] أیضاً، نیز دیکھیں: السیر (٧/ ٣٧٨)، التهذیب (١٢/ ٣٨٣) وغیرہ۔

[2] مزید دیکھیں: الاعتصام (٢/ ٢٦٠-٢٦٦) المسألة السادسة عشرة والسابعة عشرة.

[3] إغاثة اللهفان (١/ ٨٤، ٨٥)

[4] ميزان للشعراني (١/ ٥٨)

[5] الاعتصام للشاطبي (١/ ٣٤)

اور یہ اس لیے کہ ہر دور میں حق کے پیروکار تعداد میں کم ہی رہے ہیں:

﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ [السبأ: ١٣]

''میرے شکر گزار بندے کم ہی ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ﴾ [صٓ: ٢٤]

''سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے، ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔''

حتی کہ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود اکثر شرک میں مبتلا رہے ہیں، اور ہیں، جیسے فرمایا:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ [یوسف: ١٠٦]

''ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود مشرک ہی ہیں۔''

اس عنوان کی بھی متعدد آیاتِ مبارکہ ہیں کہ ہر دور میں کفر و شرک، بدعات و خرافات اور گمراہی میں اکثر لوگ مبتلا رہے ہیں، اس لیے معیار عامۃ الناس کی کثرت و قلت نہیں، بلکہ راہِ حق کی پیروی ہے۔ تعجب ہے کہ کثرت رواۃ تو موجبِ ترجیح نہ ہو، مگر عامۃ الناس کی پیروی حق کی دلیل ٹھہرے۔ فوا أسفا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی معروف کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں کہ اہلِ بدعت اہل السنۃ کی مخالفت میں ان کے مختلف نام رکھتے ہیں جبکہ

''لا اسم لهم إلا اسم واحد وهو أصحاب الحديث''[1]

''اور اہل السنۃ کا ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اصحاب الحدیث۔''

اسی طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

---

[1] الغنية (١/ ٨٠) ط مصطفى البابي مصر

"فعلى المؤمن اتباع السنة والجماعة، فالسنة ما سنه رسول الله ﷺ والجماعة ما اتفق عليه أصحاب رسول الله ﷺ في خلافة الأئمة الأربعة الخلفاء الراشدين المهديين رحمة الله عليهم أجمعين"[1]

"مومن پر اہل السنۃ والجماعۃ کی اتباع ضروری ہے۔ سنت وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا، اور الجماعہ وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو، ائمہ اربعہ خلفائے راشدین مہدیین رحمہم اللہ کے دورِ خلافت میں۔"

اسی طرح حافظ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأهل السنة الذين نذكرهم أهل الحق، ومن عداهم فأهل البدعة، فإنهم الصحابة رضي الله عنهم وكل من سلك نهجهم من خيار التابعين رحمهم الله ثم أصحاب الحديث ومن اتبعهم من الفقهاء جيلًا فجيلًا إلى يومنا هذا ومن اقتدى بهم من العوام في شرق الأرض وغربها رحمة الله عليهم"[2]

"اور اہل السنۃ جن کا ذکر ہم اہلِ حق کے لفظ سے کریں گے، اور جو ان کے مخالف ہیں، انھیں اہلِ بدعت کہیں گے۔ بے شک وہ اہل السنۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ تمام نیک تابعین ہیں جو ان کے طریقے کی پیروی کریں، پھر اصحاب الحدیث اور جو فقہائے کرام ان کے پیروکار ہوئے یکے بعد دیگرے ہمارے اس زمانے تک، دنیا کے مشرق و مغرب کے

---

[1] الغنية (١/ ٨٠) ط مصطفى البابي مصر

[2] الفصل (٢/ ١١٣) ط دار المعرفة بيروت

سب عوام جنھوں نے ان کی پیروی کی، ان سب پر اللہ کی رحمت ہو۔"

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بدعت کی مذمت اور سنت کی تحسین بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے اگر کوئی کہے کہ ہر بدعتی تو یہی کہتا ہے کہ وہ اہلِ سنت میں سے ہے تو اہلِ سنت کون ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے:

"ان السنة في اللغة الطريق، ولا ريب في أن أهل النقل والأثر المتبعين آثار رسول الله ﷺ وآثار أصحابه هم أهل السنة لأنهم على تلك الطريق التى لم يحدث فيها حادث، إنما وقعت الحوادث والبدع بعد رسول الله ﷺ وأصحابه"[1]

"لغت میں سنت سے مراد راستہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل النقل والاثر (یعنی محدثین) جو رسول اللہ ﷺ کے آثار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کی تابعداری کرنے والے وہی اہلِ سنت ہیں، کیونکہ وہ اسی راستے کے رہ رَو ہیں جب کوئی بدعت ایجاد نہیں ہوئی تھی، بدعات رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد وقوع پذیر ہوئی ہیں۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ الاحقاف (آیت: ۱۱) کے تحت اہلِ سنت کے نزدیک بدعت کا تعارف ان الفاظ سے کروایا ہے:

"وأما أهل السنة والجماعة فيقولون: في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضي الله عنهم هو بدعة، لأنه لو كان خيراً لسبقونا إليه لأنهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير إلا وقد بادروا إليها"[2]

---

[1] تلبيس إبليس (ص: ۳۱)　[2] تفسير ابن كثير (٤/ ١٦٤)

''اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں: ہر وہ قول وعمل جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، وہ بدعت ہے، اس لیے کہ اگر وہ بہتر و بھلا ہوتا تو وہ اس کی طرف ہم سے سبقت کرتے، کیوں کہ انھوں نے کسی اچھے عمل کو نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے کرنے میں جلدی کرتے تھے۔''

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اہل السنۃ و اہل الحدیث اسی راہ کے راہرو ہیں، کتاب و سنت ہی ان کا مرجع و ماویٰ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو طریقہ اختیار کیا، وہی ان کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اور جو عقیدہ و عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نہیں، اہل السنۃ کا نہیں، اہل السنۃ اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔ یہی اسلوب تابعین عظام اور حضرات محدثین رحمہم اللہ کا ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

پہلے قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدہ و عمل میں ہم نوائی کی جو نصوص ہم نے ذکر کی ہیں، ان کے الفاظ پر غور فرمائیں، وہ ہیں: ''المؤمنین'' اور ''واصحابي'' میرے اصحاب اور مومنوں کا طریقہ۔ جس میں اجماع صحابہ یا اکثر صحابہ کے طریقہ کی پیروی کا حکم ہے، کسی ایک صحابی کے قول و عمل کا اعتبار بھی تبھی ہے جب کسی اور صحابی سے اس کی مخالفت منقول نہ ہو اور یہ جو مشہور ہے:

''أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم''

''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم اقتدا کرو گے تو تم ہدایت پاؤ گے۔''

یہ روایت سنداً و معناً دونوں لحاظ سے سخت ضعیف اور غیر معقول ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے تفصیلاً اس پر نقد کیا ہے، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے الاحکام فی اصول الاحکام میں بھی اسے ساقط الاعتبار

قرار دیا ہے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام بزار رحمہ اللہ نے بھی اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید امام المزنی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام ثقہ و امین ہیں جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کریں اور جس کی گواہی دیں وہ سب مقبول ہے لیکن جو وہ اپنے اجتہاد و رائے سے کہیں اگر وہ ان کے نزدیک بھی صحیح ہوتا تو وہ مسائل میں ایک دوسرے کی تغلیط نہ کرتے اور نہ ان میں سے بعض، بعض پر معترض ہوتا اور نہ کوئی صحابی دوسرے صحابی کے قول کو رد کرتا۔ ملخصاً[2]

یہی بات انھوں نے التمہید میں کہی ہے:

”هو على ما فسره المزني وغيره من أهل النظر، إن ذلك في النقل، لان جميعهم ثقات مأمونون عدل رضى، فواجب قبول ما نقل كل واحد منهم وشهد به على نبيه صلى الله عليه وسلم“[3]

یہ روایت یوں ہے جیسے اس کی تفسیر امام مزنی رحمہ اللہ وغیرہ اہلِ علم کی ہے کہ یہ نقل کے بارے میں ہے، کیوں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثقہ، مامون، عادل اور پسندیدہ ہیں، لہٰذا ان میں سے جو بھی کوئی نقل کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی شہادت دے اسے قبول کرنا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کے مابین محرم کا اپنا

---

[1] دیکھیں: الضعيفة (رقم: ٥٨-٦١)، جامع بيان العلم (٢/ ٧٨، ٩٠، ٩١)، الإحكام في أصول الأحكام (٥/ ٦٤)، المنتخب من العلل للخلال (ص: ١٤٣، رقم: ٦٩)، جامع بيان العلم، اعلام الموقعين (٢/ ١٧١)

[2] جامع لابن عبد البر (٢/ ٩٠)

[3] التمهيد (٤/ ٢٦٣)

سر دھونے پر اختلاف ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جواز کے قائل تھے، جب کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ اس کے قائل نہ تھے، حتی کہ انھوں نے یہ تک کہہ دیا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں آئندہ نہیں دیکھوں گا۔''

یہ اختلاف ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ولو كانوا كالنجوم في آرائهم واجتهادهم إذا اختلفوا لقال ابن عباس للمسور: أنت نجم وأنا نجم، فلا عليك، وبأينا اقتدى في قوله فقد اهتدى''[1]

''اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی آراء اور اجتہادات میں اختلاف پر ستارے ہوتے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما ضرور مسور رضی اللہ عنہ سے فرماتے: تم ستارے ہو اور میں بھی ستارہ ہوں لہٰذا تم پر کوئی حرف نہیں، جو بھی ہم میں سے کسی کی بھی اقتدا کرے، بے شک ہدایت پائے گا۔''

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم کے ''باب جامع بين ما يلزم الناظر في اختلاف العلماء'' کہ علما کے اختلاف میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے کیا ضروری ہے اور اس کے بعد کے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہلِ علم حضرات کے باہمی اختلافات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے سے مسائل میں رجوع کرنا اور بعض کا بعض کی تردید کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ان کا باہمی اختلاف ان کے ہاں خطا وصواب پر مبنی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان میں سے ہر ایک کہتا جو میں نے یا آپ نے کہا: وہ جائز ہے، ہم میں سے ہر ایک ستارہ ہے جو جس کی اقتدا کرے گا ہدایت پائے گا، لہٰذا ہمارے اختلاف میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] التمهيد (٤/ ٢٦٤)

"ولو كان الصواب في وجهين متدافعين، ما خطأ السلف بعضهم بعضاً في اجتهادهم وقضائهم وفتواهم، والنظر يأبى أن يكون الشيء وضده صواباً كله"[1]

اور اگر دونوں مختلف صورتیں درست ہوتیں تو سلف ایک دوسرے کے اجتہادی فیصلوں میں خطا کا حکم نہ لگاتے اور عقل وفکر اس بات کا انکار کرتی ہے کہ ایک شے اور اس کی ضد دونوں درست ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض ان فیصلوں کا ذکر کیا ہے جن میں انھوں نے دلیل واضح ہو جانے پر اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا تھا۔ اس لیے کسی ایک صحابی کے قول وعمل کی پیروی تبھی درست ہے جب اس پر نکیر ثابت نہ ہو۔ ورنہ یہ کہنا چاہیے کہ برف کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں برف کھا لیتے تھے۔[2]

رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر نہیں بلکہ ان کے درمیان رکھنے چاہئیں، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے، شراب کی خرید وفروخت بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے۔[3] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ایسے شاذ اقوال کی اور بھی متعدد مثالیں دی ہیں۔[4] اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے انفرادی اقوال وفتاویٰ یہاں مراد نہیں، بلکہ اجماع صحابہ کی پیروی مراد ہے یا صحابی کا وہ قول وفتویٰ مراد ہے جس کی کسی اور صحابی نے مخالفت نہ کی ہو۔

ایک حقیقت کا اظہار؛ علماء کے ناموں کے ساتھ شافعی، حنفی کی نسبتیں:

یہاں یہ بات بھی معلوم رہے کہ یہ جو بعض کبار علماء کے ناموں کے ساتھ حنفی

---

[1] جامع بيان العلم (٢ ٨٨، ٢ ٩١٩) ط دار ابن الجوزي

[2] مسند أحمد (٣ ٢٧٩)، الأحكام (٦ ٨٣)

[3] صحيح مسلم (٢ ٢٢) ط پاکستان، عبد الرزاق (٨ ١٩٥)

[4] دیکھیں: إعلام الموقعين (٢ ١٧١)

یا شافعی یا مالکی یا حنبلی لکھا ہوا ہے تو کیا یہ ان کے مقلد ہونے کی دلیل ہے؟ جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں کہ مذاہبِ اربعہ کے طبقات پر مشتمل جن حضرات کو شافعی یا حنفی طبقات میں ذکر کیا گیا ہے اس کے قطعاً یہ معنی نہیں کہ وہ سبھی حضرات بہرنوع مقلد محض تھے، بلکہ ان کے اجتہاد کی کسی امام سے باکثرت موافقت کی بنا پر اس امام کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد شیبانی رحمہ اللہ باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید ہیں مگر بہت سے اصولی و فروعی مسائل میں ان سے اختلاف کرتے ہیں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں۔

"ولكل واحد منهم أصول مختصة تفرد بها من أبي حنيفة وخالفوه فيها بل قال الغزالي انهما خالفا أبا حنيفة في ثلثي مذهبه، ونقل النووي في تهذيب الأسماء عن أبي المعالي الجويني ان كل ما اختاره المزني أرى أنه تخريج ملحق بالمذهب لاكأبي يوسف ومحمد فانهما يخالفان أصول صاحبهما"[1]

"ان دونوں کے علاحدہ خاص اصول ہیں جن میں انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے بلکہ امام غزالی رحمہ اللہ نے (المنخول میں) کہا ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو ثلث مسائل میں اختلاف کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء[2] میں امام ابو المعالی الجوینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام مزنی رحمہ اللہ کے مختارات کے بارے میں میرا خیال ہے وہ (امام شافعی رحمہ اللہ کے اصولوں پر ہی) تخریج ہے اور مذہب

---

[1] النافع الكبير (ص: ٩٩) ط یوسفی لکھنو، مجموعہ الرسائل

[2] تهذيب الأسماء (٢ ٢٨٥)

شافعی رحمہ اللہ سے ملحق ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کی طرح نہیں کہ وہ دونوں تو اپنے استاد کے اصول سے مخالفت کرتے ہیں۔“

امام المزنی رحمہ اللہ کے بارے میں امام جوینی رحمہ اللہ کے علاوہ امام الرافعی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔[1]

بلکہ خود امام المزنی رحمہ اللہ نے مختصر المزنی کے مقدمہ میں فرمایا ہے:

”اختصرت هذا الكتاب من علم محمد بن أدريس الشافعي رحمه الله ومن معنى قوله، لأمر به على من أراده، مع إعلامية نهيه عن تقليده وتقليد غيره، لينظر فيه لدينه ويحتاط فيه لنفسه وبالله التوفيق“[2]

میں نے اس کتاب کا اختصار امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کے علم سے کیا ہے اور جو ان کے قول کے ہم معنی ہے، تاکہ جو امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کو سمجھنا چاہے وہ اس سے مستفید ہو، باوجود اس کے انھوں نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی اور کی تقلید سے منع کیا، تاکہ وہ اس میں اپنے دین کو دیکھے اور اپنے لیے اس بارے میں محتاط رہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، جس سے امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ کی تائید ہوتی ہے۔ تقلید کی ممانعت کا قول امام شافعی رحمہ اللہ ہی کا نہیں دیگر ائمہ کرام نے بھی تقلید سے منع فرمایا ہے۔ کسی نے اپنی تقلید کی دعوت قطعاً نہیں دی، جس کی تفصیل یہاں مزید تطویل کا باعث ہوگی۔

مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے اس کے چند سطروں کے بعد یہ بھی فرمایا ہے:

”وقد نقل عن أبي بكر القفال وأبي علي والقاضي حسين من الشافعية انهم قالوا: لسنا مقلدين للشافعي بل وافق

---

[1] طبقات الشافعيه (٢/ ١٠٢، ١٠٣)

[2] مختصر المزني على هامش الأم (١/ ٢)

رأينا رأيه"[1]

"ابوبکر قفال، ابوعلی، قاضی حسین رحمہ اللہ جو شوافع میں شمار ہوتے ہیں، سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا ہم امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد نہیں، بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہے۔"

نیز یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہی پوزیشن امام طحاوی رحمہ اللہ کی ہے اور جنھوں نے امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ کو مقلدین میں شمار کیا ہے انھوں نے "ظلم عظیم" کیا ہے۔

امام ابوعلی السنجی رحمہ اللہ کا قول علامہ نووی رحمہ اللہ نے المجموع[2] میں بھی نقل کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ جب میری کتاب میں حدیث کے خلاف قول پاؤ تو میرا قول چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو اور وہی میرا مذہب ہے۔ اسی قول کی بنا پر بہت سے شوافع نے حدیث کی بنا پر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول چھوڑ دیا۔ علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وممن حكى عنه أنه أفتى بالحديث من أصحابنا أبو يعقوب البويطي وأبو القاسم الداركي، وممن نص عليه أبو الحسن الكياد طبري في كتابه في أصول الفقه، ممن استعمله من أصحابنا المحدثين الإمام أبوبكر البيهقي وآخرون"[3]

"اور ہمارے اصحاب میں سے جس سے منقول ہے کہ وہ حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، ابو یعقوب البویطی رحمہ اللہ، ابو القاسم الدار رحمہ اللہ کی ہیں اور جنھوں نے اس کو نصًا اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں بیان کیا ہے وہ ابوالحسن الکیا الطبری ہیں اور ہمارے اصحاب محدثین میں سے جس نے

---

[1] النافع الكبير (ص: ١٠٠)
[2] المجموع (١/ ٤٣)
[3] المجموع (١/ ٦٣، ٦٤)

اسے معمول بنایا ہے وہ امام ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔‘‘

غور فرمایا آپ نے! امام بیہقی رحمہ اللہ جو حامل الواء الشافعی سمجھے جاتے ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں حدیث معمول بہ تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جو شافعی نسبت سے معروف ہیں جب کہ تقلید کی تردید کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’ان أمره ﷺ إذا ثبت لم يكن لأحد أن يخالفه، ولا يتحيل في مخالفته بل يجعله الأصل الذي يرد إليه ما خالفه لا بالعكس كما يفعله بعض المقلدين،،[1]

’’آنحضرت ﷺ کا جب حکم ثابت ہو کسی کے لیے گنجایش نہیں کہ اس کی مخالفت کرے اور نہ اس کی مخالفت میں کوئی حیلہ سازی کرے، بلکہ اسی کو اصل بنائے جو اس کے خلاف ہو اسی اصل کی طرف لوٹایا جائے نہ کہ اس کے برعکس کیا جائے جیسے بعض مقلدین کرتے ہیں۔‘‘

نیز لکھتے ہیں:

’’السنة إذا ثبتت لا يبالى من تمسك بها بمخالفة من خالفها،،[2]

’’جب سنت ثابت ہو تو جو اس کی پیروی کرنے والا کسی اختلاف کرنے والے کی مخالفت کی پروا نہ کرے۔‘‘

امام شافعی رحمہ اللہ کے مشہور قول کی متابعت میں انھوں نے متعدد مقامات پر حدیث کی بنا پر کہا ہے یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے بلکہ ان احادیث کو ایک مستقل رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔[3] جس نام ’’المنحة فيما علق الشافعي

---

[1] فتح الباري (١٣ ٣٤١) [2] فتح (٢ ٣٠١) [3] فتح الباري (٤ ٩)

القول به علی الصحة"[1] علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ان کے بعض مختارات کا ذکر الجواہر[2] میں کیا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کے ایسے اقوال کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل رسالہ بن جائے گا۔ اس لیے یہ نسبتیں ان کے اجتہادات کی ائمہ کے ساتھ موافقت کی بنا پر ہیں۔ تقلید جامد کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

ضروری تنبیہ:

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اس بات کا اظہار بھی مناسب ہے کہ اوپر جو عبارت ہم نے النافع الکبیر[3] کے حوالے نقل کی ہے یہ عبارت النافع الکبیر مع الجامع الصغیر مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی کی طباعت میں سے رہ گئی ہے، بلکہ اس کے بعد تقریباً پانچ صفحات بھی ساقط ہیں۔ جب کہ النافع الکبیر مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی میں جو مجموعہ رسائل لکھنوی کی (۱۰/۳) میں بھی مطبوع ہے اس میں اور اس سے پہلے النافع الکبیر[4] مطبوعہ ۱۹۲۱ء، مطبع الیوسفی لکھنوی مجموعہ الرسائل الست میں بھی پائی جاتی ہے۔ النافع الکبیر کی یہ عبارت علامہ کوثری رحمہ اللہ نے "حسن التقاضی فی سیرۃ الامام أبي یوسف القاضی"[5] مع مجموعہ تصانیف علامہ کوثری میں بھی نقل کی ہے۔

بلکہ علامہ کوثری رحمہ اللہ اور علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے تو شیخ شہاب الدین ہارون رحمہ اللہ بن بہاء الدین المرجانی المتوفی: ۱۳۰۶ھ کی کتاب "ناظورۃ الحق" سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے قاضی ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد شیبانی رحمہم اللہ کا فقہ میں درجہ و مرتبہ کے بارے میں کہا ہے:

---

[1] الجواهر والدرر (٢ ٦٩٣)
[2] الجواهر (٢ ٩٦٥)
[3] النافع الكبير (ص: ١٠٠)
[4] أيضاً (ص: ٨٨)
[5] حسن التقاضي (ص: ٨٩) ط دار الكتب العلمية بيروت

"إن لم يكن أرفع من مالك والشافعي وأمثالهما فليسوا بدونهما"[1]

اگر ان کا مرتبہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ جیسے حضرات سے بلند نہیں تو ان سے کم بھی نہیں۔"

ہم شیخ المرجانی رحمہ اللہ کے اس موقف کو بے حد غلو پر محمول کرتے ہیں اور ان کے تجزیہ وتحلیل سے قطع نظر صرف یہ عرض مقصود ہے کہ اس میں انھوں نے دراصل شیخ ابن کمال رحمہ اللہ کی تردید کی ہے، جنھوں نے قاضی ابویوسف، امام محمد اور امام صاحب رحمہم اللہ کے دیگر تلامذہ کو مجتہدین کے دوسرے طبقہ میں شمار کرتے ہوئے انھیں مجتہد فی المذہب شمار کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو حقیقت یہ ہے کہ مجتہدین کے طبقات کی یہ تقسیم دراصل سب کو مقلد ثابت کرنے کی سعی لاحاصل ہے، تاکہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہادِ مطلق کا دروازہ بند ہونا ثابت کیا جائے۔

اب یہاں دیکھ لیں کہ صاحبین کو امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ جیسے فقہاء کے ہم پلہ بلکہ ان کے سے بلند تر مرتبہ پر قرار دیا گیا، مگر "واشربوا في قلوبهم التقليد" کی بیماری میں مبتلا بعض حضرات نے صاحبین کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کے یہ اختلافی موقف دراصل امام صاحب رحمہ اللہ کے ہی اقوال ہیں۔[2] جس کی شرح میں علامہ محمد امین رحمہ اللہ ابن عابدین نے "فتاوى الولوالجية" کے حوالے سے قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے میں نے جس مسئلے میں امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی مخالفت کی ہے وہ درحقیقت امام صاحب رحمہ اللہ کا ہی قول ہوتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ وضاحت سے "الحاوی القدسی"

---

[1] النافع الكبير (ص: ٩٩)، حسن التقاضى (ص: ٨٨، ١٣٢)

[2] الدر المختار (١ ٦٧)

کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب امام صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے کسی کا قول لیا جائے تو قطعی طور پر سمجھا جائے گا کہ اس نے یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہی لیا ہے، کیونکہ ان کے تمام کبار تلامذہ مثلاً قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور حسن رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم نے جس مسئلے میں کوئی قول اختیار کیا ہے وہ امام صاحب رحمہ اللہ سے ہی منقول ہے اور وہ اس بات پر پختہ قسم اٹھاتے تھے اس لیے فقہ میں جو ہے سب امام صاحب کا قول ہے اور دوسرے ان اصحاب کی طرف نسبت مجازی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب حنفی ہے یوسفی نہیں۔[1] ملخصاً

یہی بات شیخ ابن عابدین نے عقود رسم المفتی میں کہی ہے جو مجموعہ رسائل ابن عابدین[2] کے ساتھ ملحق ہے، بلکہ یہی بات علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمائی ہے جیسا کہ علامہ شعرانی نے المیزان الکبریٰ[3] میں نقل کیا ہے۔

حتی کہ شیخ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جس کا نام "الجواب الشريف للحضرة الشريفة في أن مذهب أبي يوسف ومحمد هو مذهب أبي حنيفة" مگر یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے حتی کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے:

"هذا خلاف الواقع بل هما يخالفانه في كثير من المسائل الأصولية والفرعية عن دليل كما هو شأن الاجتهاد المطلق، وإنزالهما عن مرتبة المجتهد في المذهب ينافي الحقيقة الخ"[4]

"یہ خلافِ واقع ہے بلکہ وہ دونوں امام صاحب سے دلیل کے ساتھ بہت

---

[1] الدر المختار (١ ٦٧)
[2] مجموعه رسائل ابن عابدين (١ ٢٤)
[3] الميزان الكبرىٰ (١ ٥٩)
[4] حسن التقاضي (ص: ١١٣)

سے اصولی وفروعی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں، جیسا کہ مجتہد مطلق کی شان ہے، انھیں مجتہد کے مرتبہ سے گرا کر مجتہد فی المذہب کہنا حقیقت کے منافی ہے۔''

یاد رہے کہ شیخ الشہاب المرجانی رحمہ اللہ نے جو شیخ ابن الکمال رحمہ اللہ، جنھوں نے طبقات فقہاء کے مراتب ذکر کیے ہیں، کی تردید کی ہے اور ان کے ایرادات وتعقبات علامہ کوثری رحمہ اللہ نے حسن التقاضی کے آخر میں نقل کیے ہیں۔ شیخ المرجانی رحمہ اللہ نے شیخ الخصاف، علامہ طحاوی، شیخ الکرخی، علامہ الرازی وغیرہم رحمہم اللہ کے بارے میں بھی شیخ ابن الکمال کے خیالات کی سخت تردید کی ہے شائقین یہ ساری تفصیل حسن التقاضی میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ ابن عابدین رحمہ اللہ وغیرہم کی یہ بات جس بنیاد پر قائم ہے ہم اس سے بحمداللہ آگاہ ہیں لیکن اس کی کمزوری سے قطع نظر یہ دیکھیے کہ یہ بات کہاں تک درست اور امر واقع کے مطابق ہے اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجیے کہ جب امام مالک رحمہ اللہ نے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو پچاس کے قریب ایسے صاع مہاجرین وانصار کی آل واولاد سے منگوا کے دکھائے جن کے مطابق وہ عہدِ نبوی میں صدقہ ادا کرتے تھے تو انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کے موقف کہ صاع ۸ رطل ہے کو چھوڑ کے اہلِ مدینہ کے قول کو اختیار کیا کہ صاع کا وزن ۵ رطل اور ثلث رطل ہے۔[1]

اسی طرح امام صاحب رحمہ اللہ ہبہ کی بیع کو جائز قرار دیتے تھے مگر قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے حج کے بعد جب مدینہ طیبہ حاضری دی اور وہاں صحابہ کرام کے اوقاف دیکھے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے موقف کو چھوڑ دیا۔[2]

---

[1] بیہقي (٤/ ١٧١)، نصب الرایه (٢/ ٤٢٩)، فضائل أبي حنیفة لابن أبي العوام (ص: ٣٢٧)

[2] فضائل أبي حنیفة لابن أبي عوام (ص: ٣٢٧)، المبسوط (١٢/ ٢٨)

علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے ہی ذکر کیا ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ صاع کے وزن اور فجر سے پہلے اذان دینے کے بارے میں اہلِ مدینہ کے موقف کو تسلیم کر لیا، بلکہ امام محمد رحمہ اللہ کا وقف کے مسئلے میں یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کو بلا دلیل محض تحکم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام صاحب کا قول ان کے اصحاب اور دیگر لوگ دلیل کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں، تحکم کی وجہ سے نہیں، اگر وہی بغیر دلیل و قیاس کے تحکم پر اتر آئیں تو کوئی ان کی بات تسلیم نہیں کرے گا، اگر تقلید جائز ہوتی تو ان سے پہلے ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہما اللہ جیسے حضرات زیادہ لائق ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے۔[1]

بلکہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث)) الحديث[2]

"وقف کی اصل کو نہ فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثت میں تقسیم کیا جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی پر عمل کا جب علم قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو ہوا تو انھوں نے فرمایا: "هذا مما لا يسع خلافه" اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں، اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اس کا علم ہوتا تو وہ یہی فتویٰ دیتے اور اس کی مخالفت نہ کرتے۔[3] یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری[4] میں بھی ذکر کی ہے۔ شیخ الکوثری رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کے بارے میں کہا:

"في كتاب الوقف أخذ بقول شريح القاضي وجعله أصلا

---

[1] المبسوط (١٢ ٢٨)

[2] صحيح البخاري (٢٧٦٣، ٢٧٧٢)

[3] فضائل أبي حنيفة (ص: ٣٢٧، رقم: ٧٥٥)

[4] فتح الباري (٥ ٤٠٣)

ففرّع عليه المسائل، فأصبحت فروع هذا الكتاب غير مقبولة حتى ردها صاحباه“[1]

”کتاب وقف میں امام صاحب رحمہ اللہ نے شریح قاضی رحمہ اللہ کے قول کو بنیاد بنا کر فتویٰ دیا اور اسی پر مسائل کی تخریج کی جس کی بنا پر اس کتاب کی فروعات غیر مقبول ٹھہریں، حتی کہ ان کے دونوں شاگردوں نے بھی انھیں رد کر دیا۔“

علامہ کوثری رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

”وحديث عمر رضي الله عنه في تحبيس الأصل، لا يباع ولا يورث، قد صح عند الجميع، وجرت الأمة على الأخذ به على تعاقب القرون بحيث لا يسع أحداً خلافه، ومع ذلك لم يبلغ هذا الحديث أبا حنيفة فاخطأ في الرأي كما نص على ذلك أبو يوسف الخ“[2]

”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ اصل سے منفعت حاصل کی جائے نہ اسے فروخت کیا جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو، بلاشبہ تمام کے نزدیک صحیح ہے اور یکے بعد دیگرے زمانہ گزرنے پر امت کا اسی پر عمل ہے جس میں کسی کے لیے اختلاف کی گنجایش نہیں، اس کے باوجود یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نہیں پہنچی تو اس بارے میں ان سے غلطی ہوئی، جیسا کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔“

تقریباً یہی بات انھوں نے مقالات (ص: ۲۹۳) میں بھی کہی ہے بلکہ اس

---

[1] تأنيب (ص: ۲۰۳) ط دار الكتاب العربي بيروت

[2] مقالات الكوثري (ص: ۲۹۷) ط المكتبة الأزهرية

سے پہلے یہ بھی کہا ہے:

"وأبو حنيفة فيما قاله متابع لشريح القاضي دون بذل الجهد بنفسه في حكم المسألة ولو بلغته تلك الأحاديث لما تبعه الخ"[1]

"اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو کہا وہ اس میں قاضی شریح رحمہ اللہ کے متابع ہیں، خود انھوں نے اس مسئلے میں غور و فکر کی کوشش نہیں کی، اور اگر ان تک یہ احادیث پہنچ جاتیں تو وہ قاضی شریح کی پیروی نہ کرتے۔"

یہی کچھ انھوں نے النکت الطریفۃ[2] میں فرمایا ہے بلکہ المبسوط کے حوالے سے امام محمد رحمہ اللہ کا اس بارے میں سخت ردِ عمل نقل کر کے لکھتے ہیں:

"فدل قول صاحبيه على أن أصحاب أبي حنيفة لا يحابونه فيما ظهر خطؤه فيه، وهكذا يكون الإخلاص في العلم"[3]

"امام صاحب رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں کا قول دلالت کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ جس مسئلہ میں ان کی خطا ظاہر ہو جاتی تو وہ ان سے خوف زدہ نہیں ہوتے تھے، علم میں اخلاص (کا نتیجہ) ہی اسی طرح ہوتا ہے۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مالِ وقف کو فروخت کرنے اور اسے واقف کی ملک سے خارج نہیں سمجھتے تھے اور وارثین کو اسے رد کر دینے کی اجازت دیتے تھے مگر قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نہیں پہنچی اگر پہنچ جاتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے یہی کچھ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے اور کتبِ فقہ

---

[1] مقالات (ص: ۲۸۷) [2] النکت الطریفہ (۱ ۱۶۱، ۱۶۳)

[3] النکت (۱ ۱۶۳)

میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے فتویٰ پر ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں بھی اور اسی نوعیت کے دیگر مسائل کے بارے میں کہا جائے گا یا کہا جا سکتا ہے یہی قول تو پہلے خود امام صاحب رحمہ اللہ کا تھا جس کی پیروی صاحبین رحمہما اللہ نے کی ہے؟ جیسا کہ فتاویٰ الولوالجیۃ اور الحاوی القدسی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ فاعتبروا یا أولی الألباب

ہمیں معلوم ہے کہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے موقف کی تائید میں حق وکالت ادا کرنے کی بڑی کوشش کی ہے اور اپنے ''اصولوں'' کے مطابق اسے درست قرار دیا ہے، حتی کہ المبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ کا جو قول منقول ہے سے مدسوس قرار دیا ہے۔[1] اس راز کا انکشاف نہ تو علامہ سرخسی رحمہ اللہ کو ہوا نہ علامہ کوثری پر یہ راز کھلا، کھلا تو کھلا عثمانی صاحب رحمہ اللہ پر سبحان اللہ۔ ہمارا مقصد اس مسئلے کی تفصیل بیان کرنا نہیں بلکہ تقلید میں ان غالیوں کی تردید ہے، جنھوں نے کہہ دیا ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا امام صاحب رحمہ اللہ سے جو اختلاف نقل کیا جاتا ہے یہ درحقیقت اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ امام صاحب رحمہ اللہ ہی کا قول ہوتا ہے۔

یہ تو بمصداق مشتے نمونہ از خروارے چند امثلہ ہیں تطویل کا خوف نہ ہوتا تو ہم کتاب الآثار اور موطا اور الاموال لأبی یوسف وغیرہ کتب سے صاحبین کی امام صاحب رحمہ اللہ سے اختلاف کی مثالیں پیش کرتے۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف ان کی بیان کی گئی دلیل بھی ذکر کرتے۔ پھر فتویٰ دینے کے جو شرائط علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے[2] بیان کی ہیں بتلایے ان اصولوں کی روشنی میں ''الحاوی القدسی'' وغیرہ کے حوالے سے جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی کیا پوزیشن رہ جاتی ہے۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے تو وفات کے وقت فرمایا تھا:

---

[1] اعلاء السنن (۱۳/ ۱۱۲)

[2] مجموعہ رسائل (۲/ ۱۳۱، ۱۳۲)

"كل ما أفتيت فقد رجعت عنه الا ما وافق الكتاب والسنة،
وفي لفظ: الا ما في القرآن واجتمع عليه المسلمون"[1]

''جو بھی میں نے فتویٰ دیا میں اس سے رجوع کرتا ہوں، اِلّا یہ کہ وہ کتاب و سنت کے موافق ہو اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: اِلّا وہ جو قرآن میں اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو۔''

غور فرمایئے! اس کے بعد ان فقہائے کرام کے قول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہیں کہ ہم یوسفی یا شیبانی نہیں حنفی ہیں۔ صاحبین کا اختلاف بھی حقیقۃ امام صاحب رحمہ اللہ کا ہی قول ہے۔

جب کہ اس برعکس یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ عبادات میں علی الاطلاق فتویٰ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر، ذوالارحام سے متعلقہ مسائل میں امام محمد رحمہ اللہ، شہادات اور قضاء کے مسائل میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے گا۔ مسائل میں امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔[2] اسی طرح مفقود الخبر کی زوجہ کو عدت گزارنے کا فتویٰ امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر دیا گیا ہے۔

شیخ الکل یہاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے التزام مذہب معین کے ابطال پر تیس سے زائد اہلِ علم کے اقوال ذکر کیے، شائقین معیار الحق (ص: ۱۹۴۔۲۶۳) دار ابی الطیب ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا اس پر مستقل رسالہ "الحيلة الناجزة للحيلة العاجزه" کے نام پر مطبوع ہے۔ اسی طرح ممتدة الطهر کے مسئلہ میں نو ماہ کی عدت کا فتویٰ امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق قبول کیا گیا۔[3] بلکہ ہر دور میں

---

[1] السير (٨ ٥٣٧) [2] رد المحتار (١ ١٧)
[3] رد المختار (٣ ٥٠٨)

کبار علمائے احناف نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بلکہ حنفی مسلک کے مفتی بہ قول کے خلاف فتویٰ دیا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے درجنوں مسائل میں اختلاف کیا ہے جس کی تفصیل ہیچ مداں کے رسالہ ''مولانا عبدالحی لکھنوی اور مسلک احناف'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اسی طرح شیخ شہاب الدین رحمہ اللہ المرجانی سے بھی منقول ہے کہ شیخ الخصاف، امام طحاوی، علامہ الکرخی رحمہم اللہ نے بھی بہت سے اصول و فروع کے مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کیا۔ (بلکہ امام طحاوی نے تو کہا ہے: "هل يقلد الا عصبى أو غبى"، تقلید وہی کرتا ہے جو متعصب ہے یا کند ذہن ہے)۔[1]

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "مختصر الطحاوي" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حنفی مذہب کے محض مقلد ہی نہ تھے بلکہ مجتہد منتسب تھے، کیونکہ اس مختصر میں بہت سے ایسے مسائل لکھے ہیں جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فقہائے حنفیہ میں اس ''مختصر'' کا اس قدر پرچار و شہرت نہیں۔[2] اسی طرح علامہ محمد انور کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "والطحاوي امام مجتهد ومجدد كما قال ابن اثير الجزري" کہ طحاوی امام مجتہد اور مجدد تھے جیسا کہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔[3]

اسی طرح علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کو جو مقلدین میں شمار کیا گیا ہے اسے بھی شیخ المرجانی نے ''ظلم عظیم'' قرار دیا ہے۔ شیخ المرجانی رحمہ اللہ کے موقف سے اگرچہ ہمیں کچھ اختلاف ہے، لیکن اس سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ فقہاء کے جو طبقات بیان کیے گئے ہیں یہ محض سب کو مقلد ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ اسی طرح کہنے کو تو شیخ الاسلام

---

1. لسان (١/ ٢٨٠)
2. بستان المحدثين مترجم (ص: ١٥١)
3. العرف الشذي (ص: ٤٥)

ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کو بھی حنبلی مقلد باور کروایا جاتا ہے، حالانکہ انھوں نے تقلید پر بڑی تنقید کی ہے اور اسے چوتھی صدی کی بدعت قرار دیا ہے اعلام الموقعین اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

تاریخ و رجال کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اکثر مدارس فقہائے کرام کے نام پر وقف تھے۔ جیسے مدرسہ حنفی، مدرسہ شافعی وغیرہ بلکہ البلد الامین میں بھی ائمہ کرام کے نام چار علاحدہ علاحدہ مصلے تھے جہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی علمائے کرام نماز پڑھاتے تھے۔ اسی طرح قضاء و افتاء کے مناسب بھی تقسیم تھے۔ اگر کوئی اجتہاد کا دعویٰ کرتا تو اسے ان مناسب سے محروم رکھا جاتا۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مدرسہ ابن حنبل رحمہ اللہ میں تعلیم دینے لگے تو مقلدین حنابلہ اس پر معترض ہوئے:

”وقد أنكر بعض المقلدين على شيخ الاسلام في تدريسه بمدرسة ابن الحنبلي وهي وقف على الحنابلة والمجتهد ليس منهم، فقال: إنما أتناول ما اتناوله منها على معرفتي بمذهب أحمد لا على تقليدي له الخ،“[1]

”بعض مقلدین شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی مدرسہ ابن حنبلی میں تدریس پر معترض ہوئے کہ یہ مدرسہ تو حنبلیوں کے لیے وقف ہے اور مجتہد حنبلی مقلد نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا: میں جو امام احمد رحمہ اللہ کے اقوال لیتا ہوں تو ان کے مذہب کے دلائل کی روشنی میں لیتا ہوں۔ ان کی تقلید کی وجہ سے نہیں۔“

غور فرمایا آپ نے! مدرسہ ابن الحنبلی میں شیخ الاسلام درس نہیں دے سکتے کیونکہ وہ تو حنبلی نہیں ہیں مگر شیخ الاسلام نے حکیمانہ جواب دیا کہ میں حنبلی ہوں کہ

[1] إعلام الموقعين (٢/ ١٧٠) ط دار الكتب العلمية بيروت

دلائل امام احمد رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق پاتا ہو، تقلیدی حنبلی نہیں۔ اسی طرح دیگر مجتہدین کی پوزیشن ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے عقد الجید کے پانچویں باب کے تحت مقلدین کی اقسام ذکر کرتے ہوئے ''الانوار'' کے حوالے سے دوسری قسم یہ بیان فرمائی ہے:

''البالغون إلى رتبة الاجتهاد والمجتهد لا يقلد مجتهداً، وإنما ينتسبون إليه لجريهم على طريقته في الاجتهاد واستعمال الادلة وترتيب بعضها على بعض''[1]

دوسری قسم جو رتبہ اجتہاد پر پہنچے ہوئے ہیں اور مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتا وہ کسی دوسرے کی طرف منسوب ہوئے تو اس کے ساتھ طریقہ اجتہاد اور طرزِ استدلال میں موافقت اور ترتیب دلائل میں مطابقت کی وجہ سے (نہ کہ تقلید کی وجہ سے) اس لیے یہ حضرت جو مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے وہ بہرحال مقلد نہ تھے اور ان کی فقہائے کرام کی طرف نسبت ان کے اجتہاد میں موافقت کی بنا پر ہے۔

امام ابو القاسم رحمہ اللہ عبدالعزیز بن عبداللہ الدار کی الاصبہانی المتوفی: ۳۷۵ھ عراق میں شوافع کے امام تھے۔ شیخ ابو حامد الاسفرانی فرماتے ہیں: میں نے ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، جب ان کے پاس کوئی استفتاء آتا تو طویل غور و فکر کے بعد فتویٰ دیتے اور بعض اوقات امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے خلاف فتویٰ دیتے انھیں کہا جاتا کہ یہ آپ کیا فرماتے ہیں تو وہ کہتے:

''ويحكم حديث فلان عن فلان عن رسول الله ﷺ بكذا وكذا والأخذ بالحديث أولى من الأخذ بقول الشافعي وأبي حنيفة رضی اللہ عنہما إذا خالفاه''[2]

---

[1] عقد الجيد (ص: ۱۵۷)، مترجم ط قرآن محل کراچی

[2] تاریخ بغداد (۱۰ ٤٦٤)، وفيات الأعيان (۳ ۱۸۹)، التاج المكلل (ص: ٦٤) وغیرہ

”تم پر افسوس ہے فلاں نے فلاں سے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسے اور ایسے حدیث بیان فرمائی ہے اور حدیث پر عمل دونوں اماموں کے قول سے اولیٰ ہے جب ان کا قول حدیث کے خلاف ہو۔“

شیخ الدارکی رحمہ اللہ کا یہ قول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی عقد الجید ”ص: ۹۶) میں نقل کیا ہے، بلکہ اسی نوعیت کے مزید اقوال بھی ذکر کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا بھی یہی طریقہ وعمل تھا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے:

”وكان صاحب الحديث أيضاً قد ينسب إلى أحد المذاهب لكثرة موافقته له كالنسائي والبيهقي ينسبان إلى الشافعي“[1]

”محدثین کی بھی باکثرت موافقت کی بنا پر کسی ایک مذہب کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے، جیسے امام نسائی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔“

علامہ محمد انور کشمیری فرماتے ہیں:

”وأعلم أن البخاري مجتهد لا ريب فيه وما أشهر أنه شافعي فلموا فقته إياه في المسائل المشهورة الخ“[2]

”اور خوب جان لو کے بے شک امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد ہیں اور جو مشہور ہے کہ وہ شافعی ہیں تو یہ ان کی مسائلِ مشہورہ میں ان سے موافقت کی بنا پر ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ کے مجتہد ہونے کا ذکر انھوں (۱/ ۳۲۵، ۳۳۵) میں بھی کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے انھیں مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ یہی

---

[1] حجة الله (۱ ۱۵۳)
[2] فيض الباري (۱ ۵۸)

کیفیت عموماً دیگر محدثین رحمہم اللہ کی ہے۔

تقلید کی مذمت میں چند کتب:

تقلید کی تردید و حمایت میں برصغیر میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں لیکن اس کی مذمت میں متقدمین نے بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے تلمیذ امام مزنی رحمہ اللہ نے "فساد التقليد"، امام الزرکشی رحمہ اللہ نے "البحر" میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کے رد میں تین کتابیں لکھیں۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "جامع بيان العلم" حافظ ابو شامہ نے "خطبة الكتاب المؤمل في الرد إلى الأمر الاول" میں اس کی تردید کی۔ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے "التسديد في ذم التقليد" علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی ایک کتاب اس کی مذمت میں لکھی۔ امام الشیرازی رحمہ اللہ صاحب القاموس نے "الاصعاد إلى رتبة الاجتهاد" لکھی۔[1]

ان کے علاوہ علامہ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ نے "الإيقاف على سبب الاختلاف" اور "تحفة الأنام في العمل بحديث النبي عليه الصلاة والسلام" دو کتابیں لکھیں۔ ان کے تلمیذِ رشید امام صالح رحمہ اللہ بن محمد الفلانی نے "ايقاظ همم أولى الابصار اقتداء بسيد المهاجرين والأنصار وتحذيرهم عن الابتداع الشائع في القرىٰ والامصار عن تقليد المذاهب مع الحمية والعصبية بين الفقهاء الاعصار" پورا نام تقلید کے نتائج کا عکاس ہے۔ جس سے عیاں ہوتا ہے کہ ہر دور میں تقلید ناسدید کی مذمت میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں جب اتباعِ سنت کا صور پھونکا گیا تو مقلدین نے انھیں غیر مقلدین کا طعنہ دیا گویا وہ جو ناخوب تھا بتدریج وہی خوب ہو۔ فوا أسفا

---

[1] الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل أن الاجتهاد في كل عصر فرض (ص: ١١٧)

حالات کا جبر:

اجتہاد کا دعویٰ رکھنے والوں کے بارے میں جو سلوک روا رکھا جاتا تھا اس بنا پر بھی بہت سے حضرات اس کے اظہار کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ مقلدین کا ہر گروہ اس بات کا مدعی ہے کہ جو ہمارے امام نے فرمایا وہی حق ہے اور اس کے علاوہ باطل ہے۔ اسی چیز نے ان کے دلوں میں عداوت اور ایک دوسرے کے خلاف بغض پیدا کر دیا ہے اور یہ عداوت اتنی شدید ہے کہ دوسری ملتوں میں ایسی عداوت نہیں۔ [1]

اسی مخالفت کا نتیجہ تھا کہ مدارس و مکاتب کو خاص مذہب کے فقہاء کے نام وقف کیا جاتا۔ ان میں وہی درس دے سکتا تھا جو اس مذہب کا مقلد ہوتا حتی کہ البلد الامین میں بھی چار علاحدہ علاحدہ جماعتیں ہوتیں، یہ ان کا حال ہے جن کا رب ایک، رسول ایک، کتاب ایک اور کعبہ ایک۔ فإنا للہ وإنا إلیه راجعون

امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی الاشبیلی رحمہ اللہ المتوفی: ۵۴۳ھ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مجتہد مطلق کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ [2] وہ فرماتے ہیں "الصحیح" میں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۃ الانشقاق تلاوت کرتے تو اس میں سجدہ کرتے، مگر امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سجدہ عزائم السجود میں سے نہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عزائم السجود میں سے ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے مدنی تلانذہ امام مالک رحمہ اللہ سے یہی روایت کرتے ہیں، اس کی تائید قرآن اور سنت سے ہوتی ہے اور میں جب امام ہوتا ہوں تو یہ سورت نہیں پڑھتا کیونکہ میں سجدہ کروں گا تو مالکی حضرات معترض ہوں گے اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو یہ میری کمزوری ہو گی اس لیے میں

---

[1] القول المفيد، الفتح الرباني (٥ ٢١٨٩)

[2] الرد للسيوطى (ص: ١٩٢)، تذكرة (٤ ١٢٩٤)، السير (٢٠ ٢٠١)

نماز پڑھانے سے اجتناب کرتا ہوں، البتہ جب اکیلا نماز پڑھوں تو یہ سورت پڑھتا ہوں اور یہ سچے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق ہے کہ معروف منکر اور منکر معروف ہو جائے گا۔ [1]

اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے شیخ ابوبکر محمد بن الولید الفہری الطرطوشی رحمہ اللہ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ ابوبکر رحمہ اللہ میرے پاس ظہر کی نماز کے وقت تشریف لائے جہاں میں پڑھاتا تھا۔ مسجد میں داخل ہوئے پہلی صف میں کھڑے ہوئے میں پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور میرے پاس ابوثمنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھی بیٹھے ہوئے نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ شیخ ابوبکر نے رکوع جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین کی تو ابوثمنہ نے ساتھیوں سے کہا: تم اس مشرقی کو نہیں دیکھتے یہ کیسے ہماری مسجد میں داخل ہوا، ”قوموا إليه فاقتلوه وأرموا به البحر“ ”اٹھو اسے قتل کر کے دریا میں پھینک دو۔“ میرا دل اُڑ گیا، میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ الطرطوسی فقیہ الوقت [2] ہیں، انھوں نے کہا: اس نے رفع الیدین کیوں کی؟ میں نے کہا: یہ تو نبی ﷺ کرتے تھے، اہلِ مدینہ کی روایت میں یہی امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ میں انھیں مطمئن کرتا رہا، تا آنکہ انھوں نے نماز مکمل کر لی تو میں انھیں اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا، انھوں نے میرا پریشان چہرہ دیکھا تو انھوں نے اس بارے میں مجھ سے پوچھا میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو وہ مسکرائے اور فرمایا: ”من أين لي أن اقتل على سنة“ ”میری قسمت کہاں کہ سنت کی پیروی میں کر قتل کر دیا جاؤں۔“ میں نے کہا: آپ کے لیے (یہ عمل یہاں) مناسب نہیں، آپ یہاں ایسی قوم میں ہیں کہ اگر آپ نے پھر یوں کیا تو یہ آپ پر چڑھائی کر دیں گے اس سے آپ کا خون بھی بہہ جائے گا۔ انھوں نے فرمایا: یہ بات چھوڑو کوئی اور بات کرو۔ [3]

---

[1] أحكام القرن (٢ ٢٩٧)، تفسير القرطبي (١٩ ٢٨١)

[2] دیکھیں: السیر (١٩ ٤٩٠) وغیرہ [3] أحكام القرآن (٢ ٣٩٨)، تفسير قرطبي (١٩ ٢٨١)

اندازہ کیجیے، مذہب میں حزبیت کی انتہا کا! ایسے حالات میں اجتہاد کا دعویٰ اور صحیح سنت پر عمل اصحابِ عظمت کا ہی عمل ہے۔

امام حافظ محمد رحمہ اللہ بن عمر بن محمد ابن رُشید الفہری (المتوفی: ۷۲۱ھ)

اہلِ مغرب کے کبار علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے اور صفاتِ باری تعالیٰ میں تاویل نہیں کرتے تھے، نماز میں مالکی مسلک کے خلاف دعائے استفتاح اور آہستہ بسم اللہ پڑھتے تو مالکیہ ان کی اس جراَت پر معترض ہوئے۔ ان کے خلاف محضرنا یہ تیار کیا گیا۔ مگر قاضی اچانک فوت ہو گیا تو وہ محضر نامہ بھی ختم ہو گیا۔[1]

یوں ان کی جان بخشی ہوئی، ورنہ معلوم نہیں کس سزا کے وہ سزاوار قرار دیے جاتے؟!

امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ کا شمار بھی مجتہدین میں ہوتا ہے، وہ پہلے مالکی تھے، پھر امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہوئے، فرمایا کرتے کہ "طابق اجتهادي اجتهاد الشافعي" میرا اجتہاد امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق ہے۔[2]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بلاریب وہ مجتہد تھے، اس کا انکار وہی کرے گا جو معاند ہوگا۔ "التسديد في ذم التقليد" کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی۔ الامام اور شرح الإلمام ان کی معروف کتابیں ہیں، جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ "کتاب الاسلام" ہے اس جیسی کوئی کتاب نہیں، نہ حافظ ضیاء کی نہ ہی میرے دادا ابوالبرکات کی۔ ان کے تلمیذِ رشید امام ابوحیان النحوی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ انھوں نے شرح الإلمام مکمل کی تھی، لیکن بعض مالکیہ نے ان

---

[1] الدر الكامنه (٤ ٢٣٠، ٢٣١ ترجمه ٤١٧٢)

[2] الرد على من اخلد إلى الأرض (ص: ١٩٦)

سے کینہ کی بنا پر کہ انھوں نے مالکی مذہب چھوڑ کر شافعی مذہب کیوں اختیار کیا۔ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ کی عدم موجودگی میں یہ کتاب حاصل کر کے مدرسہ الصالحیہ کے تالاب میں پھینک دی، صبح لوگوں نے دیکھا کہ تالاب کے پانی کا رنگ سیاہ ہو گیا ہے۔ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ کو اس کا بڑا صدمہ پہنچا، اس کا کچھ حصہ بعض تلامذہ کے پاس محفوظ رہا، جسے انھوں نے نقل کیا تھا۔[1]

حاجی خلیفہ رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ حاسدین نے اس کتاب کو ضائع کر دیا۔[2] البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ العراقی رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اسے بعض حنابلہ نے ضائع کیا ہے۔ بہرحال مالکیہ کی یہ حرکت ہو یا حنابلہ کی، مگر یہ عظیم الشان کتاب ان کے حاسدین کی بھینٹ چڑھ گئی۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.

مغرب یعنی اندلس، قرطبہ وغیرہ میں مالکی فقہ کا سکہ چلتا تھا، جیسا کہ مصر میں شوافع اور عراق، نیساپور وغیرہ مشرق میں حنفی فقہ کا غلبہ تھا۔ اور ان علاقوں میں اپنے اپنے مذہب کی ترویج میں ایسے قاضی رکھے جاتے جو اپنے اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے علامہ ابراہیم بن علی البقاعی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ مالکی فقیہ نے ان کے کفر کا اور انھیں قتل کرنے کا کہا تھا۔ دیارِ مغرب میں مالکی قاضیوں نے تو قتل کر دینے کی سوداگری کر رکھی تھی جن کے بارے میں معمولی تعزیر بھی جائز نہیں ہوتی تھی۔ انھوں نے اہلِ علم کی ایک جماعت کا اپنی جہالت وضلالت کی بنا پر خون بہایا، اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مخالفت کرتے ہوئے اور اپنے دین کو تماشا بناتے ہوئے محض فقہی نصوص اور فروعی استنباط کی بنا پر، جن کی تائید علم سے نہیں ہوتی۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.[3]

---

[1] رفع الإصر عن قضاة مصر (ص: ٣٩٥ لابن حجر شرح مقدمة الإلمام، ص: ٤٩)

[2] كشف الظنون (١/ ١٥٨) [3] البدر الطالع (١/ ٢١)

یہی کیفیت مشرق میں علمائے مجتہدین کے ساتھ روا رکھی جاتی تھی، بلکہ عموماً مقلدین کی یہی حالت تھی، چنانچہ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں پہلے حضرات مقلدین کی نفسیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مقلدین اپنے امام (کے اقوال کو) ہی شریعت سمجھتے ہیں، اور اپنے امام کے علاوہ کسی دوسرے عالم کی طرف انتساب کو ناپسند کرتے ہیں، اگر کوئی مجتہد مسائل میں بحث کرے اور اس کا تعلق ان کے امام کے ساتھ نہ ہو تو وہ اس پر نکیر کرتے اور تنقید کے تیر برساتے ہیں اور اسے جادۂ حق سے خارج اور جماعت سے نکل جانے والا قرار دیتے ہیں اور وہ ایسا کسی دلیل کی بنا پر نہیں، بلکہ عمومی عادت کی بنا پر کرتے ہیں۔''[1]

اس کے بعد انھوں نے ذکر کیا کہ امام بقی رحمہ اللہ بن مخلد الاندلسی القرطبی جب مشرق یعنی بغداد وغیرہ سے حدیث پڑھ کے آئے اور المسند مرتب کی تو اندلس کے علماء نے ان کی مخالفت کی اور ان کا مقاطعہ کیا، کیوں کہ ان کے پاس وہ علم نہ تھا جو امام بقی رحمہ اللہ کے پاس تھا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اندلس کے علماء کی مخالفت اور ان کے خلاف بادشاہِ وقت کو ابھارنے اور امام صاحب کو پریشان کرنے کا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ انھیں معاذ اللہ زندیق کہہ دیا۔[2]

امام بقی رحمہ اللہ بن مخلد مشرق سے امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی المصنف، امام شافعی رحمہ اللہ کی ''الام'' اور بعض دیگر کتابیں بھی اندلس لے گئے۔ اندلس کے قاضی اصبغ بن خلیل (المتوفی ۲۷۳ھ) جو مالکی فقیہ تھے اور پچاس سال تک قاضی رہے، انھوں

---

[1] الاعتصام (۲/ ۳۴۸) ط المکتبة التجاریة مصر

[2] التذکرة (۲/ ۶۳۰)، السیر (۱۳/ ۲۸۷، ۲۹۱)

نے ہی قاسم رحمہ اللہ بن اصبغ کو امام بقی رحمہ اللہ سے سماعِ حدیث سے منع کیا جس پر قاسم رحمہ اللہ بن اصبغ اسے بددعائیں دیتے تھے، اس قاضی کی حدیث دشمنی کا اندازہ لگائیے کہ وہ کہتا تھا:

”لأن يكون في تابوتي رأس خنزير أحب إلي من أن يكون فيه مسند ابن أبي شيبة“ [1]

”اگر میرے تابوت میں خنزیر کا سر ہو وہ تو مجھے پسند ہے، اس سے کہ اس میں مسند ابن ابی شیبہ ہو۔“

میزان الاعتدال اور لسان المیزان [2] میں مصنف ابن ابی شیبہ کا نام ہے۔ اسی ”ذات شریف“ نے فقہ مالکی کی حمایت میں ترک رفع الیدین کی حدیث بنائی، ملاحظہ ہوں: المیزان واللسان وغیرہما۔

امام حافظ عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۰ھ) کی عظمتوں سے کون واقف نہیں۔ ان کا بیان ہے کہ الموصل میں ہم امام عقیلی رحمہ اللہ کی کتاب الضعفاء کا سماع کر رہے تھے کہ اہلِ موصل نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے قید کر لیا، وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور ان کا یہ اقدام اس لیے تھا کہ اس کتاب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر تھا، چنانچہ ایک دراز قامت آدمی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے میرے پاس آیا، میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے قتل کر دے گا اور یوں میں روز روز کی مصیبتوں سے آرام پا لوں گا، مگر اس نے کچھ نہ کیا اور مجھے رہا کر دیا۔ اس لیے کہ وہاں ابن البرنی بھی سماع کرتے تھے، انھوں نے کتاب میں سے وہ اوراق جس میں اس صاحب کا ذکر تھا وہ اکھاڑ لیے، انھوں نے کتاب میں وہ نام ڈھونڈا اگر وہ نہ ملا تو انھوں نے چھوڑ دیا، امام مقدسی رحمہ اللہ

---

[1] تاريخ علماء الأندلس (١ ٩٤)

[2] ميزان الاعتدال (١ ٢٦٩)، لسان الميزان (١ ٤٥٨)

کے درس کو بند کروانے کے لیے ان کے مخالفین نے سازش کی تا آنکہ ان کا منبر توڑ دیا، مسجد میں سوائے شافعیوں کے دوسروں کو نماز پڑھنے سے روک دیا گیا، جس کی تفصیل التذکرۃ، السیر اور البدایۃ میں دیکھی جا سکتی ہے۔[1] دمشق میں بھی علوِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں ستائے گئے اور ان کا منبر توڑ دیا گیا اور وہاں سے نکال دیے گئے، اس روز حنابلہ اپنے محراب میں نمازِ ظہر نہ پڑھ سکے۔ مصر گئے تو ''فقہاء'' نے وہاں سے بھی انھیں نکلوا دیا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے بعض حنفی حضرات نے دریافت کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، تو سائل نے کہا کہ ہمارے علما تو کہتے ہیں: سات یا چودہ صحابہ سے ملاقات ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''من يقدر ينازعكم وأنتم أصحاب السيف والرمح والخوذة، والذي أعرفه ما قلته ذلك''[3]

''تم سے جھگڑنے کی کون استطاعت رکھتا ہے، جب کہ تم تلوار، نیزے اور ہیلمٹ والے ہو، جو میں جانتا ہوں وہ میں نے تمھیں کہہ دیا ہے۔''

غور فرمایئے! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ احناف سے کس قدر خوف زدہ ہیں اور ان کے بارے میں کس خطرے کا اظہار فرماتے ہیں۔ اب اس صورتِ حال میں کوئی اختلاف کرے تو کیسے کرے؟ احناف وشوافع کے مابین کشت وخون کی داستانوں سے کون واقف نہیں، ہم نے کچھ کا تذکرہ ''اسباب اختلاف الفقہاء'' میں کیا ہے، اس کی مراجعت کر لی جائے۔

---

[1] التذكرة (٤/ ١٣٧٨، ١٣٧٩)، السير (٢١/ ٤٥٨، ٤٥٩)، البداية (١٤/ ٤٨٩)

[2] البداية (١٤/ ٤٥١) [3] الجواهر والدرر للسخاوي (٣/ ٩٨٦)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا ہے، کیا بعید ہے کہ یہ بات بھی انھوں نے اس حنفی کے خوف سے کہی ہو، کیوں کہ تقریب التہذیب میں تو انھوں نے امام صاحب کو چھٹے طبقے میں شمار کیا ہے اور مقدمہ میں کہا ہے، چھٹے طبقہ کے راویوں کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں، اس اختلافِ فکر کو اجتہاد میں تبدیلی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ واللہ أعلم

امام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الہروی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۸۱ھ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع میں اور امام احمد رحمہ اللہ کی موافقت میں صفاتِ باری تعالیٰ کی تاویل و تعطیل کے قائل نہ تھے، کئی بار مخالفین کے دنگا فساد میں مبتلا ہوئے اور اپنے شہر سے جلاوطن کیے گئے، ہراۃ کے ''مشایخ'' نے پیتل کا چھوٹا سا بت بنا کے محراب میں شیخ کے مصلے کے نیچے رکھ دیا اور سلطان الپ ارسلان کے پاس جا نکلے اور شکایت کی کہ شیخ مجسمہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے محراب میں بت رکھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی بھی یہی شکل وصورت ہے۔ سلطان اس وقت کسی کو بھیج کے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلطان نے اپنے غلام کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا، انھوں نے محراب کے مصلے کے نیچے سے بت نکال لیا۔ سلطان بڑا غضب ناک ہوا، شیخ کو بلوایا گیا اور کہا: یہ کیا ہے؟ شیخ نے فرمایا: یہ پیتل کا کھلونا ہے، سلطان نے کہا: میں یہ نہیں پوچھتا، میرا سوال یہ ہے: یہ حضرات کہتے ہیں کہ تم اس کی عبادت کرتے ہو، شیخ الاسلام نے با آوازِ بلند فرمایا: ''سبحانك، هذا بهتان عظيم'' ''اللہ تعالیٰ پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے'' سلطان حقیقتِ واقعہ کو سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے جھوٹا الزام لگایا ہے، سلطان نے شیخ کو احترام سے رخصت کیا اور ''مشایخ'' کو کہا: سچ کہو! کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم نے اس کے شر سے بچنے کے لیے یہ تدبیر کی تھی، سلطان نے ان کی بڑی بے عزتی

کی اور ان سے جرمانہ وصول کیا۔[1]

شیخ محمد بن محمد بن محمد ابو حامد البروی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۶۷ھ) معروف شافعی فقیہ تھے، بغداد آئے، وعظ و ارشاد کی مجلس قائم ہوئی، اشعری فکر رکھتے تھے، حنابلہ کی خوب تردید کی، حتی کہ کہا اگر میرے اختیار میں ہوتا تو حنابلہ سے جزیہ قائم کرتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ ابن اثیر اور سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ حنابلہ نے حلوے میں زہر ملا کر رات ان کی بیوی کی خدمت میں پیش کیا، شیخ البروی، ان کی بیوی اور ان کے چھوٹے بچے نے وہ کھایا، تو وہ سب فوت ہو گئے۔[2]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے ۴۴۷ھ کے حوادث میں لکھا ہے کہ بغداد میں حنابلہ و شوافع میں اختلاف بڑھا، حنابلہ نے امام کو اونچی آواز سے ''بسم اللہ الرحمان الرحیم'' سے، دوہری اذان کہنے سے اور صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے سے روک دیا۔ معاملہ خلیفہ کے دربار میں پہنچا مگر کوئی فیصلہ فوراً نہ ہو پایا۔ حنابلہ نے باب الشعیر کے پاس مسجد میں امام کو اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے سے روکا تو اس نے قرآن مجید لے کر کہا: مصحف سے اسے نکال دو تا کہ میں یہ نہ پڑھوں۔[3]

۵۹۵ھ میں خراسان میں ایک ''بڑا فتنہ رونما ہوا'' اور وہ علامہ فخر الدین رحمہ اللہ محمد بن عمر رازی اور فقہائے حنفیہ، الکرامیہ اور بہت سے شوافع کے مابین تھا۔ علامہ رازی رحمہ اللہ ''غزنہ'' میں ملک غیاث الدین الغوری کے دور میں آئے تو بادشاہ نے ان کا بڑا اکرام و احترام کیا، انھیں ہرات میں مدرسہ بنا دیا۔ مگر کرامیہ وغیرہ نے ان سے بغض و حسد کا اظہار کیا اور بادشاہ کو ان سے بدظن کر دیا۔ علامہ رازی رحمہ اللہ کا وہاں

---

[1] تذکرة الحفاظ (٣/ ١٨٩)

[2] تاريخ الإسلام للذهبي (ص: ٢٩٨)، حوادث (ص: ٥٦١، ٥٧٠)، الكامل (١١/ ٣٧٦)، الکامل میں ''البروی'' کے بجائے ''البوری'' ہے۔ دیکھیے: حواشی تاریخ الإسلام، السير (٢٠/ ٥٧٧)

[3] الكامل (٩/ ٦١٩)

سے ایک شیخ کے ساتھ مناظرہ ہوا تو بات سبّ و شتم تک جا پہنچی، بالآخر بادشاہ نے علامہ رازی رحمہ اللہ کو (غزنہ) شہر سے نکال دیا تو وہ ہرات لوٹ گئے۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۵۹۵ھ کے حالات ہی میں لکھا ہے کہ عزیزِ مصر نے اسی سال جہمیہ کے اثر و رسوخ کی بنا پر حنابلہ کو مصر سے نکل جانے کا حکم دیا اور دوسرے شہروں میں بھی کہلا بھیجا کہ وہاں کے منتظمین حنابلہ کو شہروں سے نکال دیں۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے عبرت کا سامان بنا دیا، وہ ۲۱/محرم کی رات شکار کے لیے نکلا، گھوڑے سے گرا اور فوت ہو گیا۔ [2]

امیر کاتب الاتقانی رحمہ اللہ المتوفی (۷۵۸ھ) کبار علمائے حنفیہ میں شمار ہوتے ہیں، ''قوام الدین'' ان کا لقب اور کنیت ''ابو حنیفہ'' تھی۔ ہدایہ کے اور اصول بزدوی کے شارح تھے، علومِ نقلیہ وعقلیہ کے امام سمجھے جاتے ہیں، مگر اپنی حنفیت میں بے حد غلو میں مبتلا تھے۔ ۷۲۴ھ میں وہ شام گئے، وہاں امام کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھی تو امام نے رکوع کو جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین کی تو انھوں نے نماز دوبارہ پڑھی اور امام سے کہا: آپ حنبلی ہیں یا شافعی؟ تو اس نے کہا: میں شافعی ہوں، انھوں نے کہا: اگر تم رفع الیدین نہ کرتے تو تمھارے مذہب کے مطابق نماز فاسد نہ ہوتی، لیکن رفع الیدین کر کے تم نے ہماری نماز فاسد کر دی ہے، کیا تمھارے لیے بہتر نہ تھا کہ رفع الیدین نہ کرتے، تا کہ بالاتفاق تمام کی نماز جائز ہوتی۔ اس پر ان کے ہم مذہب بعض حضرات نے کہا: آپ ایک زمانے سے ہمارے پاس آتے رہے ہیں، آپ نے ہمیں کبھی نہیں بتلایا کہ رفع الیدین فسادِ نماز کا باعث ہے، بلکہ بڑی رعونت سے یہ بھی کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس بارے میں امام صاحب سے کچھ بھی منقول نہیں۔ انھوں نے کہا:

---

[1] البداية (١٤/ ٤٤٩) [2] البداية (١٤/ ٤٤٥، ٤٤٦)

''اللؤلؤیّات'' کے مصنف مکحول نسفی نے کتاب ''الشعاع'' میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ رفع الیدین فسادِ نماز کا باعث ہے۔ اس پر بہت اختلاف ہوا اور امیر کاتب نے اپنے مدِمقابل کو بڑی طعن و ملامت کی، یہاں تک کہہ دیا کہ تم سر پر اہلِ علم کا عمامہ باندھے ہوئے ہو، مگر اونٹوں اور بکریوں کے بدوی چرواہے بھی ایسی بات نہیں کرتے جو تم کر رہے ہو۔ اسی پسِ منظر میں انھوں نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا۔ اس کی تردید میں علامہ تقی الدین رحمہ اللہ علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی نے اور علامہ بہاء الدین رحمہ اللہ ابن عقیل شارح الفیہ ابن مالک الشافعی اور علامہ قاضی جمال الدین رحمہ اللہ محمود بن احمد بن السراج القونوی الحنفی نے رسائل لکھے۔ یہ چاروں رسائل شیخ عبداللہ رمضان موسی کی تحقیق سے دار العاصمہ مصر سے طبع ہوئے ہیں۔

اس سے اندازہ کیجیے کہ مذہبی عصبیت میں بعض حضرات کس حد تک بڑھ جاتے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ''الفوائد البھیئۃ''[1] میں بھی امیر کاتب کی خوب تردید کی ہے، حتی کہ امام صاحب رحمہ اللہ سے فساد صلاۃ کے قول کو خلافِ روایہ و درایہ قرار دیا ہے، انھوں نے علامہ ابن السراج رحمہ اللہ کے رسالے کی بھی تحسین وتعریف کی ہے کہ رفع الیدین سے فساد صلاۃ کی، امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت شاذ ہے۔[2]

لیکن فسادِ صلاۃ کا یہ قول تنہا شیخ امیر کاتب الاتقانی رحمہ اللہ نے مکحول نسفی سے ہی ذکر نہیں کیا بلکہ خود انھوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ قول تو امام حسام الدین رحمہ اللہ عمر بن عبدالعزیز المعروف بالصدر الشہید نے شرح الجامع الصغیر میں، امام الزاہد رحمہ اللہ احمد بن محمد العتابی نے بھی شرح الجامع الصغیر میں اور امام فخر الدین قاضی خان رحمہ اللہ نے بھی شرح الجامع الصغیر میں نقل کیا ہے اور وہ سب مکحول نسفی رحمہ اللہ سے منقول قول کا ذکر کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ خلاصہ کیدانی، جس کے لوحِ اول پر لکھا گیا ہے:

---

[1] الفوائد البھیئۃ (ص: ٥٠) [2] الفوائد (ص: ٢٠٧)

تو طریق صلاۃ کے دانی
گر نہ دانی خلاصہ کیدانی

اسی خلاصہ کیدانی[1] میں لکھا ہے: رفع الیدین کرنا، اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنا، بلند آواز سے آمین کہنا اور تشہد میں اشارہ کرنا نماز کے محرمات میں سے ہے۔ رد المختار اور التاتارخانیہ میں[2] ہے کہ نماز میں رفع الیدین مکروہ ہے۔ بدائع الصنائع اور شرح المنیۃ میں[3] بھی ہے، رفع الیدین کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ذکر فیض الباری میں انور شاہ کشمیری نے بھی کیا ہے،[4] بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ امام ابوحفص کبیر رحمہ اللہ کے زمانے میں ایک صاحب حنفی طریقہ چھوڑ کے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے اور رفع الیدین کرنے لگا، شیخ ابوحفص رحمہ اللہ کو اس کی خبر ہوئی تو سخت نالاں ہوئے، حاکمِ وقت سے اس کی شکایت کی، بادشاہ نے سرِبازار اسے دُرّے لگانے کا حکم دیا۔ کچھ حضرات نے شیخ ابوحفص رحمہ اللہ سے اس کی سفارش کی، حاضرِ خدمت کیا، اس نے توبہ کی عہد و وعدے لے کر چھوڑا تب اس کی جان بخشی ہوئی۔[5]

امام الفقیہ ابولیث نصر بن محمد السمر قندی م ۳۷۵ھ اپنی معروف کتاب ''فتاویٰ النوازل'' میں فرماتے ہیں:

''شافعی کی اقتدا حنفی کو اسی صورت جائز ہے جب وہ متعصب نہ ہو، ایمان کے بارے میں ''إن شاء اللہ أنا مؤمن'' نہ کہتا ہو، قبلہ سے انحراف شدید نہ ہو، سبیلین کے علاوہ بدن سے کوئی چیز (خون وغیرہ)

---

[1] خلاصہ کیدانی (ص: ۱۵، ۱۶)

[2] رد المحتار (۱ ٦٥٤)، التاتارخانیه (۱ ٥٦٢)

[3] بدائع الصنائع (۱ ٥٤٨)، شرح المنیة (ص: ٣٤٧)

[4] فیض الباري (۲ ۲۵۷)

[5] التاتارخانیه (٥ ١٤٥)

نکلے تو اس سے وضو نہ کرے، ماء قلتین میں نجاست گری ہو تو اس سے وضو نہ کیا ہو، رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین نہ کرے۔‘‘[1]

گویا نماز میں رفع الیدین کرنا اور دیگر بیان کیے ہوئے اعمال ایسے ہیں کہ جس کے مرتکب کے پیچھے نماز جائز نہیں، خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ محمد رحمہ اللہ بن افضل وغیرہ سے بہت سی موضوع روایات ذکر کرتے ہیں۔[2] تقریباً یہی کچھ فتاویٰ قاضی خان اور انہی کے حوالے سے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں بھی نقل کیا ہے۔[3] بعض اہلِ بدعت نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کو بھی مولانا سید محمد اسماعیل شہید کی پیروی میں وہابی اور کافر کہا تو مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مرحوم نے ’’تذکرۃ الخلیل‘‘ کے حاشیے میں اس کی وضاحت میں لکھا:

’’اصل بات یہ تھی کہ بعض حنفیوں نے اہلِ حدیث یعنی غیر مقلدین زمانہ کو رفع یدین پر کافر کہنا شروع کر دیا تھا.... اصلاحِ کامل کے لیے شاہ صاحب نے علمی طور سے رفع یدین پر رسالہ لکھا۔‘‘[4]

جس سے ان فروعی مسائل میں مقلدین کی تلخی و ترشی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی اس عمل کی پاداش میں شہر سے نکالا گیا، چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ ایک کسان کے کھجوروں کے باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے پاس ملنے کے لیے وہ حضرات آتے جاتے جو شعار اہلِ حدیث کے مطابق اکہری اذان کہتے، نماز میں رفع الیدین وغیرہ کرتے تھے، بس اس

---

[1] فتاویٰ النوازل (ص: ۴۸، ۴۹)

[2] السیر (۱۶/ ۳۲۳)، تاریخ اسلام

[3] فتح القدیر (۱/ ۳۱۱)

[4] حاشیہ تذکرۃ الخلیل (ص: ۱۳۳)

بنا پر حنفی فقیہ حریث بن ابی الورقاء[1] وغیرہ نے سمجھا کہ یہ ہمارے شہر میں ''فساد'' برپا کر دیں گے۔ حاکم سے ان کی شکایت کی اور امام صاحب کو شہر سے نکلوا دیا۔[2]

علامہ رشید رضا نے المغنی لابن قدامہ کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''افغانستان کے ایک حنفی نے سنا کہ اس کے پاس کھڑا نمازی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ رہا ہے تو اس نے اس کے سینے پر اتنی زور سے مکا رسید کیا کہ وہ پیٹھ کے بل گر گیا، بلکہ قریب تھا کہ وہ اس ضرب سے مر جاتا۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے بعض نے تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے والے کی انگلی توڑ دی۔ قرن ماضی میں طرابلس میں تعصب کی انتہا ہوگئی، بعض شافعیوں نے مفتیِ اعظم کے پاس جا کر کہا کہ ہمارے اور حنفیوں کے درمیان مساجد کو تقسیم کر دیا جائے، کیوں کہ ان کے فلاں فلاں فقہاء ہمیں اہلِ ذمہ کی طرح سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ اختلاف چل نکلا کہ حنفی آدمی شافعی عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا: نہیں کر سکتا، کیوں کہ شافعی عورت ایمان میں ''أنا مؤمن إن شاء اللّٰه'' کہہ کر شک کا اظہار کرتی ہے اور بعض نے کہا: ذمی پر قیاس کر کے اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔''[3]

اوپر ہم شیخ لطف اللہ النسفی الکیدانی کے الخلاصہ کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ تشہدِ نماز میں انگلی سے اشارہ حرام ہے۔ یہی فتویٰ فتاویٰ الغیاثیہ، الولوالجیۃ، عمدۃ المفتی، الظہیریہ حتی کہ فتاویٰ البزازیہ[4] مع عالمگیری میں بھی ہے۔ علامہ ابو المسعود مفتی روم سے جب اہم مسائل کے متعلق کتاب لکھنے کی اپیل کی گئی تو انھوں نے فرمایا: مجھے

---

[1] الجواهر المضية في طبقات الحنفية (١ ١٨٥)

[2] السير (١٢ ٤٦٥)

[3] مقدمه المغني (ص: ١٨)

[4] فتاویٰ البزازية (٤ ٢٦)

صاحبِ البزازیہ سے ان کی کتاب کے ہوتے ہوئے حیا آتی ہے، کیوں کہ وہ اہم مسائل کے لیے بڑا متبرک مجموعہ ہے۔[1]

اسی موقف پر ماوراء النہر، اہلِ خراسان، عراق، روم وغیرہ ممالک میں عمل تھا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ مجدد الف ثانی سنت کی پیروی میں بڑے مخلص اور بدعی افکار کی تردید میں بڑے سخت محسوس ہوتے ہیں، لیکن تعجب کی بات ہے کہ اس مسئلے میں انھوں نے ان فقہی روایات کو ترجیح دی ہے، جن میں رفع سبابہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''جب معتبر روایتوں میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور کراہت پر فتویٰ دیا گیا ہے اور اشارہ وگرہ سے منع کیا گیا ہے اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہیں تو پھر ہم تقلید کرنے والوں کو حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے تقاضے سے عمل کرتے ہوئے جرأت اور اشارہ کریں اور اتنے مجتہدین کے فتاویٰ کے باوجود ایک حرام، مکروہ اور ممنوع کام کے مرتکب بنیں۔''[2]

اس مکتوب کا اکثر حصہ اسی بحث پر مشتمل ہے اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے شرح ہدایہ میں جو اشارہ کی تائید اور اس کے انکار کی تردید کی ہے، مجدد صاحب نے ان کی بھی تردید کی ہے اور ان پر بعض معارضات بھی ذکر کیے ہیں اور کہا ہے:

''اگر (فقہی روایات میں) جواز اور عدمِ جواز اور حلال وحرام میں تعارض واقع ہو جائے تو ترجیح عدمِ جواز اور حرمت کی جانب ہے۔''[3]

---

[1] كشف الظنون (١/ ٢٤٢)

[2] مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱۲ مترجم (۱/۶۰۳) ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا۔

[3] أيضاً (٦٠٥/١)

خلاصہ کیدانی وغیرہ کتب کے اسی فتویٰ کی بنا پر **شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی** رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کے خلاف شورش ہوئی، انھیں ان کے وطن سے نکالا گیا۔ حاکمِ وقت کو اعتماد میں لے کر ملاؤں نے ان پر کفر وارتداد کا فتویٰ دیا، دو سال اپنے بیٹوں کے ہمراہ قید میں رہے۔ سو درّوں کی سزا سنائی گئی، سر اور ڈاڑھی مونڈنے اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے مشہور کیا گیا۔ تین آدمی باری باری مارتے، ایک تھک جاتا تو دوسرا اس کے ہاتھ سے درّہ پکڑ لیتا۔ ایک ظالم نے محتسب کے ہاتھ سے بڑے غصے میں درہ پکڑا اور کہا: تم آہستہ مارتے ہو، پھر اس نے زور زور سے مارنا شروع کر دیا، لوگ چلا اٹھے کہ ظالم! تو نے ان کو مار ہی ڈالا، گل خان نے کہا: اس قدر سخت اگر میرے ہاتھی کو مارتے تو بخدا وہ بھی ہلاک ہو جاتا۔ اور ملاؤں نے اس پر بھی مناظرہ کیا کہ مذہب کے خلاف حدیث پر عمل کرنا روا نہیں۔إنا للہ وإنا إليه راجعون۔ جس کی تفصیل ''حیاتِ غزنوی'' میں ان کے فرزندِ ارجمند سید عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذِ رشید مولانا غلام رسول رحمہ اللہ قلعہ میہاں سنگھ کے قلم سے دیکھی جا سکتی ہے۔ سید عبدالحی لکھنوی نے بھی ان کی جلاوطنی اور ان کی سزا کا ذکر کیا ہے۔[1] ان کے ان المناک واقعات کو مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم نے بھی فقہائے ہند میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔[2]

یہی وہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں ہم پہلے بھی نقل کر آئے ہیں کہ مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے جامد مقلدین کے بارے میں شکوہ کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''ما را قول امام باید، قول رسول کافی نیست۔''[3]

---

[1] نزهة الخواطر (٧/ ٣٣٥)

[2] فقہائے ہند (٣/ ٣٤٢، ٣٤٨) مطبوعہ دار النوادر

[3] درس ترمذی (٢/ ٦٣)

''ہمیں امام صاحب کا قول چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا قول کافی نہیں۔''

بلاشبہ بہت سے علمائے احناف نے اس موقف کی تردید کی ہے، حتی کہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے تو اسے شیخ کیدانی وغیرہ کے موقف کو ''خطا عظیم و جرمِ جسیم'' بلکہ ''اقبح القبیح'' اور ''الکفر الصریح'' قرار دیا ہے۔[1]

مگر ہمارا مقصد یہ تھا کہ یہ تھی کیفیت بعض حضرات کی فقہی روایات پر جمود اور ان کی مخالفت کرنے والوں پر تلخی و ترشی اور فتویٰ بازی کی۔

حدیث سے بے اعتنائی کا اندازہ کیجیے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی، مناظرہ کے ایک فریق شیخ محمد ابن احمد نظام الدین اولیاء تھے اور دوسری طرف تمام علماء تھے۔ شیخ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علماء بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے تھے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے: چونکہ اس حدیث سے شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے، اس لیے ہم اس کو نہیں مانتے۔ ''تاریخ فرشتہ'' میں ہے کہ یہ مجلس چاشت سے سایہ ڈھلنے تک قائم رہی اور قاضی کہتا ہے کہ تیرا حدیث سے کیا کام؟ تم ایک مقلد شخص ہو، ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی قول لاؤ، تاکہ اسے قبول کیا جائے۔ شیخ نے تعجب کرتے ہوئے کہا: سبحان اللہ! میں صحیح حدیثِ نبوی نقل کر رہا ہوں اور تم اس کی بجائے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول چاہتے ہو۔ میں نے کوئی عالم نہ دیکھا اور نہ سنا جس کے سامنے آنحضرت ﷺ کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے: ہم نہیں سنتے، ہم نہیں مانتے، یہ کیسا زمانہ ہے۔[2]

---

[1] تزيين العبارة لتحسين الاشارة (ص: ٦٦)، التدهين للتزيين (ص: ٧٩) مجموعه رسائل

[2] مقالات سید سلیمان ندوی (۶/۲، ۷)، نزہۃ الخواطر (۲/ ۱۲۸)، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (ص: ۲۶، ۳۹) لمولانا سید عبدالحی لکھنوی ندوی، فقہائے ہند (۲۱۳/۱) ط دار النور۔

وہ حدیث کیا تھی بقول بعض مورخین اس کے الفاظ ہیں: "السماع مباح لأهله" حالانکہ یہ حدیث ہے ہی نہیں، یہ شاید مورخ کی غلطی ہو، یہ فقرہ تو امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں بطور فتویٰ نقل کیا ہے، جیسا کہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے وضاحت کی ہے۔ یہ اور اسی نوعیت کے مزید کچھ واقعات ہم نے "پاک و ہند میں علمائے اہلِ حدیث کی خدماتِ حدیث" میں بھی ذکر کیے ہیں۔

اسی نوعیت کی یہ بات بھی دیکھیے کہ **شیخ محدث محمد فاخر رحمہ اللہ الٰہ آبادی** (المتوفی ۱۱۶۴ھ) جن کے بارے میں مولانا سید عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"وكان لا يتقيد بمذهب ولا يقلد في شيء من أمور دينية، بل كان يعمل بنصوص الكتاب والسنة، ويجتهد برأيه وهو أهل لذلك"[1]

"وہ کسی مذہب کے پابند نہ تھے اور دینی امور میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ کتاب و سنت کی نصوص پر عمل کرتے اور اپنی کوشش سے اجتہاد کرتے تھے اور وہ اسی کے اہل تھے۔"

شیخ الٰہ آبادی رحمہ اللہ دہلی تشریف لائے، دہلی کی جامع مسجد میں نماز پڑھی تو آمین بالجہر پکار دی، لوگوں کے لیے یہ نئی بات تھی، وہ شیخ کے علم و فضل سے واقف نہ تھے، نماز کے بعد انھوں نے شیخ صاحب کو گھیر لیا۔ شیخ نے حدیث کے حوالے سے بات سمجھانے کی کوشش کی مگر کسی نے ان کی بات نہ مانی اور بدستور بحث کرتے رہے۔ بالآخر شیخ نے فرمایا: میری بات تم نہیں مانتے تو مجھے شہر کے کسی عالم کے پاس لے چلو، ان سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں۔ وہ لوگ انھیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے پاس لے گئے اور ساری بات ان کے گوش گزار کی۔ شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] نزهة الخواطر (٦/ ٣٥١)

حدیث میں آمین بالجہر پکارنا ثابت ہے۔ شاہ صاحب کی زبان سے یہ الفاظ سن کر لوگ چلے گئے تو شیخ محمد فاخر رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے کہا: آپ کھلتے کیوں نہیں؟ شاہ صاحب نے جواب دیا: اگر کھل جاتا تو آج آپ کو کیسے بچاتا؟''[1]

اندازہ کیجیے کہ مذہبی جمود کہاں تک پہنچا ہوا تھا کہ اس کے خلاف کوئی عمل، خواہ سنتِ صحیحہ سے ثابت ہو، ناقابلِ برداشت تھا۔

یہی کچھ شارحِ حدیث **علامہ ابو الحسن محمد بن عبدالہادی سندھی** رحمہ اللہ سے مدینہ طیبہ میں ہوا جو نماز میں رفع الیدین کرتے اور سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔ مدینہ طیبہ کے حنفی قاضی کو ان کی شکایت کی گئی، قاضی نے انھیں جیل کی کال کوٹھری میں بند کر دیا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ تھی۔ قاضی صاحب جلد وفات پا گئے اور یوں علامہ سندھی رحمہ اللہ کی جان بخشی ہوئی ورنہ معلوم نہیں ان سے کیا گزرتی۔ جس کی تفصیل علامہ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ کی کتاب ''تراجم مشایخ'' میں ذکر کی ہے جسے شیخ علامہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے ''التعلیق المنصور علی فتح الغفور'' میں اور ''جلاء العینین'' میں بھی ذکر کیا ہے، نیز یہ تفصیل اس فقیر کے مقالات[2] میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ان کے تلمیذِ رشید علامہ ابن القیم، علامہ سید محمد اسماعیل الیمانی صاحبِ سبل السلام، علامہ شوکانی، شیخ محمد بن عبدالوہاب النجدی وغیرہم رحمہم اللہ سے کیا کیا ظلم وستم روا رکھا گیا۔ اس کی داستان بڑی طویل ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے البدر الطالع میں جابجا مجتہدین کا ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] تراجم علمائے ہند (ص: ۳۳۹)، فقہائے ہند (۲ ۹۱۰) ط دار النوادر دوم

[2] مقالات (۲۳۹/۴)

[3] شائقین جلد اول میں (ص: ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۷۹، ۱۰۴، ۱۳۵، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۹۰، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۳۰، ۳۶۰، ۳۶۹، ۳۹۶، ۴۴۵) اور جلد دوم میں (ص: ۶۰، ۶۱، ۸۱، ۹۰، ۱۰۴، ۱۱۶، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۵۴، ۱۶۱، ۲۱۰، ۲۶۵، ۲۷۷) ملاحظہ فرمائیں۔

اس نوعیت کے جمود کی باتیں کہاں تک لکھی جائیں، دور نہ جائیں! مولانا سید لکھنوی رحمہ اللہ نے مولانا محدث رحمہ اللہ محمد بن عبدالرحمان السہارنپوری (المتوفی ۱۳۰۸ھ) کے بارے میں لکھا ہے:

"وأخرج من مكة ثلاث مرات، وأوذى في ذات الله سبحانه غير مرة، وكان يعمل و يعتقد بالحديث ولا يقلد أحداً من الأئمة، و درس بمكة مدة عمره"[1]

"انھیں تین بار مکہ سے نکالا گیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے وابستگی پر کئی بار تکالیف سے دو چار کیا گیا، وہ حدیث کے مطابق عقیدہ رکھتے اور عمل کرتے تھے اور ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، طویل مدت تک انھوں نے مکہ مکرمہ میں درس دیا، حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ ستر (۷۰) سال انھوں نے حدیث کا درس دیا۔"

حضرت والا جاہ نواب صدیق حسن رحمہ اللہ، جنھیں کئی حضرات نے مجتہد و مجدد کے لقب سے نوازا ہے، مگر غیر مقلد اور نواب ہونے کے نتیجے میں حاسدین نے انھیں زہر دے کر مارنا چاہا۔ انھیں ائمہ مجتہدین اور اولیاء کا گستاخ قرار دیا گیا۔ ''وہابی'' جو اس دور میں انگریز حکومت کا باغی سمجھا جاتا تھا، انھیں بھی اس لقب سے ملقب کر کے انگریز حکومت کا باغی قرار دے کر ان کے منصب ''نواب'' کو ختم کروانے کی کوشش کی گئی۔ جس کی تفصیل ان کی خودنوشت سوانح ابقاء المنن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء سے جو سلوک روا رکھا گیا ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے سالوں میں ان کے خلاف کون سا حربہ ہے جو آزمایا نہیں گیا۔ یہ وہ پُر آشوب دور تھا جب انگریز بس 'وہابی' ہونے کے

---

[1] نزهة الخواطر (٨/ ٣٩٥)

جرم میں پھانسیوں پر لٹکا دیتے یا کالا پانی میں جلاوطن کر دیا جاتا تھا۔ وہابی اہلِ حدیث کو کہا جاتا تھا بلکہ وہابی اور باغی مترادف الفاظ کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے۔ اسی دور میں مولانا وصی احمد سورتی رحمہ اللہ جنھیں ''محدث'' باور کرایا جاتا ہے۔ جب کہ حدیث کے بارے میں سید لکھنوی نے لکھا ہے کہ ان کی شرح معانی الآثار حدیث میں ان کی کم علمی پر دلالت کرتی ہے۔[1]

نیز لکھا ہے کہ متعصب فقہاء میں سے تھے جو نصِ حدیث پر عمل کرنے والوں پر بہت نکیر کرتے تھے۔ انھوں نے ''جامع الشواهد في إخراج الواهابيين عن المساجد'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور ''وہابیوں'' کو مسجدوں سے نکال دینے کا ''فتویٰ'' صادر کیا اور اس پر بہت سے علماء کے دستخط کروائے اور مختلف ادوار میں اکیس ہزار سے زائد چھپوا کر تقسیم کیا جاتا رہا جس میں ''فرمایا'' گیا:

''فرقہ غیر مقلدین کی علامتِ ظاہری اس ملک میں آمین بالجہر یعنی آمین پکار کر کہنا اور رفع الیدین کرنا اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے۔ اہلِ سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرقِ ضالہ رافضی، خارجی وغیرہما کے ہیں، کیونکہ ان کے بہت سے عقائد اور مسائل اہلِ سنت کے مخالف ہیں ...... ان سے مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے اپنی مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔''

اس کے علاوہ ان اتہامات کا یہ طومار باندھا:

''یہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کرتے، ختمِ نبوت کا انکار کرتے، اماموں کو گالیاں دیتے، خالہ پھوپھی سے نکاح جائز کہتے، مالِ تجارت میں زکات کے قائل نہیں، پاؤں پر مسح کے قائل ہیں، منی کے

---

[1] نزهة الخواطر (٧/ ٥١٧)

کھانے کا جواز اور سور کی چربی کو حلال کہتے ہیں۔'' وغیر ذلك

یاد رہے کہ جامع الشواہد کا جواب متعدد جید علمائے اہلِ حدیث نے دیا:

① ''ابراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان'' تالیف: استاذ الاساتذہ حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ، تلمیذِ رشید شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ۔

② ''عمارة المساجد بهدم أساس جامع الشواهد'' تالیف: حضرت مولانا محمد سعید محدث بنارسی رحمہ اللہ تلمیذِ رشید حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ۔

③ ''جامع الفوائد'' تالیف: مولانا عبیداللہ الپائلی صاحب ''تحفۃ الہند''۔

④ ''كاشف المكائد في رد من منع عن المساجد'' تالیف: مولانا عبدالغنی۔

⑤ ''صيانة المؤمنين عن تلبيس المبتدعين'' تالیف: مولانا عبداللہ میواتی۔

مولانا ابو یحییٰ محمد شاہ جہانپوری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تردید میں لکھنا شروع کیا تھا مگر ''ابراء أهل الحديث والقرآن'' اور ''كاشف المائد'' کو دیکھنے کے بعد قلم روک لیا، جیسا کہ الارشاد إلی سبیل الرشاد (ص: ۲۷۶)، احیاء التراث پبلی کیشنز میں ہے۔ مولانا حافظ محمد عبدالکریم مسلم نے تو جامع الشواہد کا جواب ''قاطع حجة الفجار'' کے نام سے نظم میں دیا۔ ان رسائل کا یا ان میں سے کسی ایک رسالے کا جواب مؤلف جامع الشواہد اور اس کے ہمنواؤں میں سے بھی کسی نے نہ دیا۔ بلکہ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے اپنے مشہور رسالہ اشاعۃ السنہ بابت ماہ مئی ۱۸۸۳ء میں اشتہار دیا: ''خاکسار بذریعہ اشتہار ایک ہزار روپیہ نقد سکہ رائج الوقت کا اس شخص کو وعدۂ انعام دیتا ہے جو ان مفتریات وبہتانات کا جو اہلِ حدیث کے ذمے لگائے جاتے ہیں۔ ان کی کتب معمول متمسکہ سے ثابت کرے الخ۔''[1]

---

[1] ابراء اہل الحدیث (ص: ۲۲۵)، مجموعہ رسائل مولانا غازی پوری۔

ان مفتریات کا اثر ہونا ہی تھا کہ مساجد میں اہلِ حدیث کا داخلہ بند ہوا، جھگڑے اور فسادات شروع ہوئے، حتی کہ ان فسادات کے نتیجے میں عدالتوں میں مقدمہ بازی بھی شروع ہوئی اور عدالتوں سے یہ فیصلے صادر ہوئے کہ مسجد عام میں ہر ایک مسلمان کو اختیار ہے کہ نماز پڑھے اور کوئی حق قانونی مدعیان کو منع کرنے کا نہیں ہے۔ یہ تمام فیصلے حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ کی کتاب ''الکلام النباه في رد هفوات من منع مساجد الله'' کے آخر میں مطبوع ہیں۔ ان مقدمات کے فیصلوں کا ذکر مولانا محمد شاہ جہاں پوری رحمہ اللہ نے ''الارشاد إلی سبیل الرشاد'' (ص: ۳۱۔۳۴) میں بھی اختصار سے کیا ہے۔

''جامع الشواہد'' کے علاوہ دیوبندی مکتبِ فکر کے مشہور عالم مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی کے جد امجد مولانا محمد لدھیانوی صاحب نے ''انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں اہلِ حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کرنے والے مرتد، موجب قتل قرار دیا، بلکہ بعد توبہ کے بھی مارنا لازم ٹھہرایا اور انھیں مساجد سے نکالنے کا فتویٰ دیا۔ اس رسالے کا جو نتیجہ نکلا وہ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کے قلم سے لکھے گئے تاثرات میں پڑھیں:

> ''تھوڑا عرصہ ہوا لدھیانہ کے ایک مولوی صاحب نے صوبہ بہار میں پہنچ کر اہلِ حدیث کو مسجدوں سے نکالنے میں زور دیا اور اس مضمون کا رسالہ جس کا نام نامی ''انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد'' ہے شہر عظیم آباد (پٹنہ) میں چھپا کو مشتہر کیا، اس میں آپ نے اہلِ حدیث کو قتل کرنے کا فتویٰ بھی دیا، جس کا اثر تھوڑے دنوں کے بعد اس نواح میں یہ پیدا ہوا کہ ضلع شاہ آباد میں اہلِ حدیث اور حنفیہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے پر ایسی لڑائی ہوئی جس میں برطبق بیان

فریق حقیہ تلوار بھی چلی۔"[1]

یہ اور اس جیسے فتووؤں اور رسالوں کا نتیجہ بالکل واضح ہے۔ تاج پور ضلع دربھنگہ کی مسجد میں آمین بالجہر پر جھگڑا ہوا، مقدمہ لندن تک پہنچا اس کا فیصلہ پروی کونسل کے تحت ہوا۔ اس مقدمے میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ کے والد گرامی رئیس حاجی احمد اللہ رحمہ اللہ نے سارا خرچ برداشت کیا جو اس دور میں پندرہ ہزار روپے تھا۔[2]

یہ رسائل پُرفتن دور میں لکھے گئے جس میں ''وہابیوں'' کو بدنام کرنے اور انھیں مسجدوں سے نکالنے بلکہ قتل کرنے کے فتووؤں کا مقصد سمجھنا مشکل نہیں جو سب شعوری یا غیر شعوری طور پر ''وہابیوں'' کے خلاف انگریزی حکومت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی ناپاک جسارت معلوم ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ ان کتابوں کی اشاعت پاکستان میں بھی بعض ناعاقبت اندیشوں نے کی حتی کہ ''شرعی فیصلے'' کے نام سے یہ ساری کتابیں شائع کر کے ''شریعت'' کو محفوظ کرنے کا فریضہ بھی ادا کیا گیا۔ إنا للہ وإنا إليه راجعون.

ان رسائل سے غیض وغضب کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، بلکہ ۱۸۸۳ء میں جب شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین رحمہ اللہ نے حج بیت اللہ کا قصد کیا تو انہی ''مہربانوں'' نے ان کے خلاف کتنے جتن کیے، پوری کوشش تھی کہ میاں صاحب کو قتل کروایا جائے یا حبسِ دوام میں پھنسا دیا جائے ان حضرات نے یہ الزامات دھرے کے آپ ① مالِ تجارت میں زکاۃ کو واجب نہیں جانتے۔ ② خنزیر کی چربی کو حلال جانتے ہیں۔ ③ پھوپھی اور خالہ سے نکاح کو حلال کہتے ہیں۔ ④ آپ معتزلی ہیں وغیرہ۔

وہی اعتراضات جو جامع الشواہد میں مذکور تھے اور جن کا ایک نہیں کئی جوابات حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ ومتوسلین دے چکے تھے۔ پاشا مکہ مکرمہ عثمان

---

[1] اشاعۃ السنہ (۶/ ۲۴۷)   [2] شحنہ ہند (یکم اپریل ۱۸۹۱ء)

نوری کو یہ اعتراضات بتلائے گئے جن کا جواب حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ اور ان کے رفیقِ سفر مولانا تلطف حسین رحمہ اللہ نے تسلی بخش دیا تو پاشائے مکہ نے بنام پاشائے مدینہ منورہ ایک خط لکھ دیا تاکہ وہاں میاں صاحب رحمہ اللہ کے خلاف کوئی شورش نہ ہو۔ میاں صاحب رحمہ اللہ بخیر وخوبی واپس ہندوستان تشریف لے آئے مگر آتش انتقام سرد نہ ہوئی تو یہاں شوشہ پھیلا دیا کہ میاں صاحب نے مکہ مکرمہ میں غیر مقلدین سے توبہ کر لی اور اپنے حنفی ہونے کا اقرار کرلیا ہے۔ اس ''توبہ نامہ'' کی خوب تشہیر ہوئی۔ مگر خود میاں صاحب اور ان کے تلامذہ نے اس کا جعلی ہونا ثابت کر دیا۔ حتی کہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے بھی لکھا:

''اس کے فرضی ہونے پر میں ایسی شہادتیں رکھتا ہوں، جن سے زیادہ قابلِ اعتبار شہادتیں اور نہیں ہوسکتیں۔''[1]

خود حضرت میاں صاحب کے ایک مکتوب بنام نواب صدیق حسن خاں میں اس کی تردید کی اور مولانا احمد حسن میرٹھی رحمہ اللہ نے لکھا:

''بیشتر حنفی اخباروں میں مولانا وسیدنا شیخ الکل فی الکل سرآمد محدثین مولانا نذیر حسین صاب محدث دہلوی کی نسبت مشتہر کیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ یہ ہوا اور وہ ہوا۔ مگر بعد میں آفتاب نصف النہار کی طرح دنیا پر روشن ہوا کہ یہ کارروائی نری حساد بدنہاد کی روسیاہی اور ان کے نامۂ اعمال کی سیاہی تھی ورنہ مکہ مکرمہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔''[2]

یہ ساری داستان طویل ہے حیرت ہے کہ بڑے بڑے صاحبِ جبہ و دستار اور پیرانِ طریقت حضرات نے اس میں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ تفصیل کے لیے قارئین

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی (ص: ۱۰۸)

[2] شحنۂ ہند یکم مارچ ۱۸۸۸ء

تذکرہ نذیریہ جلد اول (مرتبہ: مولانا محمد تنزیل الصدیقی الحسینی) میں، نیز (۲/۱۴۵) جس میں ترکی اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی رپورٹ درج ہے۔ مقالات مولانا عبدالخالق قدوسی، الارشاد الی سبیل الرشاد، مجموعہ رسائل حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ یادگارِ سلف مرتبہ مولانا حافظ شاہد رفیق صاحب ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا سید عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

"انتهت إليه رئاسة الحديث في بلاد الهند، وكان رحمه الله ممن أو ذى في ذات الله سبحانه غير مرة ...... ثم إنه لما رحل إلى الحجاز سنة ثلاث مائة والف، رموه بالاعتزال وبأنه يقول بحلة شحم الخنزير، وبأن النكاح بالعمة والخالة جائزة، وبأن الزكاة ليست في أموال التجارة، وهكذا رموه بما هوبرئ من ذلك، فرفعوا تلك القصة إلى والى مكة فقبض عليه الوالي، واستنطقه وحبسه يوماً وليلة، ثم أطلقه، إنه لما عاد إلى الهند بدعوه وكفروه، كما كفر الناس في الزمن السالف كبار العلماء من الأئمة المجتهدين"[1]

"بلادِ ہند میں حدیث کی سرداری و سربراہی (میاں نذیر حسین رحمہ اللہ) پر ختم تھی اور وہ کئی بار اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستائے گئے، پھر انھوں نے ۱۳۰۰ھ میں حجاز مقدس کی رحلت کی، تو انھیں معتزلہ کہا گیا اور یہ کہ وہ کہتے ہیں خنزیر کی چربی حلال ہے، خالہ پھوپھی سے نکاح جائز ہے، مالِ تجارت میں زکاۃ نہیں ہے اور اسی طرح ان پر ایسی تہمت تراشی کی گئی جس سے

[1] نزهة الخواطر (۸/ ٤٩٨، ٤٩٩)

وہ بری الذمہ تھے، معاندین یہ الزامات والیٔ مکہ کے پاس لے گئے۔ انھوں نے اس کی جواب طلبی کی ایک دن اور ایک رات انھیں قید میں رکھا پھر انھیں چھوڑ دیا۔ پھر جب وہ ہندوستان واپس لوٹے تو انھیں بدعتی کہا اور ان کی تکفیر کی جیسا کہ گزرے ہوئے زمانے میں لوگوں نے انھیں کافر کہا جو کبار علماء و مجتہدین میں سے تھے۔''

حضرت مولانا محمد سعید بنارسی رحمہ اللہ نے بھی ایک مستقل رسالے میں اس توبہ نامے کی حقیقت کو واضح کیا ہے، بلکہ اس کے اندر جو عبارت میں فحش غلطیاں تھی انھیں اجاگر کیا اور پاشا کے مکتوب کو بھی نقل کیا۔ یہ رسالہ جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا اللہ سبحانہ وتعالیٰ جزائے خیر دے۔ مولانا شجاع الدین صاحب حفظہ اللہ کو جنھوں نے اس رسالے کا عکس اس فقیر کو بھجوانے کی زحمت فرمائی۔

قارئین کرام! اس سے اندازہ کیجیے کہ تقلید و جمود کے بجائے کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت پر کیا کیا ''گل'' کھلائے گئے انھیں کن کن ''القاب'' سے نوازا گیا اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اس کی داستان طویل اور بڑی افسوس ناک ہے مگر یہ ہمارا موضوع نہیں، ہم نے بڑے اختصار سے اور بڑی ناگواری سے ان واقعات کا ذکر کیا ہے کہ جی میں جو آئے سو کہے ہم اسے روک نہیں سکتے۔ ہم ببانگِ دہل بتلانا چاہتے ہیں کہ اہلِ حدیث کی دعوت کتاب و سنت کی پیروی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ امت کے طرزِ عمل کو اپنانے کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرقہ ناجیہ اہلِ حدیث کے تعارف میں یہی بات فرمائی ہے:

''هم الآخذون في العقيدة والعمل جميعاً بما ظهر من الكتاب والسنة وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين.''[1]

---

[1] حجة الله، باب الاعتصام بالكتاب والسنة (١ ١٧٠)

''یعنی وہ عقیدہ وعمل کتاب وسنت کے واضح احکام سے لیتے ہیں اور یہ طریقہ جمہور صحابہ اور تابعین کا تھا۔''

اس کے بعد غیر اہلِ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''كل فرقة انتحلت عقيدة خلاف عقيدة السلف'' أو ''عملًا دون أعمالهم''[1]

''ہر گروہ عقیدۂ سلف کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے اور ان کے طرزِ عمل کے خلاف عمل اپناتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدۂ توحید بے حد صاف اور نکھرا ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرتے تھے ان میں تشبیہ، تاویل وغیرہ کے قائل نہ تھے اور اعمال میں بھی کسی کی تقلید و جمود کے قائل نہ تھے۔ یہی دعوت ہر دور میں اہلِ حدیث کی رہی ہے اور بحمد اللہ آج بھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام کے بعد، محدثین کرام جیسے امام مالک، امام عبدالرحمان اوزاعی، امام لیث، عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید قطان، یزید بن ہارون، محمد بن ادریس شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج، عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی وغیرہم رحمہم اللہ اسی راہ کے راہ رو تھے۔

ماضی کی یہ داستان بڑی دل خراش اور بے حد افسوس ناک ہے۔ غور فرمایئے! ان حالات میں تقلید و جمود سے نکلنے کی کوئی کیسے جرأت کرے۔ اور اجتہاد کا دعویٰ کرے تو کیسے کرے؟ لیکن حالات کے اس ''جبر'' کو تقلید کی حمایت میں پیش کرنا اور امت کے بے شمار مجتہدین کو مقلد محض ثابت کرنے کی جسارت کرنا محض اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش ہے۔ حالانکہ اس کے باوجود ہر دور میں تقلید و جمود کی بجائے کتاب وسنت کی

[1] حجة الله، باب الاعتصام بالكتاب والسنة (١/ ١٧٠)

شاہراہ کو اختیار کرنے والوں کی کمی نہیں جیسے ہم پہلے باحوالہ ذکر کر آئے ہیں۔

اسی صراطِ مستقیم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں چلائے اور قیامت میں بھی اسی زمرہ کے ساتھ ہمارا حشر کرے اور جنت الفردوس میں ان کا رفیق وصدیق بنائے۔ آمین یارب العالمین.

ارشاد الحق اثری عفی عنہ

۲۴/شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ

۲۳/فروری ۲۰۲۵ء

ہماری دیگر مطبوعات

سلسلۂ مطبوعات (15-1)

مجموعہ رسائلِ عقیدہ

تالیف
نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل و تخریج
حافظ عبداللہ سلیم
حافظ شاہد رفیق

3 مجلد ✽ صفحات: 1800

سلسلۂ مطبوعات (19-16)

مجموعہ علومِ قرآن

تالیف
نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل و تخریج
حافظ عبداللہ سلیم
حافظ شاہد رفیق

مجلد ✽ صفحات: 912

سلسلۂ مطبوعات (20)

تفسیر ترجمان القرآن

بلطائف البیان

تالیف: نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تصحیح و تنقیح و نظرثانی
فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
حافظ شاہد رفیق فاضل مدینہ یونیورسٹی

تسہیل
جناب محمد یحییٰ قریشی

تخریج
حافظ حامد مشتاق فاضل مدینہ یونیورسٹی

5 مجلد ✽ معیاری طباعت

سلسلۂ مطبوعات (27-21)

مجموعہ مقالات و فتاویٰ

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ

ترتیب و تحقیق
فضیلۃ الشیخ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی

تخریج
حافظ شاہد رفیق
فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجلد ✽ صفحات: 712

سلسلۂ مطبوعات (28)

مجموعہ فتاویٰ

استاذ الاساتذہ حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ

(1260-1337ھ)

تحقیق: حافظ شاہد رفیق فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجلد // صفحات: 760

سلسلۂ مطبوعات (29)

مجموعہ فتاویٰ

محدث العصر علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

تحقیق: حافظ شاہد رفیق فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجلد // صفحات: 672

سلسلۂ مطبوعات (30-40)

عقائد و عبادات کے متعلق گیارہ نایاب رسائل کا مجموعہ

مجموعہ رسائل

استاذ الاساتذہ حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ

(1260-1337ھ)

تحقیق: حافظ شاہد رفیق فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجلد // صفحات: 708

سلسلۂ مطبوعات (41-46)

مجموعہ رسائل

سیرت سید العالمین | افضال سید المرسلین | برہان الحق | شہادۃ الاسلام | امامت اہل حدیث | مقالات و مضامین

استاذ المناظرین

مولانا احمد دین گکھڑوی

(۱۹۰۰ء — ۱۹۷۳ء)

تحقیق

حافظ عبداللہ سلیم

عمدہ طباعت — مجلد (صفحات: 696)

سلسلۂ مطبوعات (47)

تذکرہ محدث العصر

علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

تالیف

عبدالرشید عراقی

مجلد // صفحات: 312

سلسلۂ مطبوعات (48)

اضافہ شدہ جدید اِڈیشن

استاذ المناظرین

مولانا احمد دین گکھڑوی رحمہ اللہ

تالیف: مولانا محمد اسحاق بھٹی

مجلد // صفحات: 360

سلسلۂ مطبوعات (49)

برِصغیر میں

اہلِ حدیث کی اوّلیات

تالیف: مولانا محمد اسحاق بھٹی

مجلد // صفحات: 208

سلسلۂ مطبوعات (50)

قرآن مجید پر عیسائی مبلغین کے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب...

ایک نایاب دستاویز پہلی بار منظر عام پر

بُرهانُ التفاسیر

لإصلاح سلطان التفاسیر

تالیف: شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری

مجلد // صفحات: 432

سلسلۂ مطبوعات (51)

ارمغان

مولانا محمد اسحاق بھٹی

تالیف

حمید اللہ خان عزیز

مجلد // صفحات: 948

سلسلۂ مطبوعات (52)

اہلِ حدیث کا منہج

اور

احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت

تالیف: فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف

مجلد // صفحات: 288

سلسلۂ مطبوعات (53)

تاریخ و تعارف

دارالحدیث رحمانیہ دہلی

تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا اسعد اعظمی — تقدیم: مولانا محمد اسحاق بھٹی

مجلد // صفحات: 352

سلسلۂ مطبوعات (54)

جاوید احمد غامدی کے تصورِ حدیث و سنت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

فتنۂ غامدیت

تالیف: فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف

مجلد // صفحات: 368

سلسلۂ مطبوعات (55)

شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ
کے تلامذہ کرام کا تذکار جمیل

دبستانِ نذیریہ

تالیف: محمد تنزيل الصديقي الحسيني

2 مجلد // معیاری طباعت

سلسلۂ مطبوعات (56)

تحریکِ اہلِ حدیث کی دینی و ملی تگ و تاز
اور اکابر کا دلنشین تذکرہ

ہمارے اَسلاف

تالیف
مولانا محمد یوسف انور حفظہ اللہ

مجلد // صفحات: 408

سلسلۂ مطبوعات (57)

اردو تحریر و انشا میں سرزد ہونے والی اغلاط کی اصلاح

زبانِ خامہ کی خامیاں

تالیف: علیم ناصری رحمہ اللہ اضافہ: محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

پیش لفظ: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نظر ثانی: محسن فارانی

مجلد // صفحات: 224

سلسلۂ مطبوعات (58)

سلفیانِ برصغیر کے پہلے تنظیمی سربراہ اور دبستانِ نذیریہ کے ممتاز رکن
استاذ الاساتذہ حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ کے احوال و آثار اور دینی خدمات کا تذکرہ

یادگارِ سلف

حافظ شاہد رفیق
فاضل مدینہ یونیورسٹی

مجلد // صفحات: 592

سلسلۂ مطبوعات (59)

دلچسپ واقعات اور سبق آموز حکایات پر مبنی طلبائے علم کے لیے ایک راہنما تحریر

دینی تعلیم و تربیت کے اصول و آداب

تالیف: مولانا عبدالرؤف خان رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

کارڈ کور // صفحات: 118

سلسلۂ مطبوعات (60)

سوئے منزل

تالیف: مولانا عبدالخالق مدنی

کارڈ کور // صفحات: 304

ادارہ علوم اثریہ کی دیگر مطبوعات

1 العلل المتناهية في الأحاديث الواهية لابن الجوزي (دو جلدیں)

2 إعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر للمحدث شمس الحق العظيم آبادي

3 المسند للإمام أبي يعلى أحمد بن علي بن المثنى الموصلي (چھ ضخیم جلدوں میں)

4 المعجم للإمام أبي يعلى أحمد بن علي بن المثنى الموصلي

5 مسند السراج للإمام أبي العباس محمد بن إسحاق السراج

6 المقالة الحسنى (المعرب) للمحدث عبد الرحمن المباركفوري

7 جلاء العينين في تخريج روايات البخاري في جزء رفع اليدين للعلامة بديع الدين شاه الراشدي

8 فضائل رجب للإمام أبي بكر الخلال

9 اتمام المنفعة بتعجيل المنفعة

10 صحاحِ ستہ اور ان کے مؤلفین

11 امام دارقطنی

12 موضوع حدیث اور اس کے مراجع

13 کتابتِ حدیث تا عہدِ تابعین

14 احکام الجنائز

15 قادیانی کافر کیوں؟

16 مسئلہ قربانی اور پرویز

17 توضيح الكلام في وجوب القراءة خلف الإمام (جو بلا مبالغہ اپنے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے)

18 تنقيح الكلام في تائيد توضيح الكلام

19 آفاتِ نظر اور ان کا علاج

20 آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے

21 امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ

22 اسباب اختلاف الفقہاء

23 مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی

24 احکام الحج والعمرة والزیارة

25 مقالات اول تا ہشتم (الگ الگ مجلدات)

26 نوافل کی جماعت کے ساتھ فرض نماز کا حکم

27 مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

28 اعلاء السنن في الميزان (حنفی مسلک کی معروف کتاب کا ناقدانہ جائزہ)

29 تفسیر سورۃ یٰس

30 تفسیر سورۃ ص

31 تفسیر سورۃ المؤمن

32 مقالاتِ اثریہ

33 فہم حدیث میں فقہائے احناف کے اصول۔ ایک جائزہ

34 شرح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما

35 مسئلہ تدلیس اور منہج محدثین

36 تبيين العجب للحافظ ابن حجر العسقلاني

37 غاية المقصد في زوائد المسند

38 عدالتِ صحابہ

39 الناسخ والمنسوخ

40 محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ

41 پیارے رسول ﷺ کی پیاری نماز

42 پاک و ہند میں علمائے اہلِ حدیث کی خدماتِ حدیث

43 مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں

44 صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ

45 حرز المومن

46 مسلک اہلِ حدیث اور تحریکاتِ جدیدہ

47 مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کا موقف

48 فلاح کی راہیں

49 اسلام اور موسیقی

50 اسلام اور موسیقی پر ''اشراق'' کے اعتراضات کا جائزہ

51 احادیثِ ہدایہ۔ فنی و تحقیقی حیثیت

52 مقالات علامہ عبدالرحمن محدث مبارکپوری

53 تفسیر سورۃ فاطر

54 تفسیر سورۃ الصافات

55 تفسیر سورۃ الزمر

56 تفسیر سورۃ ق

57 مقالاتِ حدیثیہ

58

59 صحیح فقہ السنة III, II, I

60 خطبہ غدیرِ خم اور اہل بیت کے حقوق

61 مقالات علمیہ

62 شرح حدیث عباس رضی اللہ عنہ

ادارۃ العلوم الاثریہ منٹگمری بازار فیصل آباد۔ پاکستان — فون: 041-2642724